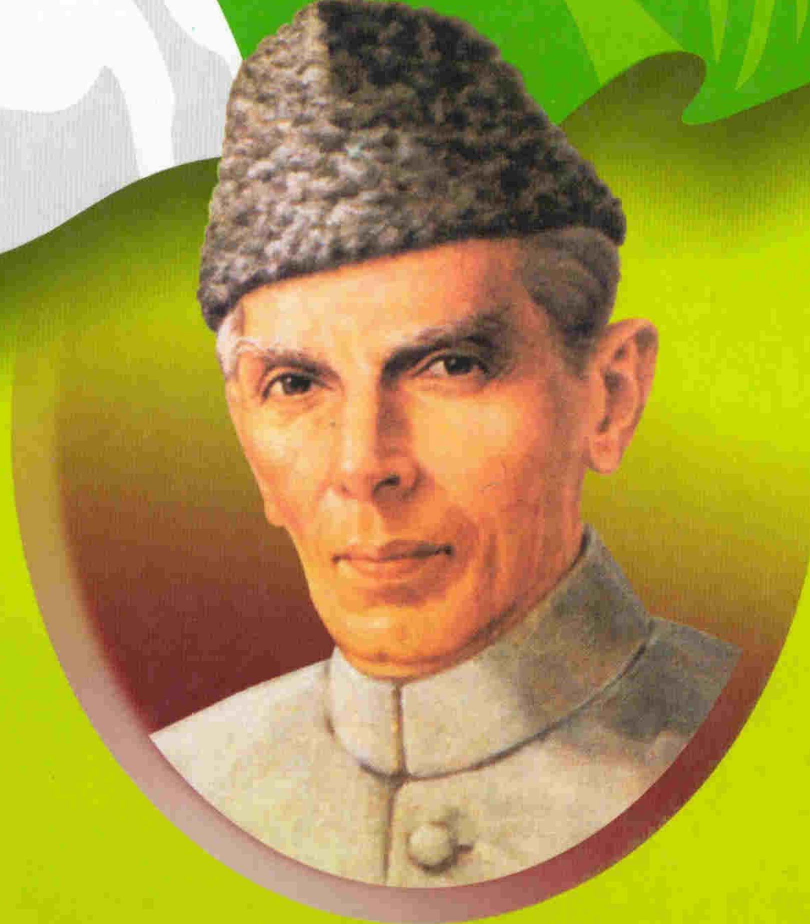
پیری میں بھی جواں ہے

محمد علی جناحؒ



وقار اصغر پرویز

پیری میں بھی جواں ہے

محمد علی جناح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

قائدِ اعظم محمد علی جناح کی صحت، بیماری اور آخری ایام کا احوال

وقار اصغر پرویز
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ تاریخ

جی۔سی یونیورسٹی (فیصل آباد)

"..... as there are various rumours of all sorts about my health, let me assure you all that there is nothing organically wrong with me nor do I suffer from any complaint, malady or disease of any kind. I am perfectly strong and healthy constitutionally. I am only suffering from the over work and the strain through which I have had to go, and the only remedy for it is complete rest ....."

The Eastern Time Lahore 11 April 1945.

فہرست مضامین

چند مختصر تعارف

باب نمبر 1

قائداعظمؒ کی گرتی صحت اور بڑھتا حوصلہ

زندگی کے آخری دس برسوں کے دوران قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سیاسی سرگرمیوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ بڑھاپے کی ان سرحدوں میں بہت پہلے داخل ہو چکے تھے جہاں انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ اُن کی بیوی رتی [1] کی وفات [2] (20 فروری 1929ء) کے بعد اُن کی صحت و زندگی کا ہمہ وقت خیال رکھنے والی بہن فاطمہ جناح (1967ء۔1893ء) کو اُن کی گرتی ہوئی صحت سے سخت تشویش رہتی تھی۔ اُن کی خواہش ہوتی کہ اُن کا بھائی چند دن آرام و سکون سے گزارے اور اپنی صحت کی طرف دھیان دے۔ اُن کے ڈاکٹر انہیں آرام کا مشورہ دیتے رہتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح جب بھی اُن کے طویل اوقات میں کام کرنے اور ہندوستان بھر کے مسلسل طوفانی دوروں پر اعتراض کرتیں تو وہ انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیتے۔

"کیا تم نے سُنا ہے کہ کسی جنرل نے چھٹی کی ہو جب اُس کی فوج
میدانِ جنگ میں اپنی بقا کی جنگ لڑ رہی ہو۔" [3]

وہ واقعی ہندوستان میں مسلمانوں کی بقا کی جنگ لڑ رہے تھے۔

قرارداد لاہور 1940ء کی منظوری کے بعد ان کی مصروفیات بہت بڑھ گئیں تھیں۔ انہیں رائے عامہ کو علیحدہ وطن کے حق میں استوار اور منظم کرنا تھا۔ اس زمانے میں محدود ذرائع ابلاغ تھے۔ قومی سطح پر کوئی مسلم اخبار موجود نہ تھا جو مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ کرتا اور اُن کے احساسات کی ترجمانی کرتا۔

رائے عامہ کو ہموار کرنے کیلئے سب سے مؤثر اور بہتر ذریعہ عوامی اجتماعات اور جلسے تھے۔ علیحدہ وطن۔۔۔۔۔ تقسیم ہندوستان کا مطالبہ ہندوؤں کے لیے انتہائی حیران کن تھا۔ خود مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ پاکستان کیا تھا؟۔۔۔۔۔ اس کا حصول کیسے ہو

گا؟اور اس کے کیا خدوخال ہوں گے؟انہیں شہر شہر جا کر پاکستان کا مطلب اور مفہوم سمجھانا تھا۔

ان دنوں مسلم لیگ کے پاس کوئی سیاسی سیکرٹریٹ نہ تھا۔اور نہ ہی انہیں سیکرٹریوں کی سہولت حاصل تھی۔ پاکستان کے مقدمے کو بڑھانے کے لیے وہ تن تنہا سرگرم عمل تھے۔ وہ اخبارات کے تراشے خود تراشتے۔مسلم لیگ کی صوبائی اور ضلعی شاخوں سے خود رپورٹیں وصول کرتے۔مخالفوں کی تقریروں اور بیانات پر نظر رکھتے۔زندگی کے مختلف طبقہ کے مسلمان انہیں نئے وطن کی تفصیل کے بارے میں خطوط لکھتے۔ اِن سب کو وہ مفصل اور جامع جواب دینے کی کوشش کرتے۔طویل اجتماعات میں سیاسی ورکروں اور سیاسی لیڈروں کو پاکستان کے بارے میں مکمل جواز اور یقین بخشتے۔۔۔ اپنی تقاریر خود تیار کرتے اور اپنی تھکاوٹ سفر کے دوران کچھ اُونگھ کر۔۔۔۔اور کچھ سو کر دور کرتے۔

1940ء میں ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے دس انچ اور معمول کا وزن 112 پونڈ تھا۔[4]

(جو پاسپورٹ انہیں 1946ء میں کراچی سے جاری ہوا تھا اس میں ان کا قد پانچ فٹ ساڑھے گیارہ انچ درج ہے)[5] اپنی ذمہ داریوں اور مصروفیات کی وجہ سے وہ ایک ایک اونس کر کے اپنا وزن کھو رہے تھے۔وہ اپنی صحت اور اِس قسم کے دیگر معاملات سے قطعی طور پر بے نیازی برت رہے تھے۔وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس قسم کے "نجی" معاملات اُن کے کام میں حائل ہوں۔

نومبر 1940ء میں وہ مرکزی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کے لئے بمبئی سے دہلی روانہ ہوئے۔محترمہ فاطمہ جناح اُن کے ساتھ شریکِ سفر تھیں۔وہ ٹرین میں بستر پر لیٹے ہوئے تھے کہ اچانک زور سے چلائے۔محترمہ فاطمہ جناح لپک کر اُن کے پاس پہنچیں اور اُن سے اس طرح بلبلا اُٹھنے کی وجہ دریافت کی۔درد کی شدت نے اُن کی قوت گویائی سلب کر دی ہوئی تھی۔چنانچہ کچھ کہنے کی بجائے وہ اُنگلی سے ریڑھ کی ہڈی کے نیچے دائیں جانب صرف اشارہ کر کے رہ گئے۔چلتی ٹرین میں طبی امداد کا ملنا ممکن نہیں تھا۔چنانچہ اُنہوں نے درد کم کرنے کے خیال سے اُن کے جسم کے متاثرہ حصے کو آہستہ آہستہ ملنا اور دبانا شروع کر دیا۔ایسا کرنے سے وہ مزید

تکلیف محسوس کر رہے تھے۔مایوس ہو کر اُنہوں نے یہ کوشش ترک کر دی۔بالآخر ٹرین ایک سٹیشن پر رُکی۔اُنہوں نے گارڈ سے درخواست کر کے گرم پانی کی ایک بوتل منگوائی اور اس سے درد والی جگہ پر ٹکور کیا۔جس سے ان کا درد کسی حد تک کم ہوا۔دہلی میں ڈاکٹر نے اُن کے تفصیلی معائنے کے بعد بتایا کہ اُن کے پھیپھڑے کی جھلی پر ورم آ گیا ہے اور انہیں کم از کم دو ہفتے لازمی آرام کرنا چاہیے۔ڈاکٹر کے جانے کے بعد اُنہوں نے فاطمہ جناح سے کہا۔

"کس قدر بدقسمتی کی بات ہے۔یہ اجلاس بہت اہم ہے۔میری وہاں موجودگی نہایت ضروری ہے۔اور ایک میں ہوں کہ بستر میں جبری آرام کے تعیش کا پابند کر دیا گیا ہوں۔"

وہ بمشکل دو روز تک بستر میں رہے۔مگر اُس کے بعد دوبارہ کام میں مصروف ہو گئے۔

وہ ایک انتھک اور بے چین شخص تھے جو اپنی قوم کی تاریخ کے پریشان دور میں پیدا ہوئے تھے۔[6]

وہ کام کے رسیا تھے۔فارغ رہنا انہیں پسند نہیں تھا۔کام کے دوران اُن پر بیمار ہونے کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا۔مسلسل کام اُن کی بیماری اور کمزوری کا اصلی سبب تھا۔جب بھی انہیں آرام کا مشورہ دیا جاتا تو وہ کہتے۔

"مجھے بہت کام کرنا ہے۔۔۔میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔"[7]

طویل اجتماعات اور جلسوں کے بعد اکثر وہ گھر پہنچ کر سیدھے بستر میں لیٹ جاتے تھے۔اُن میں لباس تبدیل کرنے کی بھی ہمت نہ ہوتی تھی۔

چند ماہ بعد اپریل 1941ء میں وہ بمبئی سے مدراس مسلم لیگ کے 28ویں سالانہ اجلاس (منعقدہ 12تا15اپریل)[8] میں شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ٹرین ابھی مدراس سے چند گھنٹوں کی مسافت پر تھی کہ وہ سیٹ سے غسل خانہ جانے کے لئے اُٹھے۔مگر چند قدم چل کر نڈھال ہو کر وہ ٹرین کے چوبی فرش پر بیٹھ گئے۔محترمہ فاطمہ جناح فوراً اُن کے پاس پہنچیں اور اُن سے اُن کی بے ہمتی کی وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگے۔

"میں بے حد کمزوری اور تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں۔"

مدراس میں ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد انہیں بتایا کہ اُن کو معمولی نروس بریک ڈاؤن ہوا ہے، اُس نے انہیں ایک ہفتہ کیلئے مکمل آرام کا مشورہ دیا۔

اپنی کمزوری کے باعث وہ مدراس کے افتتاحی اجلاس سے خطاب نہ کر سکے لیکن اگلے دن وہ خطاب کے لئے بضد تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کی ضد کے سامنے ہتھیار پھینکتے ہوئے درخواست کی کہ وہ مختصر خطاب فرمائیں گے۔ اُس کا اُنہوں نے وعدہ کر لیا مگر جب وہ خطاب کیلئے کھڑے ہوئے تو انہیں اپنی بیماری اور وعدہ دونوں ہی بھول گئے اور وہ دو گھنٹے سے زیادہ بولتے رہے۔ [9]

جون 1942ء میں وہ ریاست میسور کے دورے پر تھے۔ [10] مہاراجہ میسور نے اپنے وزیراعظم کے ذریعے خصوصی طور پر آپ کو یہاں کے دورے کی دعوت دی تھی۔ [11]

آپ ایک روز بنگلور بھی رہے۔ میسور کی نندی پہاڑی کا علاقہ بہت ہی صحت افزا مقام تھا۔ یہاں کی آب و ہوا اور فضا اُن کے لیے بہت موزوں ثابت ہو سکتی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے نہایت اصرار کر کے انہیں کچھ دن قیام کا مشورہ دیا۔ جسے انہوں نے قبول کر لیا۔ نندی ہل میں اُن کا قیام پندرہ دن رہا۔ اس قیام کے دوران اُن کی ملاقات مہاراجہ میسور سے بھی ہوئی۔ اُن کے علاوہ وہاں کے مقتدر لوگوں سے بھی اُن کے روابط ہوئے۔ وہ ایک ہفتے کے لئے اوٹا کمنڈ بھی گئے۔ یہ مدراس کا گرمائی دارالحکومت تھا۔ یہ جگہ میسور سے 80 میل کے فاصلے پر تھی۔ [12]

وہ خالصتاً آرام کی غرض سے یہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔ انہیں آرام سے جو صحت حاصل ہوئی، وہ وقتی تھی۔ کیونکہ "وہ آہستہ آہستہ حملہ کرنے والی بیماری" جس نے ان کی پوری طاقت کو نچوڑ لیا تھا، اب ناقابل علاج ہو چکی تھی۔

اس سال پورے موسم سرما میں اُن کی طبیعت خراب رہی۔ وہ مسلسل کھانسی اور ہلکے پھلکے بخار میں مبتلا رہے۔ وہ مستقلاً گھر پر قیام پذیر رہے۔ میل ملاقات اُنہوں نے انتہائی محدود کر دی۔

ان دنوں بمبئی کا گورنر سر راجر لیملے (Sir Roger Lumley)، لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgow ،1877ء۔1952ء) وائسرائے ہندوستان کی آئینی تبدیلیوں کے منصوبے کے حوالے سے اُن سے مل کر اُن کی رائے جاننے کا خواہش مند تھا۔ اس سلسلے میں اس نے انہیں ملاقات کی دعوت بھیجی۔ لیکن اُنہوں نے اپنی طبیعت کی ناسازی کی بناء پر معذرت کر لی۔ [13] ایسا بہت کم ہوا تھا کہ اُنہوں نے صحت کے تقاضوں سے مجبور ہو کر سیاسی کنارہ کشی کی ہو۔

ان دنوں وہ گھر میں اپنے کمرے کی مقدس تنہائی میں لیے مسلم مسائل سے نپٹنے کے لئے اپنے وجود کو اپنی مضبوط قوت ارادی سے مستحکم کرتے رہے۔

1940ء۔1941ء کے دو برسوں کے دوران انہوں نے اوسطاً پانچ مرتبہ اپنے ڈاکٹروں سے مشورہ لیا۔ اُن کے مسلسل گھر پر آرام کرنے کی وجہ سے اخبارات میں اُن کی صحت کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں ہونے لگیں۔ اُن کے دوست احباب اور عقیدت مند خبریں پڑھ کر دست بہ دُعا ہو جاتے تھے۔ اُن کے ایک دوست "میجر گارڈنر نے تو انہیں دُعا کے ساتھ ساتھ ایک ایسی دوا بھی تجویز کر دی جو اُن کی نسبت گاندھی جی (1869ء۔1948ء) [14] کیلئے بہت زیادہ موزوں تھی۔ اُنہوں نے اپنے ایک خط میں انہیں لکھا کہ

> "دودھ سے بہتر دُنیا میں کوئی غذا نہیں۔ بشرطیکہ اُسے اُبالا نہ جائے۔ نہ پاستری طریقے سے اس کے جراثیم ہلاک کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے علاوہ انڈے دودھ میں پھینٹ کر کھائیے۔ انڈے اگر کچے کھا سکیں تو کیا کہنا۔ تازہ پھل اور ترکاریاں خوب کھائیں۔" [15]

نسخہ پڑھ کر یقیناً وہ مسکرائے ہوں گے۔ وہ اُن لوگوں سے تھے جو کھانے کے لئے زندہ نہیں تھے بلکہ زندہ رہنے کے لئے کھاتے تھے۔ اُن کا مسئلہ خوراک نہیں تھا بلکہ آرام تھا۔

اُنہوں نے 3 مئی کو اُن کے مخلصانہ مشورے کا جواب یوں دیا۔

"یہ آپ کی بڑی نوازش ہے۔ لیکن شکر ہے کہ مجھے کوئی تشویش ناک
بیماری نہیں۔ یہ سارا فساد کام کی زیادتی کا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ
کچھ دن مکمل آرام کروں اور بالکل پرسکون زندگی بسر کروں یہی
میرے درد کا درماں ہے۔" [16]

وہ اپنی گفتگو میں اور خط و کتابت میں کبھی اپنی ذات اور بیماری کو زیرِ بحث نہ لاتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُن کی زندگی کے اہم گوشوں اور بیماری کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ملتیں۔ وہ اپنی طبیعت کی خرابی کو ہمیشہ تھکاوٹ ہی سے منسوب کیا کرتے تھے۔

پھیپھڑوں کی جھلی کا ورم، مسلسل تھکان اور بے آرامی جس کی وجہ سے اُن کو کئی کئی روز بخار اور کھانسی کی اذیت رہتی تھی۔ وہ اِس حالت میں تھے جس میں انہیں آرام کی سخت ضرورت تھی۔ مگر وہ مسلم عوام کے پاس جانے کے لئے سخت بے چین رہتے تھے۔ اپنے عظیم مقصد کا جوش و خروش اُن کے تھکے ماندے جسم کو انتہائی قوت بخشتا تھا۔

اپنے جوش میں وہ اپنی بیماری، تھکن، کمزوری اور بخار کو بھولے رہتے تھے۔ وہ جب جلسوں میں لوگوں سے خطاب کرتے تھے تو اُن کے لب و لہجہ سے اُن کی بیماری کا اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ ہر وقفے کے دوران حاضرینِ جلسہ قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگاتے اور وہ اپنی آواز کو عوام کے دلوں میں پیدا ہونے والی اُمیدوں، اُمنگوں اور مسرتوں کے ساتھ ساتھ بلند سے بلند تر کرتے چلے جاتے۔ جواب تک خود کو کھلے آسمان تلے ہولناک اندھیرے کی قید میں محسوس کر رہے ہوتے تھے۔ اُن کی قوم ہرگز نہیں جانتی تھی کہ اس کا لیڈر کس قدر تھکا ماندہ مضمحل، جسمانی طور پر کمزور اور بیمار تھا۔ وہ اپنی قوم کے ہیرو تھے اور ہیرو کے ہیرو پن کو بھلا کون الزام دے سکتا تھا۔ [17]

1942ء میں سرایولن رینچ (Sir Evelyn Wrench) کی ملاقات اُن سے بمبئی میں ہوئی۔ اُنہوں نے دورانِ گفتگو اُن سے پوچھا کہ اُن کا ذریعہ تفریح کیا ہے اور وہ فراغت کے وقت اپنے فرائضِ منصبی کی فکریں کیوں کر بھلاتے ہیں۔

اُنہوں نے جواب دیا۔

"میرا پیشہ اس نوعیت کا ہے کہ مجھے تفریح کیلئے وقت ہی نہیں ملتا۔" [18]

تفریح کا شغل اُن کی زندگی میں کہیں نہ تھا۔ بالعموم وہ مصروفیات سے گھر واپس آ کر کمرے کی مقدس تنہائی میں لیٹ جاتے اور ہانپتے ہانپتے سانس لیتے۔ تاریخ کے دوسرے بہت سے مشاہیر کی طرح وہ تنہائی میں زیادہ آرام محسوس کرتے تھے اور اُن کے اندر دھکتی ہوئی آگ قوم کے دلوں کو دُور سے بھی گرمائے رکھتی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ اپنی مرضی کے مطابق سو جانے کی صلاحیت کے بھی مالک تھے۔ چنانچہ دن بھر کی پریشانیاں اور تفکرات ان کے تحت الشعور کے باہر تک ہی محدود رہتیں تھیں۔ حتیٰ کہ وہ گہری نیند کی حالت میں بھی اُن کے خیالات میں نہیں اُتر پاتی تھیں۔ ہر صبح کے ساتھ اُن کے نام تازہ خطوط تازہ درخواستیں آ جاتیں اور نئے نئے مسائل اور بھاری بھرکم معاملات فیصلوں کے منتظر ہوتے تھے۔ [19]

مئی 1943ء میں وہ ایک بار پھر اپنی مصروفیات کی وجہ سے تھکاوٹ کا شکار ہو گئے۔ [20]

تھکاوٹ کی وجہ سے انہیں ہلکا ہلکا بخار مسلسل رہنا شروع ہو گیا۔ حسب عادت اُنہوں نے اس کیفیت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ نتیجتاً وہ بستر سے لگ گئے۔ کوئی ایک ماہ تک اُن کی سیاسی سرگرمیاں معطل رہیں۔ علاج معالجے اور کچھ دن بستر پر آرام کی وجہ سے وہ اگرچہ صحت یاب ہو گئے لیکن اُن کے ڈاکٹروں کا مشورہ تھا کہ وہ چند دن کسی پُر فضا پہاڑی مقام پر گذاریں۔ تاکہ وہ اپنی بیماری سے کھوئی ہوئی طاقت اور صحت دوبارہ حاصل کر لیں۔ اُنہوں نے اس سلسلے میں کوئٹہ (بلوچستان) کے انتخاب کو پسند کیا۔ وہ ایک عرصہ سے بلوچستان کا دورہ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کے مجوزہ پاکستان کی تسبیح بلوچستان کے بغیر نامکمل تھی۔ اب انہیں یہ موقع میسر آ رہا تھا کہ آرام کے ساتھ ساتھ وہاں مسلم لیگ کی تنظیم سازی کرتے اور وہاں کے مسائل اور معاملات کو سمجھتے۔ یہ علاقہ ایسا تھا کہ وہ وہاں سے پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سے بھی بہ آسانی روابط رکھ سکتے تھے۔

بلوچستان مسلم لیگ کے صدر قاضی عیسیٰ خان (1913ء-1976ء) جنہوں نے

بلوچستان کی طرف سے قرارداد پاکستان کی حمایت کی تھی، وہ بھی مسلسل انہیں بلوچستان آنے کی دعوت دے رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو قطعاً یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُنہوں نے آرام کے پروگرام میں مصروفیات کے سلسلے شامل کر لیے تھے۔ وہ خوش تھیں کہ کوئٹہ جیسے پُر فضاء مقام پر اُن کا بھائی صرف آرام کرے گا اور اُس کی صحت بحال ہو جائے گی۔

طبیعت سنبھلتے ہی وہ سندھ کے دورے پر روانہ ہو گئے جہاں اُنہوں نے سندھ مسلم لیگ کے 13 جون کے ایک اہم اجلاس میں شرکت کی۔ 21 سندھ مسلم اکثریت کا اہم صوبہ تھا۔ مجوزہ پاکستان میں اُس کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ اُن کی خصوصی توجہ کا مرکز تھا۔ یہاں کے سیاست دان جو کہ بالعموم زمیندار تھے، سیاست میں اپنی ذات کو زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ تمام عصبیتیں بھول کر قومی دھارے میں شریک ہو کر اہم کردار ادا کریں۔ چند دن یہاں قیام کر کے اُنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اہم لوگوں سے ملاقاتیں کیں اور چند اجتماعات سے بھی خطاب کیا اور پھر 25 جون 1943ء کو ٹرین کے ذریعے کوئٹہ روانہ ہو گئے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ 25 جون 1943ء کو بلوچستان کے صدرِ مقام کوئٹہ پہنچے۔ قاضی محمد عیسیٰ خان، ارباب کرم خان موسوی عبدالرشید، پیر احمد خان زئی، حاجی صولت خاں ترین، عبدالغفار اچکزئی، حاجی ناصر علی پیرزادہ، سردار محمد علی رئیسانی، سیٹھ یوسف علی، رانا ولی محمد، خان کلیم اللہ خان، خان محمد غازی خان، راجہ عدالت خان، ملک کرم الٰہی ایڈوکیٹ، شیخ منظور احمد وکیل، یحییٰ بختیار، خان آف قلات کے پرائیویٹ سیکرٹری عبدالرؤف خان کے علاوہ کارکنانِ مسلم لیگ، مسلم سٹوڈنٹس سکاؤٹس، اسلامیہ ہائی سکول، اراکین بچہ مسلم لیگ اور ہزاروں افراد اُن کے استقبال کو پیش پیش تھے۔ 22 اُن کو ایک شاندار جلوس کی صورت میں قاضی عیسیٰ خان کی رہائش گاہ پر لایا گیا۔

راستے آرائشی جھنڈیوں کے ساتھ ساتھ اُن کی تصاویر اور تقریروں کے چیدہ چیدہ فقروں سے سجے ہوئے تھے۔ اُن کا والہانہ استقبال اس بات کا گواہ تھا کہ اہل بلوچستان اُن کے نظریات و خیالات سے متفق تھے۔ اور پاکستان کے حصول میں وہ ایک اہم کردار ادا کرنے کے

لئے تیار تھے۔ اُن کا یہ دورہ سیاسی کم تھا۔ آرام کی غرض سے زیادہ تھا۔ لیکن اہل بلوچستان کی محبت میں سرشار ہو کر وہ آرام کرنا بھول گئے اور اُنہوں نے علاقے کے اہم مسلم نمائندوں سے رابطے شروع کر دیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے پاکستان کی تعبیر اور تشریح کے لئے کوئٹہ میں عوام کے اجتماعات سے خطاب بھی کیا۔ اُنہوں نے 3 جولائی 1943ء کو کوئٹہ میں بلوچستان مسلم لیگ کے تیسرے سالانہ اجلاس میں کہا۔

> مسلمان ایک عبوری دور سے گزر کر استقلال کی راہ پر گامزن ہیں۔ اسلامی اکثریت کے تمام صوبوں میں مسلم لیگ کی وزارتیں قائم ہو چکیں ہیں۔ بنگال، پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد سب کے سب معاشرتی اصلاحات اور ثقافتی و اقتصادی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ آسام کی وزارت میں بھی مسلم لیگ ہی کا اقتدار ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان آج سے پہلے کبھی اس قدر متحد نہیں ہوئے تھے جتنے وہ آج ہیں۔
>
> اب وہ وقت آ گیا ہے کہ مسلمانانِ بلوچستان بھی اپنی گراں خوابی سے چونکیں اور اُمت مسلمہ کی صفوں میں شامل ہو جائیں۔ آپ کے صوبے میں بھی مسلم لیگ کا نظام روز بروز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کی یہی بیداری قومی تعمیر کی بنیاد ثابت ہو گی۔ کسی قوم کو بیدار کرنا ایک بڑا کام ہے اور اس کو منظم کرنا اس سے بھی دشوار عمل ہے۔
>
> میں اہل بلوچستان سے اپیل کرتا ہوں کہ اب وہ بھی بیدار ہوں۔ حسد و کینہ پروری اور ذاتی مفادات کو نظر انداز کر دیں۔ ذرا ذرا سے اختلافات، نجی قضیئے اور قبیلوں کی توہم پرستیوں کو خیر باد کہیں۔ اگر انہوں نے اتنا کر لیا تو یقیناً بلوچستان آگے بڑھ کر ہندوستان میں

اپنا باعزت مقام حاصل کرلے گا۔

میں بلوچستان کے نوابوں کو یہ مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ دُنیا کے بدلتے ہوئے حالات کو نظر میں رکھیں۔

بلوچستان میں تعلیمی فقدان کی تمام تر ذمہ داری موجودہ نظم ونسق کی خامی پر عائد ہوتی ہے۔ یہاں کی شہری ترقی نہ ہونے کے برابر ہے۔ کوئٹہ جیسے مقام پر بھی مقامی حکومت کو خود اختیاری نہیں دی گئی ہے۔ حالانکہ ایسے شہروں میں جو کوئٹہ سے کمتر درجہ کے ہیں۔ منتخب بلدیات اور مقامی مجالس قائم ہیں۔ میں مرکزی مسلم لیگی جماعت کو اس کی پوری اطلاع دوں گا کہ وہ اس سلسلے میں مقننہ میں آواز اٹھائیں۔

ان مشکلات سے باشندگان بلوچستان کو پست ہمت نہ ہونا چاہیے کہ اپنی تنظیم کریں اور مسلم لیگ کے پرچم تلے جمع ہو جائیں۔ دوسرے صوبوں کے مسلمانوں نے مسلم لیگ میں شریک ہو کر اسے ایک مستحکم تنظیم بنا دیا ہے۔

کانگریس نے مسلم لیگ میں انتشار پیدا کرنے کے لئے بڑی باریک چالیں چلیں۔ لیکن آخر میں وہ سب ناکام ہوگئیں۔ جب ہم ہندوؤں کی برائی نہیں چاہتے اور اُن میں افتراق نہیں پیدا کرتے تو پھر وہ کیوں اپنی حرکات سے باز نہیں رہتے۔ [23]

اُنہوں نے زور دے کر آخر میں کہا۔

یاد رکھو کہ مسلم کا خدا ایک ہے۔ قرآن ایک ہے اور پیغمبر (علیہ الصلوۃ وسلام) ایک ہے۔ ہمارا پلیٹ فارم بھی ایک ہی ہونا چاہیے اور

ہماری آواز بھی ایک ہے اور ہمارا نصب العین فقط پاکستان ہے۔ [24]

قائد اعظم محمد علی جناحؒ کو بلوچستان کی پسماندگی سے بہت دُکھ پہنچا۔ انہوں نے تہیہ کیا وہ اس کی پسماندگی کو دُور کرنے کیلئے بہت کوشش کریں گے۔

کوئٹہ کا موسم ان مہینوں جون، جولائی اور اگست میں بہت خوشگوار ہوتا ہے۔ مصروفیات کے ساتھ آرام جو کہ مصروفیات سے زیادہ تھا، نے ان کی صحت پر بہت اچھے اثرات مرتب کئے۔ [25]

11 جولائی کو وہ خان آف قلات میر احمد یار خان کی دعوت پر قلات چلے گئے۔ ان کے ہمراہ ان کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح، ایک سیکرٹری اور دو ذاتی ملازمین تھے۔ قلات سے وہ زیارت آ گئے۔ زیارت کی دعوت اُنہیں گورنر جنرل کے ایجنٹ سر اوبرائے مٹکاف نے دی تھی۔ [26] یہاں اُنہوں نے دو دن کیلئے قیام کیا۔ انہیں زیارت کی حسین وادی اور یہاں کے جونیپر کے درختوں کے حسن نے بہت مسحور کیا۔ یہ وادی انہیں پہلی ہی نظر میں بہت پسند آئی۔ وہ اس کے قدرتی حسن اور سکوت کے ایسے اسیر ہوئے کہ بعدازاں اپنی زندگی کے آخری ایام یہاں گذارنے پر مجبور ہو گئے۔

بلوچستان میں اُن کا قیام تقریباً 25 دن کا تھا۔ اُن کے قیام کے دوران بلوچستان مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن بھی معرض وجود میں آئی جس کے پہلے صدر سردار زادہ خیر محمد خان ترین چنے گئے۔ [27] 18 جولائی کو وہ کوئٹہ کی پرفضا موسم کے صحت پر اچھے اثرات اور اہالیانِ بلوچستان کی دلی تائید وحمایت لے کر براستہ سندھ روانہ ہوگئے اور 23 جولائی کو واپس بمبئی پہنچ گئے۔ [28]

بلوچستان کے دورے سے آئے ہوئے ابھی تین ہی دن ہوئے تھے کہ 26 جولائی 1943ء کو رفیق صابر نامی شخص جس کا تعلق خاکسار تحریک سے تھا، نے بمبئی میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی رہائش گاہ مالا بار ہل پر زبردستی گھس کر ان پر چاقو سے قاتلانہ حملہ کر دیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ دوپہر کے وقت ایک اجنبی مکان میں داخل ہوا اور کہا کہ وہ قائد اعظمؒ سے ملنا چاہتا ہے۔ بڑے دروازے کا پٹھان چوکیدار اجنبی کو لے کر قائد اعظمؒ کے سیکرٹری مطلوب الحسن سیّد۔

(1915ء۔1984ء) کے پاس لے آیا۔ اجنبی نے سیکرٹری سے بھی یہی کہا کہ وہ اُن سے ملنا چاہتا ہے۔ سیکرٹری نے اجنبی کو سمجھایا کہ وہ پہلے سے وقت مقرر کر کے لوگوں سے ملتے ہیں اور اگر وہ اپنی آمد کا مقصد تحریراً بتا دے تو وہ اس کے لیے وقت اور تاریخ لینے کی کوشش کرے گا۔ اس اثنا میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کسی فائل کی تلاش میں اپنے سیکرٹری کے کمرے میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ چیخ چیخ کر اُن سے کہنے لگا کہ اُسے چند منٹ دیئے جائیں۔ اُنہوں نے انتہائی نرمی سے سمجھایا کہ آج وہ بہت مصروف ہیں اور اُن کا سیکرٹری اُن کو کوئی وقت دے دے گا۔ اس پر اُس اجنبی نے جیب سے چاقو نکال لیا اور اُن کی گردن پر حملہ کرنے کی نیت سے جھپٹا۔ اُنہوں نے ہاتھ بلند کر کے اس حملے کو روکنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے قاتل کا نشانہ بھی چوک گیا۔ سیکرٹری مطلوب الحسن سیّد اور پٹھان چوکیدار نے بھی پھرتی دکھاتے ہوئے تھوڑی جدوجہد کر کے حملہ آور پر قابو پالیا۔ تاہم اِس جدوجہد میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کے چہرے اور گردن پر زخم آئے۔ [29]

قائداعظمؒ کی جان پر قاتلانہ حملہ پاکستان کے دشمنوں کی ایک انتہائی بزدلانہ حرکت تھی۔ یہ منصوبہ سوچا سمجھا تھا۔ وہ اس حملے سے قطعاً دہشت زدہ نہیں ہوئے۔ بلکہ ڈاکٹر سے زخموں کی پٹی کروا کر وہ پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ اُن کی ذات پر حملے کے کئی فسانے بن سکتے تھے۔ اخبار والے تو بڑھا چڑھا کر خبر کو سجانا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ کسی بھی متوقع ہنگامے کے پیش نظر آپ نے فوراً ایک اخباری بیان جاری کیا جس میں بتایا گیا کہ رفیق صابر نامی ایک شخص نے انہیں قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ مسلم عوام کو یہ معلوم ہو جائے کہ کسی ہندو نے اُن کی زندگی پر حملہ نہیں کیا تھا اور نہ اس خبر کے عام ہوتے ہی فرقہ وارانہ فسادات شروع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ [30]

وہ کسی قسم کی سستی شہرت کے قائل نہ تھے۔ اخبارات اور عوام میں موضوع گفتگو بنے رہنے کے لیے وہ کسی قسم کے سکینڈل یا افواہوں کا سہارا نہیں لیتے تھے۔ اخبارات میں جب یہ خبر جلی سرخیوں کیساتھ شائع ہوئی تو مسلم عوام تڑپ کر رہ گئے۔ قائداعظمؒ مسلم عوام کی محبت اور عقیدت

کو سمجھتے تھے اُنہوں نے خصوصی طور پر ایک اخباری بیان میں کہا کہ

"اگر چہ یہ ایک سوچا سمجھا منصوبہ تھا تاہم خدا کے فضل و کرم سے میرے کوئی شدید زخم نہیں آیا۔ میں اس وقت کچھ کہنا نہیں چاہتا مگر مسلمانوں سے پُرامن رہنے کی اپیل کرتا ہوں۔ ہم سب کو شکر کرنا چاہیے کہ میں معجزانہ طور پر بچ گیا ہوں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے دکھ ہوتا ہے کہ مجھ پر یہ بزدلانہ حملہ۔۔۔۔۔۔ ایک مسلمان نے کیا ہے۔" [31]

اُن پر حملے کی خبر پھیلتے ہی ان کے چاہنے والے اُن کی رہائش گاہ پر جمع ہونے لگے۔ وہ اُن کی ایک جھلک دیکھ کر اپنے اندیشوں کی تردید کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی بیٹی "دینا" جس نے اپنی پسند کی شادی ایک پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا [32] سے کی تھی۔ اس وجہ سے باپ بیٹی کے تعلقات میں کشیدگی آ گئی ہوئی تھی، وہ بھی بے چین ہو کر اپنے باپ کی عیادت کو چلی آئیں۔ [33]

قائداعظمؒ کی خیریت معلوم کرنے کیلئے ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں تار آئے۔ ان دنوں مسلم لیگ کا ایک وفد صوبہ سرحد کا دورہ کر رہا تھا۔ جہاں ایک ضمنی انتخاب ہو رہا تھا۔ خبر سنتے ہی پٹھانوں کے ایک ہجوم نے جن کے چہروں پر فکر و پریشانی کے آثار تھے، لیگی لیڈروں کی قیام گاہ پر دھاوا بول دیا۔ اُن کا اصرار تھا کہ قائداعظمؒ انہیں خود یقین دلائیں کہ وہ خیریت سے ہیں۔ "انہیں اخبارات کی یقین دہانیوں پر بھروسہ نہیں تھا۔ چنانچہ بمبئی فون کیا گیا اور قائداعظمؒ کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔ اُنہوں نے اُن کی اس خواہش کا احترام کیا اور اُن کے چند نمائندوں سے ٹیلی فون پر گفتگو کر کے اپنی خیریت کا یقین دلایا۔ اور انہیں خصوصی طور پر ہدایت کی کہ

میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، اُسے بھول جانا چاہیے اور اپنی تمام تر قوت انتخاب جیتنے پر مرکوز کر دیجئے جو ہم پاکستان کی

بنیاد پر لڑ رہے ہیں۔ [34]

اس موقع پر اُن کے قریبی دوست مرزا ابوالحسن اصفہانی (1981ء۔1902ء) نے انہیں 28 جولائی کو ایک پُرتشویش خط لکھا جو ہندوستان کے مسلمانوں کی ترجمانی کرتا تھا۔

"ہندوستان کے مسلمانوں پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل و احسان ہے کہ اُس نے آپ کو قاتل کے خنجر کا وار روکنے کیلئے حاضر دماغی عطا کر کے آپ کی جان بچالی۔ خدا کرے کہ آپ جلد تندرست ہو جائیں اور اپنی قوم کی خدمت اور رہنمائی کے لیے تادیر زندہ وسلامت رہیں۔" [35]

یہ حملہ اُن کی ذات پر نہ تھا بلکہ پاکستان پر تھا۔۔۔۔اگر خدانخواستہ یہ حملہ کامیاب ہو جاتا تو شاید۔۔۔۔پاکستان کا خواب۔۔۔۔خواب ہی رہ جاتا۔ اُن کی زندگی بچ جانے پر ہندوستان کے مسلمانوں نے 13 اگست کو یوم تشکر منایا۔[36] اس موقع پر انہوں نے اپنے ماننے اور چاہنے والوں کو پُرامن رہنے کی تلقین کی اور انہیں کسی قسم کے گروہی اختلافات میں اُلجھنے سے باز رکھنے کی اپیل کی۔

اس واقعہ کے بعد سے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کا عمل وجود میں آیا۔ سرمئی یونیفارم میں لیگ کے نیشنل گارڈ نواب صدیق علی خان (م۔1974ء) کی قیادت میں اُن کی حفاظت کے لئے ہر جگہ رہنے لگے۔

مئی 1944ء میں وہ آرام کی غرض سے کشمیر میں تھے۔ وہ مکمل طور پر ہندوستان کی سیاست سے دُور صرف آرام کرنا چاہتے تھے۔ انہیں آئندہ کے معرکوں میں اس کی بہت ضرورت تھی۔ کشمیر میں اپنے آرام کے حوالے سے اُنہوں نے مرزا ابوالحسن اصفہانی کو لکھا۔

یہاں آنے کے چند دن کے اندر ہی تبدیلی آب و ہوا اور آرام کی بدولت مجھے اپنی طبیعت بہت بہتر معلوم ہونے لگی

ہے۔ سات برس کی سخت مشقت کے بعد یہ پہلی چھٹی ہے جو میں لے رہا ہوں اور مجھے اس کی ضرورت بھی ہے۔ [37]

اپنے کشمیر کے قیام کے دوران وہ ہندوستان کے حالات و واقعات سے بے خبر نہ رہے۔ انہوں نے اس حوالے سے اپنے مخصوص افراد کو تاکید کی ہوئی تھی کہ انہیں اہم امور کے بارے میں مطلع کرتے رہیں۔ اُن کی اہم ڈاک بھی انہیں یہیں پہنچادی جاتی تھی۔ انہیں سری نگر ہی میں گاندھی جی (موہن داس کرم چند گاندھی 1948ء۔1869ء) کا 17 مئی کو لکھا ہوا خط ملا جو انہوں نے گجراتی زبان میں لکھا تھا اُنہوں نے لکھا۔

بھائی جناح!

کبھی وہ دن بھی تھا کہ میں آپ کو اس پر آمادہ کر سکتا تھا کہ مادری زبان (گجراتی) میں باتیں کریں۔ آج میں اسی زبان میں لکھنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کو اس وقت ملنے کی دعوت دی تھی جب میں جیل میں تھا۔ جب سے میں رہا ہوا ہوں، میں نے آپ کو خط نہیں لکھا۔ لیکن آج میرا دل کہتا ہے کہ مجھے چاہیے کہ آپ کو لکھوں۔ آپ جب چاہیں ہم ملیں گے۔ مجھے آپ اسلام کا اور اس ملک کے مسلمانوں کا دشمن نہ سمجھئے۔ صرف آپ کا نہیں بلکہ میں ساری دُنیا کا دوست اور خادم ہوں۔ مجھے مایوس نہ کیجئے۔ [38]

قائداعظمؒ اپنے نظریات اور خیالات میں اتنے واضح تھے کہ انہیں کسی سے بھی بالمشافہ گفتگو کرتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ گاندھی جی سے بات چیت کرنے کو تیار تھے۔ انہوں نے کشمیر سے واپسی سے قبل انہیں خط کے ذریعے مطلع کر دیا کہ اُن کی واپسی اگست کے وسط تک ہوگی اور وہ انہیں بمبئی میں مل کر بہت خوش ہوں گے۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی گاندھی جی سے ملاقات اگست میں ممکن نہ ہو سکی کیونکہ وہ سری نگر سے واپسی پر مری، راولپنڈی، جہلم، گجرات، گوجرانوالہ، لاہور اور دیگر کئی شہروں میں عوامی اجتماعات اور جلسوں سے خطاب کرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ بمبئی پہنچتے ہی وہ مصروفیات اور سفر کی تھکان سے بیمار ہو گئے۔ اپنی بیماری کے حوالے سے انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا۔

> "سری نگر سے واپسی پر ہر جگہ لوگوں نے بڑی محبت اور جوش و خروش سے میرا استقبال کیا۔ میں نے حتی الوسع اُن کی ہر خواہش پوری کی لیکن میرا جسم ان ہنگاموں اور جلسوں جلوسوں میں شرکت کا بار نہ اٹھا سکا اور میں تھکان سے بیمار ہو گیا۔ بہرحال اب میں تقریباً بالکل اچھا ہوں اور اُمید ہے کہ جلد ہی اپنا کام پھر سنبھال لوں گا۔" [39]

اپنی اس تھکان اور بیماری میں وہ ڈاکٹر ڈنشا، کے، مہتہ کے زیر علاج رہے۔ ڈاکٹر ڈنشا، کے، مہتہ غیر طبی تھراپی کیلئے اور خاص طور پر ہائیڈرو تھراپی، الیکٹرو تھراپی اور فیزیو تھراپی کے حوالے سے مشہور تھے۔ انہیں اصرار تھا کہ وہ اپنا طویل المدت علاج کروائیں۔ مگر وہ اس کے لئے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

ستمبر 1944ء میں انہیں پھر اپنی صحت کے سلسلے میں دو ڈاکٹروں سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر گاندھی جی کا علاج بھی کر رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ جناح اپنے معالج کے ساتھ اچھی طرح تعاون کرتے تھے۔ اس نے ان دو مریضوں کا موازنہ کچھ ایسے کیا ہے۔

> "بہ حیثیت سیاست دان جناح لوگوں سے ذرا دُور دُور رہتے۔ گاندھی اپنے معتقدین کے سامنے نیم برہنہ رہتے۔ مگر جناح جب اپنے پیروؤں کے سامنے آتے تو اُن کا لباس

> مکمل ہوتا۔ ظاہری وضع قطع کا یہ فرق بہت اہم تھا۔ گاندھی قوت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ تھا۔ جناح خود مجسم قوت تھے۔ سیاسی معاملات میں جناح کا رویّہ بالکل غیر جذباتی اور منطقی تھا۔ ان کا دائرہ فکر محدود تھا۔ لیکن اُن میں بے پناہ ذہنی قوت تھی۔ گاندھی اور جناح میں یہی بنیادی فرق تھا۔" [40]

ان دونوں کے دوسرے معالج ڈاکٹر پٹیل (1976ء۔1899ء) تھے جو کہ بمبئی میں پریکٹس کیا کرتے تھے۔ انہوں نے ہیکٹر بولائیتھو مصنف پاکستان کا بانی، محمد علی جناح کو ایک ملاقات میں بتایا کہ جب اُنہوں نے ستمبر 1944ء میں ان کا معائنہ کیا تو اس وقت وہ مہاتما گاندھی سے ملاقاتوں میں مصروف تھے۔ ان کے خون کا دباؤ 90 تھا۔ وہ بہت کمزور اور نحیف تھے۔ انہوں نے انہیں مقوی دوائیں کھانے کی ہدایت کی۔ انہیں پیچش کی شکایت تھی اور اس کے ساتھ انہیں کھانسی اور سینے میں درد تھا۔ ان کے پھیپھڑے نمونیا سے متاثر لگتے تھے۔ انہوں نے ان کے سینے کے ایکسرے لیے جس سے ان کے نمونیے کی تصدیق ہوگئی۔

ڈاکٹر پٹیل کی تجویز کردہ دوائیوں سے انہیں کافی افاقہ ہوا۔ اُن کے مشورے پر انہوں نے چند دن آرام بھی کیا۔ جس سے اُن کا وزن اٹھارہ پونڈ بڑھ گیا۔ ان کی صحت یابی کی خبریں اخباروں میں چھپیں، اُن کے نئے معالج ڈاکٹر پٹیل کا نام بھی آیا۔ وہ اخبار میں اپنا نام پڑھ کر اُن کے پاس گئے اور کہنے لگے۔

> "دیکھئے کسی احمق نے میرا نام بھی اخباروں میں چھپوا دیا۔"
> اس پر وہ کہنے لگے۔۔۔۔ وہ احمق میں ہی ہوں جس شخص نے میری اتنی خدمت کی، اُس کا شکریہ میں کیوں نہ ادا کرتا۔ [41]

قائداعظمؒ کے معالجوں میں ہم ازراہِ تفنن گاندھی جی کا نام بھی لے سکتے ہیں۔ ستمبر 1944ء کی مشہور و معروف گاندھی جناح ملاقاتیں جہاں دو پرانے حریفوں کا سیاسی دنگل تھا

وہاں وہ گاہے گاہے اپنی تلخ سیاسی بحثوں کی بجائے اپنی روزہ مرہ کی بات چیت بھی کیا کرتے تھے۔ ایک دن قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنے پاؤں کی تکلیف کے بارے میں گاندھی جی کو بتایا جس پر چکنا پڑ گیا ہوا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ صوفے پر سے اُتر کر فرش پر بیٹھ گئے اور بہ اصرار اُن کا جوتا اور موزہ اُتروا کر اُن کے پاؤں کا معائنہ کیا۔ وہ منظر کیسا ہوگا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ سوٹ بوٹ میں ہیں اور گاندھی جی اپنی دھوتی اور چادر میں اور زمین پر بیٹھے اُن کے پاؤں کا معائنہ کر رہے ہیں۔ گاندھی جی نے کچھ دیر پاؤں کا معائنہ کیا۔ چکنے پر ہاتھ پھیرا اور کچھ سوچ کر کہا کہ وہ سمجھ چکے ہیں کہ انہیں کیا تکلیف ہے۔ اُنہوں نے اگلی صبح انہیں دوا پہنچانے کا وعدہ کیا۔

اگلے دن چھوٹے سے ڈبے میں مٹی کا ایک مرکب آ گیا۔ لیکن اُنہوں نے یہ مرکب استعمال نہ کیا۔ اور اگلی ملاقات میں اُنہوں نے اپنے اس سیاسی حریف کا جسے طبیب ہونے کا دعویٰ بھی تھا شکریہ ادا کیا اور انہیں بتایا کہ وہ پہلے ہی ایک دوا کھا چکے تھے جس سے انہیں کافی افاقہ تھا۔ [42]

اگرچہ ہندوستان میں مسلم لیگ کے اور بھی مرکزی قائدین تھے۔ لیکن جو اعتبار و اعتماد قائداعظم محمد علی جناحؒ پر مسلم عوام کا تھا وہ کسی اور پر نہ تھا۔ وہ جب اجتماعات میں بھرپور دلائل کے ساتھ پاکستان کی بات کرتے تھے، لوگ ایمان کی حد تک ان پر یقین کرتے تھے۔ قرارداد لاہور سے قبل صوبوں میں بالخصوص مسلم اکثریت کے صوبوں میں مسلم لیگ کا کوئی مقام نہ تھا۔ اب نہ صرف اس کی تنظیم سازی ہو چکی ہوئی تھی۔ بلکہ وہ اب مضبوط و مستحکم جماعت بھی بن چکی تھی۔ یہ سب اُن کی ذات کا کرشمہ تھا۔ وہ چند سالوں سے مسلسل سفر میں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اب وہ عمر کے اس حصے میں تھے کہ جہاں انہیں اتنا کام نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ بقول محترمہ فاطمہ جناح ایک ایسی روح تھی جو خدمت کے لئے بے قرار تھی۔ [43] جنوری 1945ء میں وہ بمبئی، احمد آباد، گجرات کے دورے پر تھے۔ اس سے چند دن قبل وہ کراچی میں اور اندرونِ سندھ میں مصروف عمل رہے تھے۔ اس مصروفیت نے انہیں ایک بار پھر تھکان اور بخار میں مبتلا کر دیا۔ وہ اتنے مضمحل اور کمزور ہو گئے کہ وہ لیگ کی کونسل کے طے شدہ اجلاس میں بھی شمولیت نہ کر سکے جو فروری کے اواخر میں دہلی

میں ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ لارڈ ویول ہندوستان کے وائسرائے سے اُن کی ملاقات متوقع تھی، وہ بھی منسوخ ہو گئی۔ وائسرائے کو بتایا گیا کہ

"اِن پر پلوریسی کا اثر ہے اور شاید انہیں کچھ عرصے کیلئے صاحب فراش رہنا پڑے۔" [44]

معالجوں کے اصرار پر انہیں کچھ دن بستر پر گزارنے پڑے۔ ان دنوں انہوں نے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ

"مجھے بڑے افسوس سے آپ کو مطلع کرنا پڑ رہا ہے کہ میرے لیے کچھ عرصے تک کسی عوامی مصروفیت کو پورا کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ مجھے مکمل آرام کا سختی کے ساتھ حکم دیا گیا ہے۔ یہ حملہ (حالیہ بیماری) میرے لیے ایک خطرناک وارننگ تھا اور میرے معالج کا مشورہ ہے کہ کسی بھی حالت میں مجھے اُن کے تجویز کردہ مکمل آرام کو ترک نہیں کرنا چاہیے۔" [45]

بیماری (جس کا تفصیلاً ذکر آگے آئیگا) سے بہتر ہوتے ہی وہ پہلے سے زیادہ مصروف ہو جاتے تھے۔ وہ اس مہلت سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جو وقت انہیں دے رہا تھا۔ اُن کی جدوجہد کا ایک ہی مقصد تھا کہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک علیحدہ وطن حاصل کر لیں۔ اس کیلئے وہ اپنی صحت، بیماری، آرام، نیند کھانا پینا سب کو فراموش کئے ہوئے تھے۔ اس بے قاعدگی نے انہیں خطرناک حد تک کمزور کر دیا تھا۔ وہ اکثر اپنی مصروفیات میں کھانے کے لیے وقت نہ نکال پاتے۔ محترمہ فاطمہ جناح جب اس کا احساس دلاتیں تو انتہائی اخلاق سے کہہ دیتے "بس چند منٹ اور"۔۔۔ جاؤ شروع کر دو۔ میں تمہارے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ انہیں پہلے اپنا کام کرنا ہوتا تھا اور بعد میں کھانے یا کسی چیز کا خیال کرنا ہوتا تھا۔ [46] اس بے قاعدگی نے اُن کی بیماری کو زیادہ بڑھا دیا ہوا تھا۔

مارچ میں لارڈ ویول وائسرائے ہند (47-1943ء) انگلستان میں برطانوی کابینہ کو ہندوستان کا مختصر سیاسی خاکہ یوں پیش کر رہا تھا کہ صوبہ سرحد میں حکومت کی تبدیلی ۔۔۔ مسلم لیگ کی سندھ، آسام اور پنجاب میں مشکلات کی وجہ سے قائداعظم محمد علی جناحؒ کا اختیار پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ اُن کی صحت کے بارے میں اس کا تبصرہ تھا کہ وہ اتنے تندرست نہیں رہ گئے تھے۔ لیکن اُن کے دماغ کے بارے میں اُس کی رائے یہ تھی کہ وہ ہمیشہ کی طرح چاک و چوبند تھا۔ [47] اُسے ان کے حوصلے کا قطعاً اندازہ نہ تھا جو انتہائی پُرعزم اور پختہ تھا۔

9 اپریل 1945ء کو ڈاکٹر ایس سی سین نے اُن کی فلوریت بینی (Fluoroscopy) اور ریڈیالوجیکل معائنہ کیا۔ جس سے یہ پتہ چلا کہ۔

> پردہ شکم کے دائیں طرف والے نیم کروی چھت والے قبہ (Dome) کی حرکت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اُن کے ایکسرے بتا رہے تھے کہ چونے کے نمکیات کے جمع ہونے سے بتدریج پتھریلی صورت اختیار کرنے والے گروہ دار پتھر گردے کے بالائی حصہ میں تھے۔ پردہ شکم پھولا ہوا تھا اور لیسدار مادوں کے گچھوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس حصے میں نظر آنے والی کثافت شاید ریشہ دار گول لچکدار حل ناپذیر لحمیئے تھے۔ [48]

اُن کی بیماری اور اُن کے ٹیسٹوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ڈاکٹروں کی یہ رائے تھی کہ وہ تبدیلی آب و ہوا کے لئے کسی گرم اور خشک مقام پر چلے جائیں۔ اُن کی نظر میں اُن کے لئے کوئٹہ بہت موزوں مقام تھا۔ جون 1943ء میں وہ وہاں آرام کی غرض سے قیام کر چکے تھے۔ انہیں اس کی آب و ہوا بڑی راس رہی تھی۔ لیکن وہ تحریک پاکستان کو جس مقام پر لے آئے تھے، اُن کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ اِس کو ایک طرف رکھ کر خود اپنی صحت کیلئے کسی پُرفضا مقام پر چلے جاتے۔

بمبئی کی مون سون اُن کے لیے خطرناک تھی۔ ڈاکٹروں کا اصرار تھا کہ وہ کم از کم اس موسم

میں بمبئی میں نہ رہیں۔ کوئٹہ رہنے سے اُن کی سیاسی سرگرمیاں متاثر نہیں ہوتیں تھیں۔ کیونکہ بلوچستان اُن کے مجوزہ پاکستان کا حصہ تھا۔ اور اس صوبے کے ساتھ پنجاب، سندھ اور شمال مغربی صوبہ کی سرحدیں متصل تھیں۔ وہ بڑی آسانی سے وہاں بیٹھ کر سیاسی سرگرمیوں کا جائزہ لے سکتے تھے۔

جون 1943ء میں جب وہ وہاں آئے تو انہوں نے مسلم لیگ کی تنظیم سازی کی تھی۔ اب مسلم لیگ یہاں کی سب سے زیادہ مضبوط اور مقبول جماعت تھی۔ اُن کے قیام سے صوبائی تنظیم کو مزید تقویت حاصل ہو سکتی تھی۔ یہ سب معاملات اُن کے مدنظر تھے۔ چنانچہ وہ کوئٹہ میں آرام کی غرض سے قیام کے لیے راضی ہو گئے۔ اُنہوں نے 14 اپریل 1945ء کو خان آف قلات میر احمد یار خان کو اس ضمن میں ایک خصوصی خط لکھا جس میں اُنہوں نے اُن سے اپنے کوئٹہ میں دو ماہ کے قیام کے لیے انتظامات کی درخواست کی۔ [49] اُن کا ارادہ تھا کہ وہ جولائی اور اگست کے مہینوں میں وہاں قیام کریں گے۔

قائداعظمؒ کے ڈاکٹر انہیں کام اور بمبئی دونوں سے دور دیکھنا چاہتے تھے۔ عارضی طور پر وہ بمبئی سے قریب ایک پہاڑی علاقہ ماتھران چلے گئے۔ اُن کی صحت کا تقاضا بھی یہی تھا۔ لیکن جب وہ بیمار ہوتے یا چھٹی پر ہوتے تو بھی اپنا کام مکمل طور پر ترک نہیں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ماتھران جانے سے قبل اُنہوں نے تمام متعلقہ لوگوں کو ہدایات جاری کیں کہ وہ ان سے ماتھران میں رابطہ میں رہیں۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے مرزا ابوالحسن اصفہانی کو 15 اپریل کے ایک خط میں لکھا کہ

> "میں آپ کو محض اطلاع دینے کے لئے یہ خط لکھ رہا ہوں کہ میری طبیعت اب بہت بہتر ہے۔ اور دو دن کے اندر میں بمبئی سے ماتھران روانہ ہو جاؤں گا۔ جو یہاں سے ایک قریبی پہاڑی مقام ہے اور وہاں جون کے پہلے ہفتے تک رہوں گا۔ میرا پتہ ریڈی منی ماتھران ہوگا۔ اور قدرتی طور پر میں توقع کروں گا کہ آپ بنگال کے

واقعات سے مجھے حسب معمول مطلع کرتے رہیں۔ اگرچہ آج کل میں کام نہیں کر رہا ہوں تاہم میں کسی بھی ایسے اہم واقعے سے جو رُونما ہو بالکل بے پرواہ نہیں رہ سکتا۔" 50

مرزا ابوالحسن اصفہانی اُن کی صحت، حوصلے اور جدوجہد کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"مذکورہ بالا خط کے دو آخری جملوں سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُن کے کردار میں بے چینی کا ایک ایسا عنصر تھا جو انہیں آگے بڑھنے پر مجبور کرتا تھا۔ یہاں تک کہ منزلِ مقصود حاصل ہو جائے۔ خواہ راستہ کتنا ہی دشوار اور کام کتنا ہی سخت کیوں نہ ہو۔ ان کی سرگرم زندگی کی لغت میں لفظ التوا کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ وہ جلدی فیصلہ کرتے تھے اور اپنے فیصلے پر بعجلت عمل کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو اُن سے واسطہ پڑتا ہے وہ بھی یہی کریں۔" 51

ماتھران میں قیام اور ڈاکٹروں کی توجہ اور علاج سے اُن کی طبیعت بہت بہتر ہو گئی۔ وہ شدید کمزوری جس کا وہ شکار ہو چکے تھے۔ اُن کی بہن کی نگہداشت اور اچھی خوراک کی وجہ سے بہت حد تک دُور ہو گئی۔

جون 1945ء میں اُن کے ٹیسٹ خاصے حوصلہ افزا تھے۔ اُن کے ٹیسٹوں کے مطابق کیفیت یہ تھی کہ

پردہ شکم۔ دونوں اطراف آزادی کے ساتھ اچھی طرح متحرک تھے۔ لیسدار مادے موجود نہ تھے۔ اور کنٹور باقاعدہ تھے۔

پھیپھڑے کی جھلی۔ پھیپھڑے کی جھلی میں سوزش نہیں آئی تھی۔ بیماری کے حالیہ حملے کے آثار نہ تھے اور نہ ہی کسی قسم کا نشان تھا۔

پھیپھڑے۔ دائیں پھیپھڑے کے دائیں جانب کے حصے میں چونے کے نمکیات کے پتھر کے

چھوٹے چھوٹے ٹکڑے نظر آتے تھے جبکہ باقی حصہ صاف تھا۔

پھیپھڑوں کے درمیان کی جھلی۔ صاف اور واضح تھی۔

تجزیہ۔ حالیہ حملوں سے مکمل صحت یابی ہو چکی تھی اور بیماری کے کسی قسم کے اثرات موجود نہ تھے۔

کمر میں درد کی شکایت۔ ہڈیاں جزوی طور پر علیحدہ ہوئیں تھیں جس کی وجہ سے یہ تکلیف تھی۔ 52

قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنے پروگرام کے مطابق کوئٹہ نہ جا سکے۔ کیونکہ مئی 1945ء میں یورپ میں دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد ہندوستان میں کانگرسی لیڈروں کو رہا کر دیا گیا تھا اور جون میں وائسرائے لارڈ ویول (47-1943ء) نے مرکز میں عبوری حکومت کے قیام کے لئے شملہ کانفرنس شروع کر دی تھی۔ یہ کانفرنس جولائی کے وسط میں ناکام ہو گئی۔ تو انہیں مزید دو ماہ دہلی، بمبئی اور کراچی کی سیاسی سرگرمیوں سے فرصت نہ مل سکی۔ بالآخر 14 ستمبر کو وہ اپنی ہمشیرہ کے ہمراہ کوئٹہ پہنچ گئے۔ ریلوے سٹیشن پر ایک بڑے ہجوم نے اُن کا استقبال کیا۔ خان آف قلات کا چیف سیکرٹری عبدالرؤف بھی استقبال کرنے والوں میں شامل تھا۔ اس نے خان آف قلات کا ایک خط بھی پیش کیا جس میں انہیں مستونگ اور قلات میں بھی کچھ دن آرام کرنے کی دعوت تھی۔ جسے انہوں نے انتہائی خوشی سے قبول کرلیا۔ اور اپنے 15 ستمبر کے خط میں اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔ 53

کوئٹہ کی آب و ہوا اُن کی صحت کے لئے اکسیر ثابت ہوئی اور چند ہی دنوں میں وہ اس قابل ہو گئے کہ اپنے معمول کے کام سرانجام دے سکیں۔ اُن کی اہم ڈاک انہیں یہاں موصول ہو جاتی تھی۔ تار ٹیلی گرام کے ذریعے وہ مسلم لیگ کے چیدہ چیدہ لوگوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے بلوچستان کے سیاسی وفود اور اہم شخصیات سے بھی ملاقاتیں شروع کر دیں اور انہوں نے چند اجتماعات اور جلسوں سے بھی خطاب کیا۔ اگرچہ وہ یہاں آرام کی غرض سے آئے تھے۔ لیکن اُنہوں نے اپنے اس قیام کے دوران جو سیاسی روابط یہاں قائم کئے وہ تحریک پاکستان میں انتہائی موثر ثابت ہوئے۔ خان آف قلات میر احمد یار خان اُن کی کوئٹہ، مستونگ اور

قلات کی میزبانی میں مخصوص طور پر پیش پیش رہا۔ اس نے اپنی عقیدت کے اظہار کے طور پر اپنی روایت اور رواج کے مطابق قائداعظم محمد علی جناحؒ اور محترمہ فاطمہ جناح کو سونے اور چاندی میں تول کر وہ سونا اور چاندی اُن کی نذر کیا۔ اس زمانے میں اُن کا وزن 112 پونڈ تھا۔ [54]

اُن کا کوئٹہ میں قیام ایک ماہ سے زائد تھا۔ وہ 22 اکتوبر کو کوئٹہ سے کراچی آ گئے اور ملک کی ہنگامہ خیز سیاست میں دوبارہ عملاً مصروف ہو کر رہ گئے۔

اُن کے بلوچستان میں قیام کے دوران لیاقت علی خان (1951ء-1895ء) اور مرکزی پارلیمانی بورڈ اور کمیٹی آف ایکشن کے دوسرے ورکنگ کمیٹی اراکین نے مسلم لیگ کو اس کے نئی دہلی کے ہیڈکوارٹر سے چلائے رکھا۔ یہ زمانہ انتخابات کا تھا۔ مسلم لیگ یہ انتخابات پاکستان کے نام پر لڑ رہی تھی۔ دسمبر میں مرکزی انتخابات ہوئے جس میں مسلم لیگ نے سو فی صد کامیابی حاصل کی اور اکتیس کی اکتیس مسلم نشستیں جیت لیں۔ [55] ان انتخابات میں مسلم لیگ نے 100 فی صد کامیابی حاصل کر کے ثابت کر دیا کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور پاکستان اُس کی منزل مقصود تھا۔

مرکزی انتخابات کے بعد صوبائی انتخابات کا مرحلہ تھا۔ مسلم لیگ کو خصوصی طور پر مسلم اکثریتی صوبوں میں ایسی مسلمان سیاسی جماعتوں کی مخالفت کا سامنا تھا جن کا دائرہ صرف صوبوں تک محدود تھا۔ 1937ء کے انتخابات میں انہی صوبائی جماعتوں کی وجہ سے مسلم لیگ اپنی نمائندہ حیثیت منوانے میں ناکام رہی تھی۔ لیکن اب صورت حال مختلف تھی۔ اس زمانے میں مسلم لیگ کے پاس کوئی انقلابی پروگرام نہ تھا۔ لیکن اب قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شبانہ روز کوششوں سے پاکستان ایک عقیدہ بن چکا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ بالعموم اپنا سفر ٹرین پر کرنا پسند کرتے تھے۔ انتخابات کے دنوں میں اُن کے لیے ایک آرام دہ سیلون مخصوص کروالیا جاتا جس میں سپیکر کا بندوبست ہوتا۔ ٹرین جیسے ہی کسی اسٹیشن پر رُکتی وہ اپنے ڈبے کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے اور ان مسلمان مردوں،

عورتوں اور بچوں سے حوصلہ افزا باتیں کرتے جو اپنے عظیم قائد کو دیکھنے کیلئے دُور دراز کا سفر طے کر کے آئے ہوتے تھے۔ وہ انہیں متحد رہنے کی تلقین کرتے۔ مسلم لیگ کا پیغام بتاتے۔ پاکستان کی اہمیت بیان کرتے۔ ٹرین چلتے ہی وہ لیٹ جاتے اور نئے آنے والے اسٹیشن کے مجمع سے بات چیت کرنے کے لیے اپنی طاقت کو مجتمع کرتے۔ [56] یہ ترتیب ایک یا دو دن کی نہ ہوتی تھی۔ کئی کئی دن یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔ ہندوستان کے طول وعرض میں جب پرنٹ میڈیا اتنا ترقی یافتہ نہ تھا، پیغام پہنچانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ قائداعظمؒ نے اپنی عمر کے اس حصے میں جس تشدد سے اپنے جسم سے کام لیا اس نے انہیں اتنا مضمحل کر دیا کہ وہ آسانی سے جان لیوا بیماریوں کا شکار ہو گئے۔

قائداعظمؒ کو اپنی بیماری کا ذکر کرنا پسند نہ تھا۔ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بھی خط و کتابت میں اپنی بیماری کا لکھتے ہوئے گریز کیا کرتے تھے۔ عام نجی زندگی میں بھی وہ کبھی غیر رسمی گفتگو کے قائل نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے قریبی احباب ماسوائے محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کے حوالے سے کسی بیماری یا کسی عارضہ کا ذکر نہیں کیا ہے۔ مسلم عوام انہیں اپنا نجات دھندہ سمجھتے تھے۔ انہیں یقین واثق تھا کہ وہی ان کے لیے پاکستان کی منزل کو ممکن بنا سکتے تھے۔ وہ اُن کی صحت کے لیے دُعا گو رہتے تھے۔ ان کی بیماری کی خبر مسلم عوام پر بجلی کی طرح گرتی تھی۔ لوگوں کے حوصلے کو قائم رکھنے کیلئے بھی ضروری تھا کہ اُن کی بیماری چھپائی جائے۔

نواب صدیق علی خان (سالار مسلم لیگ نیشنل گارڈ) تحریک پاکستان کے مخلص کارکنوں میں سے تھے۔ انہیں دہلی میں چوہدری خلیق الزماں (م۔1973ء) کی رہائش گاہ پر جب قائد اعظمؒ کی شدید بیماری کا پتہ چلا تو انہوں نے بے ساختہ چوہدری خلیق الزماں سے دریافت کیا تھا۔ ۔۔اب کیا ہو گا؟۔۔۔۔۔۔اب پاکستان کیسے بنے گا؟ [57] ۔۔۔۔۔ایسے جذبات تمام مسلمانوں کے تھے۔

وہ خود بھی جانتے تھے کہ لوگوں کے دلوں میں اُن کے لیے کس قدر محبت، عقیدت اور اُلفت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے دانستہ اپنی علالت کی اندوہ گیر خبر کو چھپائے رکھا۔ مختلف

حلقوں میں جب اُن کی بیماری کی خبریں پھیلنا شروع ہوئیں تو اُنھوں نے فوری طور پر ایک اخباری بیان میں ان لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔ جنہوں نے اُن کی صحت کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا تھا۔ اپنی صحت کے حوالے سے وہ لوگوں کو مطمئن کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ

"میری صحت کے بارے میں کئی قسم کی افواہیں ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے کسی قسم کی سنگین بیماری لاحق نہیں ہے۔ اور نہ مجھے کسی مرض یا کسی بیماری کی شکایت ہے۔

میں قطعی طور پر ٹھیک اور صحت مند ہوں۔ میں زیادہ کام کی وجہ سے تناؤ کا شکار ہوں۔ جس کی وجہ سے مجھے تھکن لاحق ہوگئی اور اس کا ایک علاج ہے، وہ ہے آرام۔" 58

باقاعدہ علاج نہ کروانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اُن کے پاس اس کے لئے وقت نہ تھا۔ دوسرا وہ ڈاکٹروں پر بالعموم اس لیے اعتبار نہ کرتے تھے کہ اکثر اُن کی تشخیص اُن کے بارے میں درست نہ ہوتی تھیں۔

بہت عرصہ قبل انہیں معدے کی سخت تکلیف ہوئی تھی جس کے لیے انہوں نے لندن کے بعض ماہرین سے مشورہ کیا۔ لیکن وہ اُن کے مرض کی تشخیص نہ کر سکے۔ لندن میں ایک ڈاکٹر نے اُن کے لیے آپریشن تجویز کیا تھا۔ لیکن اُنہوں نے اس تجویز پر عمل نہ کیا۔ ایک اور ڈاکٹر کے مشورے پر وہ کسی اچھے معالج کی تلاش میں جرمنی چلے گئے تھے۔ جہاں انہوں نے اپنا معائنہ وہاں کے ایک معروف ڈاکٹر سے کروایا۔ اس نے انہیں خوراک میں باقاعدگی اور آرام کا مشورہ دیا تھا۔ انہوں نے چند ہفتے اس کے شفاخانے پر بھی گذارے۔ 59

1934ء میں انہیں سینے میں کچھ دردسی محسوس ہوئی۔ بمبئی کے ڈاکٹروں نے انہیں دل کا عارضہ بتا دیا۔ لیکن جرمنی کے ایک ڈاکٹر نے جو اس مرض کا ماہر تھا، انہیں یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ 60

ڈاکٹروں کی آراء میں تضاد کی وجہ سے اُن کا ڈاکٹروں سے اعتبار اُٹھ گیا ہوا تھا۔ وہ اپنی بیماری کو صرف معدے کی خرابی سے منسوب کیا کرتے تھے۔ اور ڈاکٹروں کو اُسی کے علاج کی تاکید کیا کرتے تھے۔ اور معدے کی خرابی کی ذمہ داری وہ اپنی بے آرامی کے سر تھوپا کرتے تھے۔ اُن کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ ڈاکٹر کی بجائے چند دن آرام کر کے تقویت حاصل کر لی جائے۔ وہ اپنی ہمت اور حوصلے کی وجہ سے ایسا کرنے میں اکثر کامیاب ہو جایا کرتے تھے۔ لیکن اُن کی بیماری اندر ہی اندر سے کسی گھن کی طرح انہیں کھائے جا رہی تھی۔

مئی 1946ء میں وہ ایک بار پھر شملہ میں ہندو اور انگریز حربوں سے نبرد آزما تھے۔ بڑھاپا، بیماری، مسلسل بے آرامی اور پاکستان کے لیے شبانہ روز جدوجہد نے انہیں بُری طرح تھکا دیا ہوا تھا۔ جسم حوصلے کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ کانفرنس کے دوران ہی اُن کی طبیعت بگڑ گئی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے ڈاکٹر پٹیل کو ٹیلی فون کر کے اُن کی حالت بتائی اور اُن کی بیماری کے پیش نظر اُن سے درخواست کی کہ وہ بمبئی ریلوے اسٹیشن پر موجود ہوں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی شملہ سے بمبئی آمد کی خبر سن کر تیس ہزار عقیدت مند ریلوے اسٹیشن پر اُن کے استقبال کو جمع ہو گئے۔ ڈاکٹر پٹیل نے جب یہ ہجوم دیکھا تو سوچ میں پڑ گیا کہ وہ اتنے بڑے ہجوم کے استقبال کے کیسے متحمل ہو سکیں گے۔ اس نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے انہیں بمبئی کے بڑے اسٹیشن سے قبل ورے دادر کے اسٹیشن پر اُتار لیا۔ وہ تھکان سے انتہائی کمزور تھے۔ چنانچہ پل کی مشقت سے بچانے کے لئے انہیں ریل کے پھاٹک سے لایا گیا۔

بقول ڈاکٹر پٹیل

"اس دفعہ بھی اُن کی نرخرے کی نالیوں پر ورم (Bronchitis) آ گیا تھا۔ وہ جب بھی بیمار پڑتے انہیں یہی شکایت ہوتی تھی۔ اس مرتبہ انہیں دس دن حرارت رہی۔ میرا خیال ہے کہ اُن کو ہمیشہ پھیپھڑوں کی شکایت رہی تھی۔ اب انہیں سخت نقاہت اور تھکان

محسوس ہورہی تھی۔ [61]

چند دن کے علاج اور آرام سے وہ بہتر ہو گئے اور دوبارہ اپنے سیاسی معاملات میں مصروف ہو گئے۔ جون میں انہیں ایک بار پھر ڈاکٹر پٹیل سے رجوع کرنا پڑا۔ ڈاکٹر پٹیل نے اُن کا تفصیلی معائنہ کرنے کے لیے اُن کے سینے کے ایکسرے لیے۔ ایکسرے کے نتائج انتہائی چونکا دینے والے تھے۔ وہ ٹی بی جیسی مہلک مرض کا شکار تھے۔ وہ ایک ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کی حیثیت سے انسان کے جسم کی رگ رگ اور عضو کو سمجھنے والے چند ڈاکٹروں میں سے ایک تھا۔ اُس کی حیرت بلاوجہ نہ تھی۔۔۔۔ ایکسرے دیکھ کر وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ جس شخص کا یہ ایکسرے تھا وہ کس طرح زندہ تھا۔۔۔۔ وہ کس طرح اتنی جاں گسل جدوجہد اور محنت میں مصروف رہ سکتا تھا۔ [62]

اس نے انہیں اپنے دفتر میں بلایا اور تمام حقائق سے آگاہ کیا۔ اُس نے انہیں تنبیہ کے انداز میں کہا کہ اُن کے تمام طبی ذخائر ختم ہو رہے تھے اور انہیں تمام کام چھوڑنا ہوں گے۔ خاص طور پر سگریٹ اور؟؟؟ [63] کو خیر آباد کہنا ہوگا۔ اپنے اعصاب پر سے دباؤ ہٹانا ہوگا اور وہ بمشکل ایک دو سال زندہ رہ سکیں گے۔

ڈاکٹر پٹیل نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے چہرے پر نظر ڈالی، وہاں نہ خوف تھا، نہ پریشانی، آواز میں وہی گھن گرج اور لہجے میں وہی تمکنت تھی جو اُن کی شخصیت کا خاص تیور اور حسن تھا۔ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق اپنی انگلی کھڑی کی اور اُن سے کہا۔

"ڈاکٹر! میں آپ سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ اپنے پیشے کے تقدس کو برقرار رکھتے ہوئے میری حالت کے بارے میں کبھی بھی کسی کو کچھ نہ بتائیں گے۔" [64]

جب تک قائداعظم محمد علی جناحؒ زندہ رہے۔ بمبئی کے پارسی ڈاکٹر پٹیل نے اپنے پیشے کے تقدس کو مجروح ہونے نہ دیا اور قائداعظمؒ کی بیماری ایک راز ہی رہی۔ ایسا راز کہ خفیہ ایجنسیاں

تک اُس کا سراغ نہ لگا سکیں۔ اگر کہیں اس راز کی بھنک لارڈ ماؤنٹ بیٹن، جواہر لعل نہرو، مہاتما گاندھی کو لگ گئی ہوتی تو وہ یقیناً تقسیم ہند کے معاملے کو کچھ دیر کیلئے ٹال جاتے۔ [65]

لارڈ ماؤنٹ بیٹن (1900ء۔1979ء) اس راز کو Well Guarded Secret کا نام دیتے تھے۔ انہوں نے اپنے سوانح نگار زیگلر سے کہا تھا کہ اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ جناح کی زندگی اتنی مختصر ہے تو پھر ہندوستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ کیونکہ ہم جناح کے مطالبہ پاکستان کو ٹالتے چلے جاتے اور یوں پاکستان کبھی جناح کی زندگی میں نہ بن سکتا۔ اور پھر دوسرا جناح کوئی نہیں تھا جو پاکستان کی تخلیق کر سکتا۔ [66]

اُن کی صحت کے لیے زیادہ کام خطرناک تھا۔ وہ عمر کے جس حصے میں تھے اس میں انہیں چند گھنٹے کام کرنے کے بعد دیر تک آرام کرنا چاہیے تھا۔ وہ محض چند گھنٹے آرام کرتے اور زیادہ وقت کام میں مصروف رہتے تھے۔ حالانکہ وہ خود بھی جانتے تھے کہ اتنی محنت و مشقت اُن کی صحت کے لیے نقصان دہ تھی۔۔۔۔ محترمہ فاطمہ جناح جب اصرار کرتیں کہ وہ ڈاکٹروں کے مشوروں پر عمل کریں تو وہ اُن کو یہ کہہ کر چُپ کرا دیتے کہ

"مجھے بہت کام کرنا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں وقت ضائع نہیں کر سکتا۔"

☆☆☆

باب نمبر 2

پاکستان کے مسائل اور قائداعظمؒ

قیامِ پاکستان دُنیائے عالم میں معجزہ تھا۔ یہ معجزہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی لگن سے ظہور میں آیا تھا۔ قوم کی آزادی اُن کی لئے تکمیل کا ایک لمحہ تھا۔ منزل آ گئی تھی مگر سفر ختم نہ ہوا تھا۔ دُنیا کے نقشے پر ابھرنے والی اِس نوزائیدہ مملکت کو بے پناہ مسائل کا سامنا تھا۔ یہ مسائل انتظامی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی نوعیت کے تھے۔ سربراہ مملکت اور بابائے قوم کی حیثیت سے پاکستان کو محفوظ اور یقینی مستقبل دینا وہ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔ بیمار جسم اور لاغر وجود کے ساتھ وہ اب بھی اِتنا حوصلہ اور ولولہ رکھتے تھے کہ اِس کیلئے شب و روز محنت کر سکیں، کام اور مسلسل کام سے۔۔۔ اُن کی بھوک ختم ہو چکی تھی۔ انتہائی توجہ اور محنت سے بنائے گئے کھانے بھی اُنہیں کھانے کی طلب پر آمادہ نہیں کرتے تھے۔ اُن کی زندگی بھر کی اپنی مرضی سے سو جانے کی عادت اب عنقا ہو چکی تھی۔ وہ مسلسل کئی کئی راتوں تک بے خوابی کے عالم میں تکیوں پر کروٹیں بدلتے رہتے تھے اور جاگتے رہتے تھے۔ اُن کی کھانسی میں اضافہ ہو چکا تھا اور اُس کے ساتھ حرارت بھی اب زیادہ رہنے لگی تھی۔ 1 اُن کی صحت اور اعصاب پر جن مسائل نے بدترین اثرات چھوڑے وہ مہاجرین کی آبادکاری، کشمیر پر بھارت کا غاصبانہ قبضہ، بنگال میں اُردو زبان کی مخالفت اور صوبہ سرحد میں فتنہ پختونستان کے تھے۔

سر سیرل ریڈکلف جنہوں نے پاکستان اور ہندوستان کی سرحدوں کا تعین کرنا تھا، اُنہوں نے پنجاب کے ایسے علاقے جو نہایت اہم اور حساس تھے اور مسلم اکثریت کے تھے، ہندوستان کے سپُرد کر دیئے۔ جونہی ایوارڈ (ریڈکلف ایوارڈ) کا اعلان ہوا، ہندوؤں اور سکھوں کے مسلح جتھوں نے مسلم آبادیوں پر حملے شروع کر دیئے اور اُنہیں زبردستی انخلاء پر مجبور کیا۔
18 ستمبر 1947ء تک صورت حال یہ تھی کہ صرف جالندھر ڈویژن میں 18 لاکھ مہاجرین ترک

وطن کے لیے انتظامات کے منتظر تھے۔ ریلوے گاڑیوں اور قافلوں پر سکھوں کے حملے ان کے انخلاء میں سدراہ بنے ہوئے تھے اور تارا سنگھ یہ اعلان کر رہا تھا کہ

یہ جنگ ہے، جنگ 2

11 ستمبر کو لارڈ اسمے (گورنر جنرل ہندوستان لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا مشیر اعلیٰ) کراچی آیا۔ اُس کا مقصد قائداعظمؒ کو دہلی کے حالات سے آگاہ کرنا اور حکومت ہندوستان کی نیک نیتی کا یقین دلانا تھا۔ وہ (لارڈ اسمے) لکھتا ہے۔

> "قائداعظمؒ نہایت پُر وقار اور بہت غمگین نظر آتے تھے۔ اُن کی باتوں سے یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بالکل نا اُمید ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ لڑنے مرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔ ہم اُن کے مطالعے کے کمرے میں چلے گئے اور وہ پھوٹ بہے، کہنے لگے، کوئی بھی شخص کس طرح یقین کر سکتا ہے کہ حکومت ہندوستان امن و امان کی بحالی اور اقلیتوں کی حفاظت کیلئے حتی الوسع زیادہ سے زیادہ کوشش کر رہی ہے؟ اُس کے برعکس گذشتہ تین ہفتوں کے واقعات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان کے پیدا ہوتے ہی اُس کا گلا گھونٹ دینے کے درپے ہے۔ 3

اُن کیلئے یہ صورتِ حال بہت وحشت ناک تھی۔ تاریخ عالم کا یہ عظیم ترین تبادلہ آبادی تھا۔ صرف چند ہفتوں کے اندر ایک کروڑ بیس لاکھ سے زائد افراد نے اپنے گھروں کو خیرآباد کہہ دیا تھا اور دوسرے ملک میں پناہ اور حفاظت کی تلاش میں پیدل، بیل گاڑی پر، ریلوے، کار اور ہوائی جہاز سے روانہ ہو گئے تھے۔

4 ستمبر 1947ء کے شمارہ لندن ٹائمز نے مسلمانوں کے ایک بیس میل لمبے قافلہ کے بارے میں اطلاع شائع کی۔ اِس قافلے میں بیس ہزار سے زائد افراد تھے۔ اُن میں اکثر پیدل ہی

پاکستان کی جانب بڑھ رہے تھے۔ آبلہ پا، تھکان سے چور، بھوکوں کے مارے، سفر کی صعوبتوں سے نڈھال ستر لاکھ مہاجرین گرتے پڑتے پاکستان پہنچے۔ وہ بالکل بے سروسامان تھے۔ اُن کے پاس تن کے کپڑوں کے سوا اور کچھ نہ تھا اور اُن کپڑوں کی بھی اکثر دھجیاں اُڑی ہوئی تھیں۔ یہ درد کشانِ بلا تھے۔ جنہوں نے معصوم بچوں کا قتل، لاشوں کی قطع برید اور عورتوں کی بے حرمتی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ راستے میں ہر قدم پر موت اُن کی گھات میں تھی۔ اُن میں ہزاروں بھوک اور بیماری سے راستے ہی میں جان بحق ہو گئے یا سکھوں کے خون آشام جتھوں نے اُنہیں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ بہت سے پاکستان کی سرحد پر پہنچتے ہی ابدی نیند سو گئے۔ 4

خالصتاً انتظامی نقطہ نظر سے اُن لاکھوں افراد کی خوراک، لباس، رہائش اور بحالی کا کام ناممکن العمل حد تک مشکل تھا۔ لیکن پاکستان کی عوام کو قائد اعظمؒ کی قیادت پر یقین تھا اور توقع تھی کہ وہ تمام صورتِ حال کو سنبھال لیں گے اور مسائل کو حل کر دیں گے۔ اُنہوں نے مہاجرین کی فوری امداد کیلئے ایک ریلیف فنڈ قائم کیا۔ جس میں لوگوں نے بڑی فیاضی سے عطیات دیئے۔ ستمبر کے اوائل میں حکومت پاکستان نے مہاجرین و بحالیات کی وزارت قائم کی اور کابینہ کی ایک ہنگامی کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ اگلے ماہ وزیر اعظم نے عارضی طور پر اپنا صدر دفتر لاہور منتقل کر دیا تاکہ مہاجرین کی آباد کاری کے بے حد و حساب کام میں صوبائی انتظامیہ کی مدد اور نگرانی کی جا سکے، وہ خود بھی مختصر وقفوں بعد بار بار لاہور کا دورہ کرتے رہتے۔ اُن ایام کے حوادث اور اُن تھک کام نے اُن کی صحت پر بہت بُرا اثر ڈالا، وہ رات گئے تک اپنے دفتر میں کام کرتے رہتے تھے اور اپنی اپیلوں اور پیغاموں سے پناہ گزینوں کی تالیف قلب کی کوشش کرتے رہتے۔ 5

کام کے دباؤ میں وہ ایسا اُلجھے کہ اپنی صحت کو بالکل ہی فراموش کر بیٹھے، دبی ہوئی بیماریاں سر اُٹھانے لگیں، کھانسی بڑھ گئی، ہلکا ہلکا بخار مسلسل رہنے لگا۔ اُن کی اِس کیفیت سے محترمہ فاطمہ جناح (جو خود بھی ایک ڈینٹل سرجن تھیں) پریشان تھیں۔ اُن کے اصرار پر بڑی مشکل سے وہ ڈاکٹر کرنل عبدالرحمٰن (1955ء۔ 1882ء) سے معائنہ کروانے پر رضامند ہوئے۔ اُن کی

اُنہیں ملیریا تھی اور اپنی اِس تشخیص کی بناء پر وہ اُن کا علاج کرنا چاہتے تھے۔ مگر قائد اعظمؒ ڈاکٹر کی اُنہیں سے مطمئن نہ تھے۔ اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل رحمٰن سے متعدد سوالات اور استفسارات کئے جیسے وہ کمرہ عدالت میں کسی گواہ پر جرح کر رہے ہوں۔ ڈاکٹر کی وضاحت سے مطمئن نہ ہونے کے باعث اُنہوں نے اُن کی تجویز کردہ ادویات استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ

"مجھے ملیریا نہیں۔۔۔ مجھے کام کی کثرت نے نڈھال کر رکھا ہے۔" 6

اُنہیں واقعی ملیریا نہیں تھا۔ اگرچہ وہ تھکاوٹ کا شکار تھے۔ لیکن جو مرض اُنہیں گھن کی طرح چاٹ رہا تھا وہ تپ دق تھا۔ وہ اِس مرض کے انتہائی درجہ پر تھے اور اُن کے پھیپھڑے کینسر کا شکار تھے۔ 7 اِس قسم کی صورتِ حال میں آرام اُن کیلئے بہترین علاج تھا۔ لیکن آرام کے وہ متحمل ہو نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اُنہیں بہت سے کام کرنا تھے۔ وہ محترمہ فاطمہ جناح کے اصرار اور التجا پر کہہ رہے تھے کہ

"میں اپنی جسمانی طاقت کی کان کھود کر توانائی کا آخری اونس تک ڈھونڈ نکالوں گا اور اپنی قوم کیلئے صرف کر دوں گا اور جب وہ بھی ختم ہو جائے گا تو میرا کام مکمل ہو چکا ہوگا۔۔۔ پھر زندگی نہیں رہے گی۔" 8

اُن کی زندگی کی دُشمن اُن کی بیماری نہ تھی۔ بلکہ وہ عناصر بھی تھے جنہیں پاکستان کسی بھی قیمت پر برداشت نہ تھا۔ اُن کی کوشش تھی کہ اُنہیں وقت سے پہلے ختم کر دیا جائے تاکہ پاکستان مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہ ہو سکے اور انتشار اور افراتفری کا شکار ہو جائے، اِس سلسلے میں گورنمنٹ ہاؤس کراچی پر دو مرتبہ مسلح لوگوں نے حملے کئے۔ جس میں وہاں کے محافظین شدید زخمی ہوئے۔ وہ اِن حملوں سے قطعاً خوف زدہ نہ تھے۔ اُن کے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برنی کی خواہش تھی کہ گورنمنٹ ہاؤس کے جس حصے میں اُن کی رہائش تھی ایک دیوار ایسی اونچی تعمیر کر دی جائے جس سے وہ حصہ الگ اور محفوظ ہو جائے۔۔۔ لیکن اُنہیں یہ پسند نہ تھا۔ لیکن جب انتہا پسندوں کے

ہاتھوں مہاتما گاندھی مارے گئے 9 تو اُنہوں نے اِس کی اجازت دے دی۔ 10

کشمیر کا مسئلہ مہاجروں سے بھی زیادہ سنگین تھا۔ اِس ریاست کی مُسلم آبادی اور جغرافیائی محلِ وقوع کی بنیاد پر سب کو یقین تھا کہ اِس کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہوگا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ کشمیر کی غالب مسلمان اکثریت کی خواہشات کے برعکس یہاں کے ہندو راجہ مہاراجہ ہری سنگھ ڈوگرہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کی درخواست کر دی۔ جسے ہندوستان کی حکومت نے 27 اکتوبر 1947ء کو قبول کر لیا اور حکومت ہندوستان نے ریاست کے امن و امان کے بہانے یہاں فوجیں داخل کرنا شروع کر دیں۔ اُس کا مقصد صرف اور صرف کشمیر کی آزادی کی مزاحمتی تحریک کو دبانا تھا۔

قائداعظمؒ اِن حالات میں 26 اکتوبر کو بذریعہ ہوائی جہاز لاہور پہنچ گئے۔ اُن کی آمد کا مقصد یہ تھا کہ قریب سے کشمیر کی خطرناک صورتِ حال کا جائزہ لے سکیں۔ اُن کے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برنی اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں کہ

"اتوار کو قائداعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح لاہور روانہ ہو گئے۔ کشمیر کے ہنگاموں نے اب خطرناک صورتِ حال اختیار کر لی ہے اور قائداعظمؒ اِس سلسلے میں لاہور گئے ہیں۔ وہاں لارڈ ماؤنٹ بیٹن اُن سے ملیں گے اور مسئلہ کشمیر پر تبادلہ خیال کریں گے۔ یہ صورتِ حال بہت تشویش ناک ہے۔ 11

لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن سے ملاقات سے قبل حالات ایسے سنگین ہو گئے کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کو مجبور ہو کر پاکستانی فوج کے قائم مقام انگریز کمانڈر انچیف جنرل سر ڈگلس گریسی (جنرل میسروی رُخصت پر تھے) 12 کو کشمیر میں مداخلت کا حکم دینا پڑا۔ جنرل ڈگلس گریسی کو یہ حکم ماننے میں تامل تھا۔ اِس موقع پر دونوں ملکوں کے سپریم کمانڈر سر کلاڈ آکنلیک نے قائداعظمؒ سے ملاقات کی اور اُن کو یہ قدم اُٹھانے سے باز رکھا۔ کشمیر کے مسئلہ پر اُنہوں نے اپنی بے بسی

اس کرتے ہوئے اِتنا تناؤ لیا کہ وہ بیمار ہو گئے۔۔۔ اور بیماری اِتنی شدت اختیار کر گئی کہ اُن کے ہوائی سفر بھی اچھا نہ تھا۔ چنانچہ وہ تقریباً ایک ماہ تک لاہور ہی رہے۔ 13

8 نومبر کو اُن کا راولپنڈی کا دورہ تھا۔ 14 بیماری کی وجہ سے اُسے منسوخ کرنا پڑا۔ ا! نومبر کو آل پاکستان تعلیمی کانفرنس کراچی میں بھی اُن کی شرکت بیماری کی وجہ سے ممکن نہ ہو سکی۔ 15 اس موقع پر صرف اُن کا پیغام پڑھ دیا گیا۔

اُن کی صحت اور بیماری کے بارے میں طرح طرح کی خبریں پھیلنے لگیں۔ اُن خبروں کے سدباب کیلئے 17 نومبر 1947ء کو ایک اعلان میں بتایا گیا کہ قائداعظمؒ کی طبیعت بدستور اچھی رہی ہے اور اُن کا وزن بڑھتا جا رہا ہے۔ 16 اُن کے ذاتی معالج ڈاکٹر کرنل رحمٰن اُن کی نگہداشت کیلئے کراچی سے لاہور پہنچ گئے۔ 19 نومبر کی اخبارات میں اُن کے حوالے سے خبر شائع ہوئی کہ

"قائداعظمؒ کی صحت اب قابلِ اطمینان ہے اُن کا زیادہ سے زیادہ درجہ حرارت 98.8 ہے۔ توقع ہے کہ کل تک اُن کا ٹمپریچر نارمل ہو جائے گا۔" 17

لاہور میں اُن کی بیماری کی اصل وجہ وہ دباؤ تھا جو اُنہوں نے مسئلہ کشمیر پر محسوس کیا تھا۔ حالات کے انتظام و انصرام میں اپنی ہمت سے بڑھ کر صحت کے تقاضوں سے بے نیاز ہو کر کام تے تھے اور یہی چیز اُن کی علالت اور ناسازی طبع کا باعث بنتی تھی۔ لاہور کی علالت ایسی تھی کہ کے قابل نہ تھے اور نہ ہی وہ سرکاری فائلیں دیکھ رہے تھے۔ مرکزی حکومت کا تمام کام رُکا ہوا اُن دنوں کے بارے میں کرنل ولیم برنی لکھتے ہیں۔

"قائداعظمؒ ابھی تک لاہور ہی میں ہیں وہ مجبوراً وہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اُنہیں ابھی حرارت رہتی ہے اور اِس حال میں ہوائی

سفر اُن کے لئے اچھا نہیں۔ اُن کی غیر موجودگی میں مرکزی حکومت کا سارا کام رُکا پڑا ہے۔ جو فائل میں اُن کی خدمت میں بھیجتا ہوں وہ یا تو اُن کو پیش نہیں کی جاتی (غالباً اُن کے معالجوں نے اُس کی ممانعت کر دی ہے) یا میرے پاس یہ لکھ کر بھیج دی جاتی ہے کہ وہ کراچی آنے سے پہلے اس پر غور نہیں کر سکتے۔ چونکہ اُن کی واپسی کی تاریخ ابھی تک طے نہیں۔ اس لئے یہاں کسی کو سمجھ نہیں آتا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔" 18

یکم دسمبر کو قائداعظمؒ لاہور میں ایک ماہ سے زیادہ قیام کے بعد واپس کراچی تشریف لائے۔ کرنل ولیم برنی اُن کی صحت کے بارے میں اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں۔

"آج اُنہیں دیکھ کر مجھے سخت صدمہ ہوا۔ پانچ ہفتے قبل جب وہ یہاں سے روانہ ہوئے تھے تو ساٹھ سال کے لگ بھگ معلوم ہوتے تھے۔ آج اُن کی عمر اُسی سے اوپر معلوم ہوتی ہے۔ میں ہوائی اڈے سے ان کے اور محترمہ فاطمہ جناح کے ہمراہ آیا اور مجھے قائداعظمؒ کی حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا۔ اُنہوں نے مجھ سے اعتراف کیا کہ ذہنی تھکان کی وجہ سے بخار ہو گیا تھا۔ پھر کہنے لگے! میں چاہتا ہوں کہ کم از کم دو ہفتے کسی ایسی جگہ جا کر بسر کروں جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔" 19

پاکستان سے عشق کی حد تک وابستگی اور اُس کے مسائل سے شدید انہماک کے ساتھ ساتھ وہ اپنے معالجین کے مشورے پر یہ ضرور چاہتے تھے کہ وہ چند روز کسی پُر سکون جگہ آرام کر لیں۔ تاکہ پاکستان کی خدمت کیلئے اپنی طاقت مجتمع کر سکیں۔ لیکن وہ اِس پروگرام پر کبھی عمل نہ کر سکے۔ اُس کی وجہ پاکستان کے اُس وقت کے حالات اور اُلجھے ہوئے انتظامی معاملات تھے، جن

سے وہ پیچھا نہ چھڑا سکتے تھے۔ لاہور میں چند روزہ علاج اور قیام کے بعد کراچی واپس پہنچ کر اُن کی صحت فی الواقع بہتر ہو گئی تھی اور وہ اِس کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ 20

13 دسمبر 1947ء کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے آل انڈیا مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کی۔ یہ اجلاس آخری دفعہ پاکستان کی سرزمین پر منعقد ہو رہا تھا۔ لاہور کی بیماری کے اثرات اُن کی صحت پر موجود تھے۔

چنانچہ اُنہوں نے صرف صبح والے اجلاس ہی میں شرکت کی جو اُن کی رہائش گاہ پر منعقد ہوا تھا۔ شام کا اجلاس وزیراعظم لیاقت علی خان کی رہائش گاہ پر ہوا۔ اگلے دن (14 دسمبر) کو آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس خالق دینا ہال میں منعقد ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد یہ اپنی نوعیت کا پہلا اجلاس تھا۔ کونسل نے ایک قرارداد مرتب کی جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کو دو علیحدہ اور جداگانہ تنظیموں میں تقسیم کر دینے کی سفارش کی۔ ایک تنظیم پاکستان کیلئے اور دوسری بھارت کیلئے۔ اِس اجلاس کی صدارت قائداعظمؒ نے کی۔

یہ اجلاس اِس لحاظ سے اہم تھا کہ اِس میں وہ بطور صدر مسلم لیگ آخری مرتبہ شرکت کر رہے تھے۔ اُن کی صحت بہتر نہ تھی۔ وہ شدید تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے۔ اُنہیں ہلکا ہلکا بخار بھی تھا۔ ڈاکٹروں نے اُنہیں مشورہ دیا تھا کہ وہ اجلاس میں شرکت نہ کریں۔ لیکن اِس کی اہمیت کے پیشِ نظر اُنہوں نے اُن کا مشورہ رد کر دیا وہ نہ صرف شریک ہوئے بلکہ اُنہوں نے ایک طویل تقریر بھی کی۔

اجلاس کا ماحول بڑا پژمردہ تھا۔ فضا پر اُداسی چھائی ہوئی اور کونسلروں کے چہروں پر غم کی پرچھائیاں عیاں تھیں۔ مسلمانانِ ہندو پاک کے وہ راہنما جنہوں نے متحد ہو کر نصف صدی تک انگریزوں اور ہندوؤں کے خلاف جنگ لڑی تھی۔ دُکھ سُکھ میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا تھا، آج حالات کے اِس موڑ پر آن کھڑے ہوئے تھے جہاں سے اُن کی راہیں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے الگ ہو

جاتیں تھیں۔ اُن کو اِس اَمر کا بھی احساس تھا کہ مستقبل اُن کے درمیان حائل ہونے والی دیواروں کو اور بھی بلند کر دے گا۔ حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے شناسا نہ رہیں گے۔ حالانکہ قائداعظمؒ کی شخصیت، قانون اور دستور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی اور جذبات کا مدوجزر اُن کو متاثر نہیں کرتا تھا۔ لیکن اِس اجلاس کی افسردہ فضا نے اُن کے دل پر بھی اثر کیا۔ چنانچہ جب اُن کی تقریر میں ہندو مسلم فسادات اور قتل وغارت کا ذکر آیا تو اُن کا چہرہ سوگوار ہو گیا۔ شدتِ غم سے ان کا دل پگھل گیا اور پھر مسلم لیگ کے کونسلروں نے دیکھا کہ وہ قائداعظمؒ جو صبر اور قناعت کا نمونہ تھے آج اُن کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ شاید اُنہیں بھی اندازہ نہ تھا کہ آزادی کی صبح اِس قدر خون آلود ہوگی۔ 21

ہندوستان سے مسلم لیگ کی نمائندگی کرنے والے کونسلروں کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے بغیر مسلم سیاست اَدھوری دکھائی دیتی تھی۔ اُن کی وجہ سے تمام ہندوستان کے مسلمان ایک پلیٹ فارم پر اکٹھے تھے۔ وہ اُن کی ذات سے ہمیشہ تقویت محسوس کرتے تھے۔ اِس احساس کے ساتھ جمال میاں فرنگی محل نے تقریر کرتے ہوئے بھیگی پلکوں کے ساتھ جذبات کی رو میں بہہ کر قائداعظمؒ سے کہا کہ

"ہم ہندوستان میں بے یارومددگار رہ گئے ہیں۔ آپ وہاں آئیں اور ہماری قیادت فرمائیں۔"

ہندوستان کی سیاست میں اُن کے بغیر واقعی خلاء پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن پاکستان کی تعمیر اور استحکام کیلئے اُن کا یہاں قیام ناگزیر تھا۔ اُنہوں نے اُنہیں تشفی دیتے ہوئے جواباً کہا۔

"مسلم لیگ کونسل نے مجھے پاکستان کا گورنر جنرل بنایا ہے تاکہ میں ملک کو بحران سے نکال سکوں۔ لیکن اگر اب کونسل یہ فیصلہ کرے تو میں گورنر جنرل کے عہدے سے مستعفی ہو کر نتائج کی پرواہ کئے بغیر ہندوستان جانے کو تیار ہوں۔ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ

آپ کب تک میری قیادت پر بھروسہ کئے بیٹھے رہیں گے۔ اگر میں مرجاؤں تو آپ کیا کریں گے؟" 22

پاکستانی قوم نے یہ بات بالکل ہی نہ سوچی تھی کہ قائداعظمؒ بھی مر سکتے تھے اور جب ستمبر 1948ء میں اُن کا انتقال ہوا تو پوری قوم بے یقینی کا شکار ہو گئی۔

بیماری اور تھکان کے باوجود وہ گھنٹوں دفتر میں بیٹھا کرتے تھے۔ انتہائی سنجیدگی، تندہی اور یکسوئی کے ساتھ دفتری کام سرانجام دیا کرتے تھے۔ کسی معاملے کو سرسری نہ لیا کرتے تھے۔ کوئی فائل، دستاویز یا بل یا قانون کا مسودہ اُن کی خدمت میں پیش ہوتا تو وہ اُس کے ایک ایک فقرے کو بڑے غور سے پڑھتے۔ متعلقہ لوگوں سے بحث کرتے اور اُس کے بارے میں ہدایات جاری کرتے۔ بالعموم وہ بھونڈی عبارت اور الفاظ کے ناقص انتخاب کو ناپسند فرماتے تھے۔ وہ کسی کام میں عجلت کے عادی نہ تھے اور ایک بار کوئی فیصلہ کر لیتے تھے تو اُس فیصلے سے پیچھے نہ ہٹتے تھے۔

فروری 1948ء میں اسٹیٹمین کے ایڈیٹر ایان اسٹیفنز قائداعظم محمد علی جناحؒ سے ملنے آئے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب "Horned Moon" میں اِس کا ذکر کیا ہے۔ اُن کی ملاقات ستر منٹ تک جاری رہی۔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کا محبوب موضوع تھا۔ اِس ملاقات میں وہ پاکستان کے قیام کی مشکلات اور اِس کے تابناک مستقبل پر بات کرتے رہے۔ جب مسٹر اسٹیفنز رُخصت ہونے لگے، تو اُنہوں نے کہا۔

"مسٹر اسٹیفنز میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مجھے اپنی طبیعت میں خاصا افاقہ محسوس ہو رہا ہے اور درحقیقت اب میری حالت پہلے سے بہتر ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ میں بیمار رہا ہوں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اب میں جلد تھک جاتا ہوں۔"

پھر اُن کے حسین اور باریک ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور اپنے مخصوص انداز میں زیرلب

مسکرائے اور بولے۔

"یہ تو عمر کا تقاضا ہے۔ اب میں جوان نہیں ہوں اور مجھ پر ذمہ داریوں کا بڑا بوجھ ہے۔ جب تھک جاتا ہوں تو آرام کر لیتا ہوں۔ یہ بہت آسان نسخہ ہے۔۔۔ میں جانتا ہوں کہ مجھے اپنی صحت برقرار رکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اِس لئے میں اپنے معالجوں سے کہہ دیتا ہوں کہ وہ اپنے گھر جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ بات کا بتنگڑ بنائیں۔ یہ مجھے ناگوار گزرتا ہے۔ نہیں نہیں، میں بالکل بیمار نہیں ہوں۔" 23

وہ بیماری کا اعتراف بھی کرتے تھے اور انکار بھی۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کا بہترین علاج آرام تھا۔ مگر آرام کیلئے اُن کے پاس وقت کہاں تھا۔

قائداعظمؒ کا دورہ مشرقی پاکستان

پاکستان کی ابتداء میں جس مسئلہ نے پاکستان کے وفاق کیلئے خطرہ کی گھنٹی بجائی، وہ زبان کا مسئلہ تھا۔ اِس مسئلے نے پاکستان کے سب سے بڑے صوبے مشرقی بنگال (مشرقی پاکستان) میں جنم لیا تھا۔

مشرقی بنگال (مشرقی پاکستان) آبادی کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ تھا۔ آزادی (14 اگست 1947ء) کے وقت پاکستان کی کل آبادی تقریباً 7 کروڑ تھی۔ اِس صوبے کی آبادی تقریباً 3 کروڑ 78 لاکھ تھی۔ جو کہ کل آبادی کا 54 فیصد تھی۔ پاکستان کے کل رقبہ 365000 مربع میل میں سے اِس کا رقبہ تقریباً 55 ہزار مربع میل تھا۔ رقبے کے اعتبار سے یہ پاکستان کا چھوٹا صوبہ تھا۔ مگر یہ صوبہ انتہائی گنجان تھا۔ آبادی کی اوسط شرح 687 افراد فی مربع میل تھی۔

یہ صوبہ بہت پسماندہ تھا۔ تقسیم (1947ء) کے وقت کلکتہ جو بنگال کا سب سے ترقی

یافتہ شہر اور بندرگاہ تھا۔ ہندوستان کو دیئے جانے کی وجہ سے اُس کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ اُس کی ساری معیشت کا انحصار پٹ سن اور چاول کی فصلوں پر تھا۔ غیر منقسم بنگال کے 90 فی صد صنعتی ادارے کلکتے میں تھے یا اُس کے قریب علاقوں میں واقع تھے۔ جو کہ مغربی بنگال کا حصہ بن چکے تھے۔ مشرقی بنگال میں پٹ سن کا ایک بھی کارخانہ نہ تھا۔ یہاں پیدا ہونے والی ساری پٹ سن کلکتہ جاتی تھی۔ لوگوں کی خوشحالی کا انحصار اُس کی بہتر فصل، اچھی قیمت اور کلکتہ پر تھا۔

اُس کے ساحلی علاقے نواکھلی اور باریسال آئے دن سمندری طوفانوں کا شکار رہتے تھے۔ یہاں ندیوں اور دریاؤں کی کثرت تھی۔ سیلابوں کے زمانے میں یہاں کے دریا اکثر بے کراں ہو جاتے تھے۔ میگھنا اور پدما جیسے تیز رو دریا یہاں بہتے تھے۔ اُن کے پاٹ کئی کئی میل کے تھے۔ اُن پر پل بنانا اگر ناممکن نہیں تو آسان بھی نہیں تھا۔ مسلسل سیلاب اور شدید بارشوں کی وجہ سے سڑکیں قائم نہیں رہتیں تھیں۔ یہی حال اُس کے ریلوے کا تھا۔ 24

یہ صوبہ ملک کے باقی صوبوں سے جغرافیائی، تاریخی، نسلی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی لحاظ سے انتہائی مختلف تھا۔ اُس کا ملک کے باقی صوبوں سے کسی قسم کا زمینی رابطہ نہ تھا۔ یہ شاید اُس وقت اپنی نوعیت کی واحد مثال تھی کہ ایک ملک کا ایک صوبہ اُس سے ایک ہزار میل دور ہو۔

قیامِ پاکستان کے فوری بعد اُسے شدید سیلابوں کا سامنا تھا۔ نواکھلی، چٹاگانگ اور بعض دوسرے علاقے سیلاب سے بہت متاثر ہوئے تھے۔ اِس سیلاب میں تقریباً 500 مربع میل کے علاقے کی فصل تباہ ہوگئی۔ غذا اور ادویہ کی شدید قلت تھی۔ صوبے کے وزیراعلیٰ خواجہ ناظم الدین کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ اِن حالات میں کراچی جا کر مرکز سے مدد کی درخواست کرے۔

اِدھر یہ صوبہ شدید مسائل و مصائب کا شکار تھا۔ اُدھر مرکز (کراچی) میں انجمن اُردو کا قیام عمل میں آ رہا تھا۔ جس کے قیام کی تقریب میں سندھ کے وزیرِ تعلیم پیرالٰہی بخش، سرکاری حکام، ممتاز شہریوں سمیت سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حلیم پورے پاکستان میں اُردو زبان

اِس انجمن کے ردعمل میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء اور اساتذہ نے بھی یکم ستمبر 1947ء کو "تمدن مجلس" جس کا مقصد بنگالی زبان کا تحفظ اور فروغ تھا، قائم کر لی۔ [25] بنگالی پہلے ہی اس بات پر شاکی تھے کہ اُن پر مغربی حصے کی بالادستی قائم کر دی گئی تھی۔ کیونکہ صوبے کا چیف سیکرٹری عزیز احمد اور دیگر سول ایڈمنسٹریشن غیر بنگالیوں کی تھی۔ یہ افسر نہ بنگالی جانتے تھے اور نہ ہی عوام سے اُن کے روابط تھے۔ اُنہیں یہ حیرت تھی کہ مرکز اور مغربی حصہ اُن کے مسائل و مصائب میں شریک ہونے کی بجائے اُردو زبان کی ترویج کے مسئلے کو اہم قومی مسئلہ بنائے ہوئے تھا۔ وہ کل آبادی کا 54 فی صد تھے۔ اُن کی الگ تہذیب وثقافت تھی۔ اُن کی زبان کا کثیر ادب موجود تھا۔ اُردو کی تحریک چلنے سے وہ یہ گمان کرنے میں حق بجانب تھے کہ اُن کی تہذیب وثقافت اور بالخصوص زبان کو تباہ کرنے کی سازش ہو رہی تھی۔

عوام تو بے چین تھے ہی، صوبائی وزراء بھی مرکز کے اِس رویے سے شاکی تھے۔ بنگال کے وزیر صحت حبیب اللہ نے 15 نومبر کو مرکزی حکومت کی اُردو حمایت پر اعتراض کرتے ہوئے ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

بنگالی اور اُردو دونوں زبانوں ہی کو پاکستان کی قومی زبان کا درجہ حاصل ہونا چاہیے۔ بنگالی پاکستان کی آبادی کی اکثریت کی زبان ہے۔ اِس لئے مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ اِس زبان کو پاکستان کی قومی زبان کیوں نہیں بننا چاہیے۔ مشرقی پاکستان میں اُردو کی تعلیم بھی ہونی چاہیے تاکہ یہاں کے عوام کا مغربی پاکستان کی عوام سے رابطہ قائم رہے۔

اُنہوں نے مزید کہا۔

اگر بنگالی کو قومی زبان نہ بنایا گیا اور مشرقی پاکستان میں یہ زبان

ذریعہ تعلیم نہ بنائی گئی تو یہ اَمر عوام الناس سے غداری کا مترادف ہو گا۔

اِس جلسہ سے وزیر سول سپلائیز جناب نور الامین نے بھی خطاب کیا۔ اُنہوں نے بھی بنگالی زبان کو قومی زبان بنانے پر زور دیا۔ [26]

27 نومبر 1947ء کو کراچی میں پہلی ایجوکیشنل کانفرنس منعقد ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ اُن دنوں لاہور میں قیام پذیر تھے اور شدید بیمار تھے۔ اس وجہ سے وہ اِس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ [27] کانفرنس کے اختتام پر ایک قرارداد کے ذریعے دستور ساز اسمبلی کو سفارش کی گئی کہ اُردو کو قومی زبان بنایا جائے اور سکولوں میں پرائمری کے بعد اُردو کو لازمی قرار دیا جائے۔

کراچی کے تمام اخبارات اُردو کے پرجوش داعی بنے ہوئے تھے۔ روزنامہ ڈان (انگریزی) نے اپنے اداریئے میں یہ تجویز دی کہ

"ہر تین ماہ کے بعد ایک قومی زبان کا ہفتہ منعقد ہونا چاہیے۔ جس کے دوران حکومت اور معاشرے میں اہم مقامات کے حامل بالغوں کو اُردو کی جماعتوں میں شریک ہو کر اپنے آپ کو اِس زبان سے زیادہ سے زیادہ آشنا کرنا چاہیے اور اِس طرح دوسروں کیلئے ایک مثال قائم کرنی چاہیے۔ مثلاً وزیر تعلیم کو خود کراچی میں پہل کر کے ان مجوزہ ہفتوں کے دوران میں رسمی طور پر اُردو کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے اور اِس قسم کی مثال مشرقی پاکستان کے دارالحکومت میں بنگالی افسروں اور وزراء کو بھی قائم کرنی چاہیے۔ اس طرح اُردو زبان بہت مقبول ہوگی اور مشرقی بنگال کے تعلیم یافتہ طبقوں میں یہ زبان سیکھنے کا جوش وجذبہ پیدا ہوگا۔"

تعلیمی کانفرنس کے اِس فیصلے اور اس پر ڈان کے اس تبصرے کا مطلب یہ تھا کہ مشرقی

پاکستان کے تقریباً چار کروڑ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ عوام (بشمول وزراء اور سرکاری اہل کار) کو اُردو زبان سیکھنا پڑے گی اور جب تک وہ ایسا نہیں کریں گے اُنہیں مرکز کے کاروبارِ حکومت میں کوئی حصہ نہیں مل سکے گا۔ قدرتی طور پر یہ صورتِ حال ڈھاکہ کے تعلیم یافتہ درمیانہ طبقہ کیلئے نہایت اشتعال انگیز اور ناقابلِ برداشت تھی۔ 28

مرکز کی طرف سے اُردو کی بے جا حمایت سے مشرقی پاکستان میں احساسِ محرومی بڑھنے لگا، بالخصوص اُس کا پڑھا لکھا طبقہ سراپا احتجاج ہو گیا، باقاعدہ ایجی ٹیشن شروع ہو گئے۔ طلباء اِن احتجاجی مظاہروں میں پیش پیش تھے۔ صوبائی حکومت نے مرکز کو خوش کرنے کیلئے سختی کی پالیسی اپنائی۔ مغربی حصے کے اخبارات اُن احتجاجیوں کو ملک دُشمن عناصر کا رنگ دے رہے تھے۔

ملک کی قومی زبان کا فیصلہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کرنا تھا۔ اِس فیصلے کے پس منظر میں اُسے ملک کی تہذیب و ثقافت اور تمدن سب کو ملحوظِ خاطر رکھنا تھا۔ اُس کا فیصلہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دونوں بڑی زبانیں، بنگالی اور اُردو ملک کی قومی زبانیں ہوں (لیکن کراچی میں، وزیر اعظم لیاقت علی خان سے لے کر ادنیٰ سے ادنیٰ سرکاری اہلکار، ایجوکیشنل کانفرنس، اخبارات کے اداریئے اپنے ہم وطنوں سے زبان کی جنگ کا آغاز کئے ہوئے تھے۔

فروری 1948ء میں دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ اجلاس کے شروع ہوتے ہی ایسے اختلافات آنا شروع ہو گئے جنہیں وسیع تر مفاد کیلئے نظر انداز کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اُن کی پاس داری نے بداعتمادی کی فضا قائم کر دی۔

دستور ساز اسمبلی میں مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے ایک رکن نے یہ تجویز پیش کی کہ اسمبلی کا اجلاس کم از کم ایک مرتبہ ڈھاکہ میں ہونا چاہیے۔

بیگم شائستہ اکرام اللہ نے اِس کی تائید کی۔ لیکن وزیر اعظم پاکستان نے بڑی سختی سے اِس تجویز کی مخالفت کی۔ یہ تجویز کثرتِ رائے سے مسترد ہو گئی۔

اسمبلی کے ایک بنگالی ہندو رکن دھندرا ناتھ دتہ نے ایک بحث میں ترمیم پیش کی کہ

ایوان میں اُردو اور انگریزی کے علاوہ بنگالی زبان میں تقریر کی اجازت ہونی چاہیے۔ اُنہوں نے اپنی اِس ترمیم کے حق میں جو تقریر کی وہ بڑی مدلل اور متوازن تھی۔ اُنہوں نے کہا۔

> میں نے ترمیم صوبہ پرستی کے جذبہ کے تحت پیش نہیں کی۔ مجھے معلوم ہے کہ بنگالی ایک صوبائی زبان ہے۔ لیکن یہ ہماری ریاست کے عوام کی اکثریت کی زبان ہے اور اِس بناء پر اِس کی حیثیت دوسری صوبائی زبانوں سے مختلف ہے۔
>
> پاکستان کی 6 کروڑ 90 لاکھ کی آبادی میں 4 کروڑ 40 لاکھ (جوشِ خطابت میں اُن سے تعداد میں مبالغہ ہو گیا) لوگ بنگالی زبان بولتے ہیں۔ اِس صورتِ حال میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملک کی زبان کون سی ہونی چاہیے (میری رائے میں قومی زبان کا درجہ اُس زبان کو حاصل ہونا چاہیے جو ملک کے عوام کی اکثریت کی زبان ہے۔ چونکہ پاکستان کے عوام کی اکثریت بنگالی زبان بولتی ہے۔ اِس لئے اِس بنگالی کو قومی زبان ہونا چاہیے

مشرقی پاکستان میں اِس مسئلہ پر شدید جذبات پائے جاتے ہیں کیونکہ وہاں کے عوام کو اِس بناء پر اپنی روزانہ زندگی میں بہت مشکلات پیش آتی ہیں۔۔۔ مثلاً منی آرڈر فارم، اُردو انگریزی میں چھپے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جب بھی کسی غریب کاشت کار کو ڈھاکہ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم اپنے بیٹے کو پیسے بھیجنے ہوتے ہیں تو اُسے منی آرڈر فارم کا ترجمہ کرانے کیلئے کسی قصبے میں جانا پڑتا ہے۔ اِسی طرح اگر کسی غریب کاشت کار کو زمین کے کسی ٹکڑے کی خرید و فروخت کرنا ہوتی ہے تو اُسے پتہ نہیں چلتا کہ اشٹام فروش اُسے کتنی

> قیمت کا اشتام دے رہا ہے۔ کیونکہ اشٹاموں پر قیمت کا اندراج صرف اُردو اور انگریزی میں ہوتا ہے۔ بنگالی عوام کی یہ مشکلات حقیقی ہیں۔ لہٰذا قومی زبان ایسی ہونی چاہیے جو عوام کی سمجھ میں آجائے۔ اگر اس ایوان کے قواعد میں انگریزی کو عزت کا مقام دیا جاسکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ بنگالی زبان کو اِس مقام سے محروم رکھا جائے۔ بنگالی زبان سے محض ایک صوبائی زبان کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے بلکہ اُسے ایک قومی زبان تصور کرنا چاہیے۔ [29]

اِس ترمیم کی تائید وحمایت مشرقی بنگال کے اراکین نے کی لیکن ایوان میں مغربی حصے سے تعلق رکھنے والے اراکین نے اِس پر شدید تنقید کی بلکہ اُسے کثرت رائے سے پاس ہونے نہ دیا۔

دستور ساز اسمبلی میں مشرقی بنگال کے اراکین کی اپنے صوبہ کے مفادات کی بحثوں کو اخبارات بالخصوص کراچی کے اخبارات صوبہ پرستی کا نام دے رہے تھے اور اُن کی آراء کو مسلم قومیت اور پاکستان کیلئے زہریلا قرار دے رہے تھے۔

حسب توقع پاکستان دستور ساز اسمبلی کی یہ بحثیں بنگال کے سیاسی حالات پر فوری اثر انداز ہوئیں۔ وہاں مظاہرے شروع ہو گئے۔ 27 فروری کو ڈھاکہ میں طلباء نے شہر میں زبردست مظاہرہ کیا اور اسمبلی کے اِس فیصلے کے خلاف احتجاج کیا کہ بنگالی زبان ایوان کی سرکاری زبانوں میں شامل نہیں ہوگی۔ 28 فروری کو یہ مظاہرے دوسرے شہروں میں پھیل گئے۔ اِن مظاہروں سے صوبے کا لاء اینڈ آرڈر خطرے میں پڑتا دکھائی دینے لگا۔ ڈھاکہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے 2 مارچ سے شہر میں ایک ہفتے کیلئے دفعہ 144 نافذ کر دی۔

صوبے کے وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین اگرچہ شریف اور ایماندار تھے لیکن اُن میں وہ صلاحیتیں مفقود تھیں جو ایک اچھے منتظم میں ہونی چاہیے تھیں۔ تقسیم کے بعد وہاں ایک بہت اچھے

منتظم کی ضرورت تھی جو نہ صرف تقسیم کی "جراحت" کے زخموں کا خاطر خواہ علاج کرتا بلکہ ایسے راستے بھی متعین کرتا جو قومی یکجہتی کی منزل کو جاتے ہوں۔ (خواجہ ناظم الدین صوبے کی اسمبلی کے بھی ممبر نہ تھے۔ وہ ایک عرصہ سے سیاست سے کنارا کش تھے۔ اُنہیں سہروردی مخالف عناصر نے وزیر اعلیٰ بنوایا تھا۔ اُن کی وزارت اعلیٰ کو استحکام مرکز اور غیر بنگالی بیوروکریسی نے بخشا ہوا تھا، جو بنگال میں متعین تھی) بنگالی زبان کی حمایت میں جو ایجی ٹیشن ہوئے اُنہوں نے اُن کی حکومت کو ڈانواں ڈول کر دیا ہوا تھا۔ روز مظاہرے ہو رہے تھے۔ پولیس آنسو گیس اور لاٹھی چارج کر رہی تھی۔ گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ 11 مارچ کو ایسٹ پاکستان مسلم سٹوڈنٹس لیگ کی قائم کردہ سٹیٹ لینگوئج سب کمیٹی نے ڈھاکہ میں عام ہڑتال کا اعلان کیا، ہڑتال بڑی کامیاب رہی، تمام کاروبار زندگی بند رہا، مظاہرہ بھی ہوا، مظاہرین پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ تقریباً 50 لوگ زخمی ہوئے۔ [30] (اِن زخمی ہونے والوں میں قرارداد پاکستان 1940ء کے پیش کنندہ سابق وزیر اعلیٰ مولوی ابوالقاسم فضل الحق بھی شامل تھے

مشرقی پاکستان کے ہڑتالیوں اور مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ

(i) پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کو مجبور کیا جائے کہ وہ اُردو اور انگریزی کے علاوہ بنگالی زبان کو بھی ملک کی زبان قرار دے۔

(ii) بنگالی زبان کو مشرقی بنگال کی سرکاری زبان قرار دیا جائے۔

(iii) منی آرڈر، پوسٹل سٹیمپ، کرنسی اور ریلوے ٹکٹ بنگالی زبان میں چھاپے جائیں کیونکہ یہ پاکستان کی آبادی کی اکثریت کی زبان ہے۔

زبان کے حوالے سے جو رویہ مغربی حصے کا تھا اُس سے اُن میں شک وشبہات جنم لینے لگے۔ مظاہروں میں، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور پاکستان مخالف کتبے بھی نظر آئے۔ صوبائی حکومت کی نااہلی سے ایک معمولی سا مسئلہ انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہوا تھا۔ مرکز کی اُردو کے لیے بے وقت حمایت اور کراچی کے اُردو طبقہ کے بے جا اصرار کی وجہ سے خودمختار بنگال کے نظریے کا

ایسا آغاز ہوا جو آگے چل کر اتنا مضبوط اور مستحکم ہو گیا کہ وہ بنگلہ دیش کی شکل اختیار کر گیا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کیلئے مشرقی بنگال کی یہ صورت حال بہت تشویش ناک تھی اُنہوں نے اِن حالات میں یہی بہتر سمجھا کہ وہ خود وہاں جا کر صوبائی حکومت کی راہنمائی کریں اور لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کریں۔ اُن کی صحت اُن دنوں بہتر نہ تھی۔ طویل اور مشکل سفر کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ مسئلہ ایسا تھا کہ اُسے آرام پر قربان نہیں کیا جا سکتا تھا۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے نوروزہ دورے کا پروگرام مشتہر ہو گیا۔ اُنہیں 20 مارچ کو ڈھاکہ کیلئے سفر کرنا تھا۔ حکومت پاکستان کے پاس اُن دنوں صرف ایک ڈکوٹا ہوائی جہاز تھا۔ یہ جہاز پُرانا اور سُست رفتار تھا۔ پھر یہ کہ اِس میں تیل کی ٹینکی بے حد چھوٹی تھی جو ایک ہی پرواز میں کراچی سے ڈھاکہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ ضروری تھا کہ آدھے راستے میں رُک کر اِس کی ٹینکی کو پھر تیل سے بھرا جائے۔ اِس مقصد کیلئے بھارت کا کوئی ہوائی اڈہ استعمال کیا جا سکتا تھا۔ لیکن قائداعظمؒ بھارت کی سرزمین پر اُترنا نہیں چاہتے تھے۔ کسی غیر ملکی جہاز کو چارٹر کرنے پر بہت خرچہ آتا تھا چنانچہ اُسی ڈکوٹا جہاز کو فاضل ٹینکی کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ [31] قائداعظمؒ 20 مارچ کو ڈھاکہ پہنچے۔ اگلے دن اُنہوں نے مختلف سیاسی وفود سے ملاقات کی۔ اس سے اُنہیں وہاں کے مسئلے کے بارے میں سیر حاصل واقفیت ہوئی۔

21 مارچ کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ڈھاکہ میں ایک بہت بڑے تاریخی جلسہ سے خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا۔

> پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت کو اتنے سنگین اور سنگلاخ مسائل کا سامنا نہیں کرنا پڑا، جو ہمیں درپیش ہیں۔ پوری انسانی تاریخ میں کبھی کسی نئی مملکت نے اِن مسائل کا مقابلہ کرنے میں اتنی پامردی اور عزم و استقلال کا مظاہرہ نہیں کیا، جس کا مظاہرہ ہم نے کیا ہے۔ ہمارے دُشمنوں کو اُمید تھی کہ پاکستان اپنی ولادت کے

ساتھ ہی ختم ہو جائے گا۔ اُن کی اُمیدوں کے برعکس پاکستان ان مسائل کے ہجوم سے مردانہ وار کامیاب و کامران نکلا اور اس شان سے کہ پہلے سے بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط۔ پاکستان قائم رہنے کیلئے بنا ہے یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور اپنا وہ عظیم کردار ادا کرتا رہے گا جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔

اس عظیم مملکت کی تعمیر کے مقدس کار عظیم میں آپ کے لئے شاندار مواقع موجود ہیں۔ حالات کا مقابلہ کیجئے اور اپنے کاموں کو اسی عزم واستقلال کے ساتھ جاری رکھئے جیسا کہ آپ اب تک کرتے آئے ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ بات یاد رکھئے کہ اپنے آپ کو شر پسندوں، پروپیگنڈہ بازوں اور خود غرض اشتعال انگیزیوں کا نشانہ نہ بننے دیجئے۔ کیونکہ وہ آپ سے اور اُن مشکلات سے جو کسی نوزائیدہ حکومت کو لازماً پیش آتی ہیں، ناجائز فائدہ اُٹھانے کی فکر میں ہیں۔

اس عظیم مملکت کی خاطر، جس کے آپ فرد ہیں، اُن عوام کی وجہ سے جن کی خدمت آپ کے ذمے ہے اور دراصل خود آپ کے اپنے لئے آپ کا یہ فرض ہے کہ کسی مشکل سے نہ گھبرائیں بلکہ آگے بڑھیں اور پوری تندہی اور یکسوئی کے ساتھ اپنی دُھن میں لگے رہیں۔ پاکستان کے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ قدرت نے ہمیں جن فیاضیوں سے نوازا ہے۔ اُن سے پورا فائدہ اُٹھائیں اور ایک مضبوط و شاندار مستقبل تعمیر کریں۔

میں صاف طریق پر آپ کو اُن حالات سے آگاہ کرنا چاہتا

ہوں جو پاکستان کو اور خصوصاً آپ کے صوبے کو اب تک لاحق ہیں۔ پاکستان کے قیام کو روکنے کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد اپنی شکست سے پریشان ہوکر، پاکستان کے دُشمن، اب مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر اس مملکت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ان کوششوں نے اب صوبہ پرستی کو ہوا دینے کی صورت اختیار کی ہے۔ جب تک آپ اپنی ملکی سیاست سے اس زہر کو نکال کر نہیں پھینکیں گے اُس وقت تک آپ خود کو ایک حقیقی قوم میں ڈھال نہیں سکتے اور نہ ایک قوم پرستانہ جوش و ولولہ پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ کو چاہیے کہ بنگالی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ آپ سب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ نے ایک سلطنت اپنے لئے بنائی ہے، ایک وسیع و عریض سلطنت، یہ سب آپ کی ہے۔ نہ پنجابی کی ہے نہ بنگالی کی، نہ سندھی یا پٹھان کی۔ یہ آپ سب کی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ بنگالی، پٹھان، سندھی، بلوچی وغیرہ کی اصطلاحوں میں بات نہ کریں۔ میں مانتا ہوں کہ یہ سب اپنی اپنی جگہ وحدتیں ہیں لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا آپ وہ سبق بھول گئے جو تیرہ سو سال پہلے آپ کو سکھایا گیا تھا؟ اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں کہوں گا کہ یہاں آپ سب باہر کے آئے ہوئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ بنگال کے اصل باشندے کون تھے؟ وہ ہرگز نہیں جو آج کل بنگال میں رہتے ہیں۔ پس یہ کہنے کا آخر فائدہ کیا ہے کہ ہم پنجابی ہیں، ہم سندھی ہیں، ہم پٹھان ہیں۔۔۔ نہیں ہم سب

مسلمان ہیں۔

اسلام نے ہمیں یہی سبق دیا ہے اور آپ یقیناً مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ خواہ کچھ بھی ہوں۔ اول و آخر مسلمان ہیں، اب آپ ایک باقاعدہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اب آپ نے ایک وسیع علاقہ اپنے تسلط میں کر لیا ہے۔ یہ علاقہ جو پنجابیوں، سندھیوں، پٹھانوں، یا بنگالیوں کا نہیں بلکہ آپ سب کا ہے۔ اب آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے۔ جس میں ان جغرافیائی وحدتوں کو نمائندگی حاصل ہے۔ پس اگر آپ اپنے آپ کو ایک قوم، ایک عظیم قوم کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو خُدا کیلئے اس صوبائی عصبیت کو ترک کر دیجئے۔

میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کرتا ہوں۔۔۔ امریکہ کو لے لیجئے جب امریکہ نے برطانیہ کی محکومی کا جواء اُتار پھینکا اور اپنی خود مختاری کا اعلان کیا تو وہاں کتنی قومیں آباد تھیں؟ وہاں کئی نسلوں کے لوگ مثلاً ہسپانوی، فرانسیسی، اطالوی، جرمن، انگریز، ڈچ اور اُن کے علاوہ کئی دوسری نسلیں آباد تھیں۔ یہ سب وہاں موجود تھے اور اُنہیں بہت سی مشکلات کا سامنا تھا۔۔۔ آپ یہ نہ بھولئے کہ اُن قوموں کا واقعی وجود تھا اور یہ واقعتاً بڑی قومیں تھیں۔ لیکن آپ کے ہاں یہ صورت نہیں ہے۔ آپ کو تو پاکستان ابھی ملا ہے۔ وہاں کا تو ایک فرانسیسی یہ کہہ سکتا تھا کہ میں فرانسیسی ہوں اور بڑی قوم کا فرد ہوں۔ اسی طرح کی باتیں دوسری نسلوں کے لوگ بھی کہہ سکتے تھے لیکن اُس کے بعد کیا ہوا؟ اُنہوں نے اپنی مشکلات کا تجزیہ کیا، اُن

کا حل تلاش کیا، اِس لئے کہ اُن میں سمجھ بوجھ تھی، اُنہوں نے بہت تھوڑی مدت میں فرقہ واریت کو مٹا کر اپنے مسائل حل کر لئے۔ اُس کے بعد اُن میں سے کسی نے کبھی اپنے آپ کو ہسپانوی، جرمن، فرانسیسی یا انگریز نہیں کہا۔ وہ سب اپنے آپ کو امریکی کہتے اور اِسی پر فخر کرتے تھے۔ وہ اِس طرح اپنا تعارف کراتے کہ "میں امریکی ہوں" یا "ہم سب امریکی ہیں۔۔۔"

آپ کو بھی چاہیے کہ آپ کے خیالات، رہن سہن اور عمل سے یہ ظاہر ہو کہ آپ پاکستانی ہیں اور پاکستان ہی آپ کا ملک، آپ کا وطن ہے۔ اِس بات کی ضرورت ہے کہ ہماری بات چیت میں بنگالی، پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ کا ذکر تک نہ ہو، بلکہ ہم سب ایک ہی لفظ پر فخر کریں، ایک ہی نسبت ہمارے امتیاز کا سبب ہو اور وہ ہو پاکستانی۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں پوری طرح صورتِ حال سے واقف نہیں ہوں۔ بسا اوقات یہ برائی سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ جب آپ کسی بنگالی سے بات کریں گے تو وہ کہے گا کہ "آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن پنجابی تو بڑا ہی مغرور ہے۔" اگر آپ کسی پنجابی یا غیر بنگالی سے بات کریں گے تو وہ کہے گا "یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر یہ لوگ ہمیں دیکھ نہیں سکتے یہ تو ہمیں یہاں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔" میں اِسی لئے کہتا ہوں کہ یہ برائی کا ایک چکر ہے۔ جو چلتا ہی چلا جاتا ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اِس چینی پہیلی کو حل کر سکتا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ سمجھداری اور حکمت عملی سے

کون کام لیتا ہے اور پاکستان کی خدمت کون زیادہ کرتا ہے؟۔۔۔ اِسی لئے میں آپ سے کہتا ہوں کہ صوبائی تعصب کو بالکل چھوڑ دیجئے کیونکہ پاکستان کے رگ وپے میں جب تک یہ زہر رہے گا یقین کیجئے کہ آپ کبھی بھی ایک طاقتور قوم نہیں بن سکیں گے اور وہ کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے جو میں چاہتا ہوں کہ آپ حاصل کریں ۔۔۔ جب تک آپ اِس زہر کو نہ نکال پھینکیں گے۔ اُس وقت تک نہ آپ مضبوط بن سکتے ہیں۔ اور نہ اپنے آپ کو ایک قوم کے سانچے میں ڈھال سکتے ہیں، اگر آپ ایک قوم۔۔۔ ایک عظیم الشان قوم بننا چاہتے ہیں تو لازم ہے کہ صوبائی تعصب کی اِس لعنت کو ترک کر دیں۔

یہ نہ سمجھئے کہ یہ کوئی ایسی صورتِ حال ہے جو آسانی سے سمجھ نہ آئے۔ میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ہمارے دُشمن اِس صورتِ حال سے فائدہ اُٹھانا خوب جانتے ہیں، وہ پاکستان کی مخالفت میں ناکام رہے اور اپنی ناکامی پر کھسیانے ہو کر وہ اِس تاک میں ہیں کہ خود پاکستان کے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالی جائے تاکہ یہ اِس مملکت کو تباہ کر سکیں اِس سلسلہ میں وہ خاص طور پر اِس کوشش میں ہیں کہ صوبائی تعصب کو زیادہ سے زیادہ ہوا دی جائے۔ میں آپ سے پھر ایک مرتبہ یہی بات کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اُن لوگوں کے جال میں نہ آ جائیں جو پاکستان کے دُشمن ہیں۔ بدقسمتی سے آپ کے ہاں غدار بھی ہیں اور مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہی ہیں۔ اِن غداروں کی پرورش باہر کے لوگ اور باہر کے

ادارے کرتے ہیں جن کا مقصد انتشار پیدا کرنا ہے۔ پاکستان کے دُشمنوں میں مختلف عناصر شامل ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران جب پوری قوم آزادی کی جدو جہد میں مصروف تھی۔ بہت سے لوگوں نے جو مسلمان ہی ہیں، اِس جدوجہد سے لاپرواہی برتی، بعض خوفزدہ بھی تھے کیونکہ اُن کی ذاتی غرضیں وابستہ تھیں اور سوچتے تھے کہ اُنہیں نقصان نہ اُٹھانا پڑے۔ بعضوں نے خود کو دُشمنوں کے ہاتھ فروخت کر دیا اور ہماری مخالفت کرتے رہے، اِس کے باوجود ہم اپنا کام کرتے رہے۔ ہم نے کوشش کی اور لڑتے رہے، یہاں تک کہ خُدا کے فضل وکرم اور اُس کی مدد سے ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ آج دُنیا اِس جدوجہد پر، ہماری اِس کامیابی پر حیران ہے۔

آج جب کہ ہم آزاد ہیں اور حالات تبدیل ہو چکے ہیں۔ ہمیں اِس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ آزادی حاصل کرنے کیلئے لڑنے بھڑنے سے کہیں زیادہ دُشوار تعمیری کام ہے۔ آزادی کے لئے جدوجہد کرنا اور جیل جانا کسی حکومت کو چلانے کے مقابلے میں کہیں زیادہ آسان ہے، نکتہ چینی ہمیشہ آسان ہوتی ہے۔ عیب نکالتے رہنا کوئی مشکل کام نہیں، لوگ اِن باتوں کو بھول جاتے ہیں جو اُن کیلئے کی جاتی ہیں۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسا تو ہونا ہی تھا۔ یہ احساس نہیں کر پاتے کہ اُس کی خاطر سختیوں، مشکلات اور خطرات کو جھیلنا پڑا۔

کسی بڑے انتظام حکومت میں ظاہر ہے، غلطیاں تو یوں

ہوں گی ہی۔ آپ یہ توقع نہیں رکھ سکتے، کہ وہ خطا سے بالکل پاک ہوگا۔ ایسا تو دُنیا کے کسی ملک میں بھی ممکن نہیں۔ میں یہ نہیں سمجھتا کہ آپ کے ملک کے انتظام میں کوئی نقص ہی نہیں ہے اور جگہ مکمل ہے ہرگز نہیں۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ اِس میں اصلاح اور ترقی کی گنجائش نہیں ہے نہ میں اِس نکتہ چینی کو بُرا سمجھتا ہوں جو خلوص نیت سے سچے محبان وطن کی جانب سے ہو۔ ایسی نکتہ چینی ہمیشہ قابل قدر ہوتی ہے۔ لیکن جب میں ملک کے بعض گوشوں سے عیب جوئی اور شکایت کے سوا کچھ نہیں سنتا اور حکومت یا حکومت کے اُن افراد کی خدمات کے اعتراف میں جو وفادار ہیں اور دن رات آپ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ کوئی تعریف کا لفظ نہیں سنتا تو قدرتی طور پر مجھے اِس سے تکلیف پہنچتی ہے، اِس لئے پہلے آپ اچھے کاموں کی کچھ تو تعریف کیجئے، جو واقعی کئے گئے ہیں۔ اُس کے بعد شکوہ وشکایت یا اعتراض کیجئے۔ ہمارا طرزِ عمل آزاد لوگوں کا سا ہونا چاہیے اور اِسی جذبے کے تحت اپنے معاملات کی اصلاح اور درستی کرنی چاہیے۔

یاد رکھیئے، کہ کسی حکومت کر برقرار رکھنا یا اُس کے اختیارات چھین لینا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن یہ عمل غیر آئینی طور پر یا ہلڑ بازی سے انجام نہیں دینا چاہیے۔ آپ کو اختیار حاصل ہے مگر اختیارات کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی آپ کو آنا چاہیے کہ پہلے اِس مشین کو سمجھنے کی کوشش کریں جس سے آپ کو کام چلانا ہے۔ آئینی طور پر آپ کو اختیار ہے کہ کسی حکومت سے آپ اگر اِس حد

تک غیر مطمئن ہوں کہ اُسے بدل دینا چاہتے ہوں، تو اُسے بر طرف کردیں اور اس کی جگہ دوسری حکومت لے آئیں۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے اختیار میں ہے۔

میں آپ کو صاف صاف بتادوں کہ جہاں تک آپ کی بنگالی زبان کا تعلق ہے، اِس افواہ میں کوئی صداقت نہیں ہے کہ آپ کی زندگی پر کوئی غلط یا پریشان کن اثر پڑنے والا ہے۔ بالآخر اِس صوبے کے لوگوں ہی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ فیصلہ کریں کہ اِس صوبے کی زبان کیا ہوگی۔ لیکن یہ میں آپ کو واضح طور پر بتادینا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان اُردو ہوگی اور صرف اُردو اور اُردو کے سوا اور کوئی زبان نہیں۔ جو کوئی آپ کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ پاکستان کا دشمن ہے۔ ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں ہوسکتی اور نہ کوئی کام کرسکتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ پس جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے، وہ اُردو ہی ہوگی۔

میں آپ سے پُرزور اپیل کروں گا کہ آپ صبر وتحمل سے کام لیں اور اُن لوگوں کی حمایت کریں جن کے ہاتھوں میں آپ کی حکومت کی باگ ڈور ہے۔ آپ اُن کے ساتھ ہمدردی رکھیں اور اُن کی مشکلات اور دقتوں کو اِس طرح سمجھنے کی کوشش کریں جس طرح اُنہیں آپ کی تکالیف و شکایات اور پریشانیوں کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی وہ تعاون، نیک نیتی اور جذبہ صادق ہے جس کے بل بوتے پر آپ نہ صرف پاکستان کو قائم رکھ سکیں گے بلکہ

اُسے دُنیا کی ایک عظیم مملکت بناسکیں گے۔ 32

یہ قائداعظمؒ کی شخصیت اور اُن کی سحر طراز قیادت کا اعجاز تھا کہ وہ مسئلہ جس پر بنگال کے وزراء اور وہاں کی برسر اقتدار پارٹی اپنے عوام کا سامنا کرنے کی جرأت نہیں رکھتی تھی اور اُن کی بے تدبیری نے اِسے بے حد نازک جذباتی مسئلہ بنا دیا ہوا تھا۔ اُنہوں نے لاکھوں افراد کے سامنے دوٹوک اور واضح الفاظ میں نہ صرف عام رُجحان کے برعکس بات کی بلکہ ایک فیصلہ بھی سُنایا اور اِس کو سامعین نے نہ صرف سُنا بلکہ اُس کی تائید میں اپنے بدلے ہوئے جذبات کا اظہار بھی کیا۔ 33

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے پروگرام میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اَسناد کی صدارت بھی شامل تھی۔ بنگال کے سارے ہنگاموں میں سیاست دانوں کے علاوہ طلباء بھی شریک تھے۔ اُس کا اُنہیں بہت دُکھ تھا۔ وہ سیاست میں طلباء کی شرکت کو غیر تعمیری اور منفی فعل سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے اِس موقع پر طلباء کی فہمائش کرتے ہوئے کہا۔

> میں آپ سے سربراہِ مملکت کی حیثیت سے بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جس کو آپ لوگ ہمیشہ عزیز رہے ہیں، طلبہ کو عام طور پر ایک مغالطہ ہوتا ہے، جس سے میں آپ کو ہوشیار کرنا چاہتا ہوں یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی شخص ایسی بات نہیں بتاسکتا جو ہم پہلے سے نہ جانتے ہوں، یہ ذہنیت بڑی نقصان دہ ہے اور بہت سے فتنہ و فساد کا راستہ کھول سکتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ آپ پاکستان کے وجود میں آنے پر جو انقلابی تبدیلیاں ہوئی ہیں اُنہیں پوری طرح جان لیں۔ ہم نے غلامی کی بیڑیاں اُتار پھینکی ہیں اور اب ہم ایک آزاد قوم ہیں۔ میرے عزیز نوجوانو! ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جس نے تم سے

ہمیشہ محبت اور شفقت کی ہے اور دس سال خلوص اور اعتماد کے ساتھ تمہاری بے لوث خدمت کی ہے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم سب سے بڑی غلطی کے مرتکب ہو گے اگر تم نے اِس کا موقع دے دیا کہ کوئی سیاسی جماعت اپنے مقصد کے لئے تم سے ناجائز فائدہ اُٹھائے۔ میں تم میں سے اُن نوجوانوں کو جو اَب عملی زندگی میں داخل ہونے والے ہیں یہ انتباہ کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو اور وہ نوجوان جو ابھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اُنہیں یہ کہتا ہوں کہ وہ ہرگز کسی سیاسی جماعت یا کسی خود غرض سیاستدان کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ اُن سے مطلب براری کرے اور ناجائز فائدہ اُٹھائے۔

حال ہی میں کچھ دنوں سے جو حملے خاص طور پر آپ کے صوبے میں ہو رہے ہیں اُن میں بڑی عیاری سے کام لیا جا رہا ہے۔ ہمارے دُشمن، جن میں مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، صوبائی تعصب کو اِس اُمید پر ہوا دے رہے ہیں کہ اِس سے پاکستان کمزور ہو جائے گا اور پھر یہ کام آسان ہو جائے گا کہ اس صوبہ کو دوبارہ ہندوستان میں شامل کر لیا جائے۔ جھوٹی افواہوں اور توہمات کا ایک طومار باندھا جا رہا ہے۔ اِس سے ملک کا شیرازہ منتشر ہو جائے اور لوگ قانون شکنی پر آمادہ ہو جائیں۔ بہت سی ایسی نازک چالیں ہیں جن سے صوبائی تعصب کے زہر کو اِس صوبے کے رگ و پے میں داخل کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ بات آپ کے نزدیک عجیب و غریب نہیں ہے کہ ہندوستان کے اخبارات جنہیں

پاکستان کے نام سے نفرت ہے آپ کے بعض مطالبات جنہیں وہ "جائز مطالبات" کہتے ہیں، زور و شور سے حمایت کر رہے ہیں۔ کیا یہ بات بے معنی ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کو دھوکا دیں اور پاکستان کی ہر طرح مخالفت کریں، وہی راتوں رات آپ کے حقوق کے علمبردار بن جائیں اور آپ کو اس بات پر اُکسائیں کہ آپ حکومت سے مقابلہ کریں۔ میں آپ کو اِن غداروں کے عزائم اور اُن کے ارادوں سے باخبر اور ہوشیار رہنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ آپ آپس میں لڑیں گے ناکام رہیں گے، اور مستعد رہیں گے تو کامیاب و کامران ہوں گے۔

آپ لوگ اپنی تعلیم ایسے وقت میں ختم کر رہے ہیں جبکہ آپ کا ملک آزاد ہو چکا ہے اِس لئے ضرورت ہے کہ آپ یہ سمجھیں کہ پاکستان بننے کے بعد ہماری سیاست میں ایک بنیادی تبدیلی ہوئی ہے۔ ہم اب آزاد ہیں۔ یہ حکومت ہماری ہے، جو عوام کی ترقی اور بہتری کے لئے کام کرتی ہے۔ آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ جو چاہیں کریں، خواہ آپ کے عمل سے حکومت اور ملک کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچے۔ آج آپ میں سے ہر ایک پر خاص ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ آج ضرورت ہے کہ ہم متحد اور منظم قوم کی طرح کام کریں تاکہ اپنے ملک کی تعمیر کر سکیں۔ اب ہمیں تنقید کی پرانی طرز بدلنی ہوگی اور ہر مسئلہ پر تعمیری زاویہ نگاہ سے تنقید کرنی ہوگی تاکہ ہماری تنقید سے مملکت کو فائدہ پہنچ سکے، میں کہتا ہوں کہ جیل تو ہر شخص جا سکتا ہے۔ ملک کی آزادی حاصل کرنے کیلئے قربانی بھی ہر

شخص دے سکتا ہے مگر آزادی کی حفاظت کرنا، اُسے برقرار رکھنا اور حکومت کو چلانا بہت بڑا کام ہے، اُس کی اہمیت سے باخبر ہونا چاہیے۔

پاکستان بنتے ہی ہمارے دُشمنوں نے کوشش کی ہے کہ پاکستان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ چنانچہ دہلی اور مشرقی پنجاب کے فسادات آپ کے سامنے ہیں۔ ہزاروں آدمی، عورتیں اور بچے بے دردی اور بے رحمی سے قتل کر دیئے گئے، لاکھ کنبے اور گھرانے اُجاڑ دیئے گئے۔ اُن میں سے پچاس لاکھ افراد چند ہفتوں کے اندر مشرقی پنجاب سے آئے۔ اُن پناہ گزینوں کی دیکھ بھال اور اُنہیں دوبارہ بسانے کا مسئلہ اِتنا مشکل تھا کہ شاید اُسے حل کرنے کے لئے بڑی بڑی حکومتیں گھبرا جاتیں اور ممکن ہے کہ تباہ ہو جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پاکستان نہ صرف یہ کہ محفوظ رہا بلکہ زیادہ مضبوط اور طاقتور ہو گیا۔ ہمارے دُشمنوں کی تمام اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اُس کے بعد اور بہت سی مشکلات ہمارے سامنے آئیں، مثلاً حکومت ہندوستان نے (تقسیم کی تفصیلات کے مطابق) متحدہ ہندوستان کی نقدی میں سے ہمارا حصہ دینے سے انکار کر دیا، فوجی سامان سے ہمارا حصہ نہیں دیا سب سے آخر میں آپ کے صوبہ کی ناکہ بندی کر دی۔

اُمید ہے کہ ہندوستان کا ہر سمجھدار اور عقل مند آدمی اِس قسم کی حرکتوں کے خلاف ہوگا اور یہ بھی اُمید ہے کہ آئندہ اِس قسم کے واقعات ظہور پذیر نہ ہوں گے، لیکن یہ واقعات ہمیں بتاتے ہیں کہ

ہم اُن کا صحیح جائزہ لیں اور حالات سے باخبر رہیں۔ ہماری حکومت کے خلاف جو آخری حملہ کیا گیا ہے اُس میں بہت سے مسلمان بھی شریک ہیں۔ اِس دفعہ آپ کے صوبہ میں صوبائی تعصب پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ صوبہ میں صوبائی تعصب پھیلا کر آپ کے صوبے کو ہندوستان یونین میں شامل کر لیا جائے، لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ بہر حال وہ کوشش تو کر رہے ہیں۔ ہندوستان کے اخبارات متواتر اس قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ جس سے لوگوں کے جذبات بھڑکیں، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے خلاف بھڑکے اور صوبے میں بدامنی پھیل جائے۔

زبان کا مسئلہ بھی اُسی زنجیر کی ایک کڑی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں نے بھی اِس جھگڑے میں حصہ لیا ہے، حالانکہ آپ کے وزیر اعلیٰ نے اِس کی پوری وضاحت کر دی تھی۔ کیا آپ خود یہ محسوس نہیں کرتے کہ ہندوستان کے اخبارات جو آپ کے ملک کے نام پر لعنت بھیجتے ہیں اور وہ مسلمان جو کل تک پاکستان کے خلاف تھے آپ کے نئے مطالبات کو ہوا دینے میں پیش پیش ہیں۔ میں آپ کو تنبیہہ کرتا ہوں کہ آپ اِن غداروں سے ہوشیار رہیں۔ میں ایک بار پھر اِس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرکاری زبان کیا ہو۔ جہاں تک آپ کے صوبہ کی سرکاری زبان بنانے کا تعلق ہے۔ اِس صوبے کے تمام باشندوں کو اِس کا حق ہے کہ وہ جونسی زبان چاہیں اختیار کریں۔

کیونکہ اِس مسئلہ کو صرف اُنہی کی رضامندی سے طے کیا جاسکتا ہے جس کا اظہار وہ اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعے غیر جانبداری سے مناسب وقت پر کر سکتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ پورے ملک کی صرف ایک ہی زبان ہوسکتی ہے اور یہ زبان ایسی ہونی چاہیے جس میں ملک کے تمام صوبے ایک دوسرے سے خط و کتابت کرسکیں۔ چنانچہ ایسی زبان سوائے اُردو کے اور کوئی نہیں ہو سکتی اِس لئے حکومت کی زبان اُردو ہونی چاہیے۔

اُردو ایسی زبان ہے جسے برِاعظم کے دس کروڑ مسلمانوں نے پروان چڑھایا ہے اور جسے پاکستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بولا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں یہی وہ زبان ہے جو اسلامی تہذیب اور اسلامی روایات کی حامل ہے اور جو دوسری اسلامی حکومتوں کی زبان کے بہت قریب ہے۔

آپ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اُردو زبان کو ہندوستان سے نکال باہر کر دیا گیا اور اُردو رسم الخط کی بھی ممانعت کر دی گئی ہے۔ یہ بات اُن لوگوں کو بھی معلوم ہے جنہوں نے زبان کا جھگڑا کھڑا کر دیا ہے۔ اِس کا مقصد اِس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ بنگالیوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں۔

میں نے آپ سے اِس معاملہ میں ذرا تفصیل سے اِس لئے گفتگو کی ہے کہ آپ کو پاکستان کے دشمنوں اور کیمونسٹ لیڈروں کی شاطرانہ چالوں سے آگاہ کر دوں جو پاکستان میں تفرقہ بازی کی ہوا پھیلانا چاہتے ہیں۔ آپ میں سے جو حضرات عملی زندگی

میں قدم رکھنے والے ہیں، اُنہیں چاہیے کہ وہ اِس قسم کے لوگوں سے ہوشیار رہیں۔ جو سلسلہ تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہیں اُنہیں چاہیے کہ وہ خودغرض سیاسی لیڈروں اور مفسدانہ سیاسی جماعتوں سے بچتے رہیں۔ میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ آپ کی بھلائی، آپ کے والدین کی بھلائی، آپ کی ریاست پاکستان کی بھلائی اِسی میں ہے کہ آپ محنت سے مطالعہ میں مصروف رہیں، صرف اِس طرح پاکستان کے اقتصادی، سماجی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ میں عملی زندگی میں آپ کی رہبری کے لئے چند نکات پیش کر رہا ہوں۔

خودغرض اور بے غرض لوگوں کو پہچانیے اور غداروں اور مفسدوں کے آلہ کار بننے سے بچیے۔ مسلم لیگ پارٹی کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے ہماری جدو جہد پاکستان میں ہماری راہ میں ہر قدم پر روڑے اٹکائے تھے اب پاکستان کے حامی بن کر پاکستان میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اِس وقت ہمارے سامنے بے اندازہ مسائل ہیں، جن کا کامیاب حل کروڑوں انسانوں کی زندگی کو متاثر کرے گا۔ لہٰذا وقت کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہے کہ پاکستانیوں میں مکمل اتفاق و اتحاد ہو۔ اتحاد ہماری کامیابی کا ضامن ہے اور نفاق ہماری جڑیں کھوکھلی کر دے گا۔ جو چیز اب ہمیں اپنے میں پیدا کرنی چاہیے۔ وہ تعمیری جذبہ ہے۔ وہ جھگڑالو طبیعت نہیں جو اُن دنوں کیلئے مفید تھی جب ہم آزادی کیلئے جنگ لڑ رہے تھے۔

پُرانے طرزِ تعلیم اور طرزِ حکومت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اچھے اور تربیت یافتہ کلرک پیدا کیے جائیں۔ اِس میں شک نہیں کہ بعض کلرک ذرا اونچے اُٹھ گئے اور ایک بلند مقام پر فائز ہو گئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ مقصد اچھے کلرک حاصل کرنا ہی تھا۔ سول سروس میں زیادہ تر خود انگریز رہتے تھے۔ ہندوستانیوں کو سول سروس میں داخل کرنے پر بہت بعد میں عمل کیا گیا۔ بہر حال پورا اُصول اور خیال یہ تھا کہ ایک خاص قسم کی ذہنیت، ایک نفسیات ایک مخصوص ذہنی کیفیت پیدا کی جائے اور یہ کہ ایک عام آدمی جب بی۔اے یا ایم اے پاس کر لے تو بس سرکاری ملازمت ڈھونڈتا پھرے۔ اگر ملازمت مل گئی تو سمجھ لیا کہ منزل پالی اُس سے زیادہ بلندی کا تصور بھی محال تھا۔ میں جانتا ہوں اور آپ سب بھی جانتے ہیں کہ اِس کا نتیجہ کیا نکلا، عام مشاہدہ ہے کہ ایک ایم۔اے پاس نوجوان کی آمدنی ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بھی کم ہوتی ہے اور سرکاری ملازمین سے بیشتر ایسی پست زندگی بسر کر رہے ہیں کہ اُن سے کئی درجے اچھی حالت اُن لوگوں کی ہوتی ہے جو پرائیویٹ اداروں میں ادنیٰ کام کرتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی اُس پُرانے دھڑے سے باہر نکلیں، اُس ذہنیت کو دور کریں، اب آپ آزاد ہیں، آزاد پاکستان میں ہیں۔ حکومت ہزارہا لوگوں کو ملازمتیں فراہم نہیں کر سکتی۔ یہ بات سرے سے ممکن ہی نہیں۔ سرکاری ملازمت حاصل کرنے کی تگ و دَو میں ایک طرح کی مقابلہ بازی شروع ہو جاتی ہے، جس

سے احساسِ کمتری میں مبتلا ہونا ناگزیر ہے۔ حکومت میں صرف چند لوگوں کی کھپت ہو سکتی ہے اور جن باقی افراد کو کوئی سرکاری ملازمت نہیں ملتی وہ ہمیشہ اپنی مایوسی اور ناکامی کی وجہ سے ایسے لوگوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں جو حکومت کے خلاف نعرہ بازی کر کے اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

میں چاہتا ہوں کہ اب آپ کی توجہ، آپ کا ذہن، آپ کے مقاصد اور آپ کی تمناؤں کا رُخ دوسرے راستوں، دوسری منزلوں اور دوسرے میدانوں کی طرف ہو، جو آپ کیلئے کھلے پڑے ہیں۔ اور روز بروز کھلتے جائیں گے۔ دستی کام اور محنت کرنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارے ہاں ٹیکنیکل تعلیم کی زبردست گنجائش ہے۔ کیونکہ ہمیں کاریگروں اور ہنر وروں کی اَشد ضرورت ہے۔ آپ معاشیات، بنکاری، تجارت، رموزِ کاروبار اور قانون وغیرہ کی تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، جن سے ترقی کے کئی امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ نئی صنعتیں قائم ہو رہی ہیں، کارخانے لگ رہے ہیں۔ نئے بنک، نئی بیمہ کمپنیاں اور نئے تجارتی ادارے کھل رہے ہیں۔ یہ آپ کیلئے کھلے ہوئے نئے میدان اور ترقی کرنے کے کشادہ مواقع ہیں یہی وہ راستے ہیں جو آپ کو نئی منزلوں سے ہمکنار کرنے والے ہیں اُن کے متعلق غور کیجئے۔ توجہ دیجئے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ سرکاری ملازمت کی بہ نسبت اُن میں زیادہ فائدہ میں رہیں گے۔ سرکاری ملازمت میں کیا رکھا ہے۔ صبح سے شام تک کلرکانہ ذہنیت میں گھرے رہنا اور انتہائی تکلیف دہ

اور سوہانِ روح حالات میں زندگی بسر کرنا۔ اگر آپ تجارت، کاروبار اور صنعت و حرفت کی راہ پر چلیں گے تو آپ بہت زیادہ خوش رہیں گے۔ اِس سے صرف آپ ہی کو نہیں بلکہ پاکستان کو بھی فائدہ پہنچے گا۔

اِس اہم اور نازک وقت میں جب کہ ہم بیرونی خطرات سے دوچار ہیں، اندرونی طور ہمیں ایسے پیچیدہ مسائل سے نمٹنا ہے جن کے اثرات بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں اور ہمارے مستقبل کو متاثر کرنے والے ہیں، آپ اتحاد اور یک جہتی پیدا کر کے بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اِن حالات میں یہ بھی ممکن ہے کہ بعض لوگ اپنے ذاتی اور خود غرضانہ مقاصد کے لئے ایسی کارروائیاں کریں جو پھوٹ اور تفرقہ کا باعث ہوں۔ اپنے ہی لوگوں میں ایسے افراد اور دغاباز ہیں اِن سے ہوشیار رہیے اور اُن سے بھی جو آپ کے ذریعے اپنا مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مشرقی پاکستان کے طلبہ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔ 34

قائداعظم محمد علی جناحؒ کا نو روزہ دورہ بنگال انتہائی مصروف تھا۔ وہ مختلف وفود سے ملے۔ صوبے کے حالات سے واقف ہوئے اور اُنہوں نے انتہائی تدبّر سے زبان کے فتنے کو دبا دیا۔ 31 مارچ 1948ء کو اُن کا ایک خصوصی خطاب ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے نشر ہوا۔ اُس کی ریکارڈنگ اُنہوں نے واپسی کے وقت 30 مارچ کو ڈھاکہ میں کروائی۔ اُس میں اُنہوں نے اپنے دورہ کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا اور اُنہیں مشرقی بنگال کے نئے حالات میں نئی مملکت کے ساتھ تعاون اور دشمن کے حربوں سے محتاط رہنے کا مشورہ دیا۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں کہا۔

میں نو دن آپ لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ اِس دوران مجھے مشرقی بنگال اور آپ کے مسائل پر سوچنے اور غور کرنے کا موقع ملا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے رُخصت ہونے سے قبل اپنے تاثرات آپ تک پہنچاتا جاؤں۔

آپ نے جس جوش و خروش سے میرا خیر مقدم کیا ہے میں سب سے پہلے اِس کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تقسیم ہند کے بعد انتظامی اُمور کے لحاظ سے مشرقی بنگال کو پاکستان کے دوسرے صوبوں کے مقابلے میں بہت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا، 15 اگست سے پہلے مشرقی بنگال، بندرگاہ کلکتہ کے عقب میں ایک معمولی سا خطہ تھا جو کہ ایک جدید حکومت کے پایہ تخت کی تمام سہولتوں اور عیش و آرام سے محروم تھا۔ صوبہ کی تقسیم کے باعث یہاں کے ذرائع آمد و رفت پر انتہائی بے چارگی کا عالم طاری تھا اور عین اُس وقت جب کہ ہمارا ملک غذائی قلت کے خطرے سے دوچار تھا، اِس نئے صوبہ کی انتظامی مشینری میں تشویش ناک انتشار نظر آ رہا تھا۔ غرضیکہ مشرقی بنگال کے نئے دور کا آغاز ایسے ناقابل برداشت حالات میں ہوا کہ اگر ہمارے لوگ کم صبر آزما ہوتے یا اُن میں قوت ارادی کی کمی ہوتی تو اب تک مشرقی بنگال حادثات کا شکار ہو چکا تھا، چٹاگانگ کے حادثہ کے بعد حکومت کی انتظامی مشینری کا بچ نکلنا بلکہ زیادہ مضبوط ہو جانا آپ لوگوں کے بے مثال کردار اور آپ کی صوبائی حکومت کی بے پناہ سرگرمی اور انہماک کا لازوال ثبوت ہے۔ اِس وقت کیفیت یہ ہے کہ ابتدائی مشکلات پر

بڑی حد تک قابو پایا جا چکا ہے اور اگر چہ ابھی تک آسودہ خاطر ہو کے بیٹھ جانے کا مرحلہ نہیں آیا۔۔۔ پھر بھی ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہمارا مستقبل بہت شاندار ہے۔

میں بعض طبقے میں ایک افسوس ناک رُجحان پاتا ہوں وہ غلامی سے نجات پانے کو، جو اُنہیں حال ہی میں حاصل ہوئی ہے، دراصل آزادی خیال نہیں کرتے جس میں ترقی کے بڑے مواقع ہیں اور اُن پر بھاری ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے بلکہ وہ اِسے ایک کھلی ہوئی چھوٹ سمجھتے ہیں جس میں اُن پر کوئی قید یا پابندی نہیں رہی۔ یہ بات صحیح ہے کہ غیر ملکی اقتدار ختم ہو جانے کے بعد لوگ اب اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کا خود ہی اختیار رکھتے ہیں۔ اُنہیں پوری آزادی حاصل ہے کہ وہ آئینی طور پر جس قسم کی حکومت اپنے لئے پسند کریں اپنائیں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ غیر آئینی طور پر کسی گروہ یا طبقہ حکومتِ وقت پر جس کی تشکیل عوام کی رضامندی سے ہوئی ہے اپنی مرضی یا منشا مسلط کر دے۔ حکومت یا اس کی پالیسی منتخب نمائندوں کی رائے سے بدلی جا سکتی ہے۔ لیکن کوئی حکومت بھی غیر ذمہ دار اور ناعاقبت اندیش لوگوں کی ہلڑ بازی اور غنڈہ گردی کو ایک لمحہ کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ ان رجحانات کو پوری قوت سے کچل دینا پڑتا ہے۔

میں آپ سے صاف صاف پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ہندوستانی اخبارات اور دوسرے سیاسی ادارے جو پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے تھے۔ آج

مشرقی بنگال کے مسلمانوں کے مطالبات کے جنہیں وہ جائز مطالبات کہتے ہیں۔ بڑے طرفدار بن گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب یہ مسلمانوں کو پاکستان حاصل کرنے سے نہ روک سکے تو اب اپنے پروپیگنڈے سے اندر ہی اندر پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کر دینا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک مسلمان بھائی دوسرے مسلمان بھائی کے خلاف اُٹھ کھڑا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔

اگر آپ اپنے آپ کو پہلے بنگالی، سندھی یا پنجابی سمجھیں گے اور بعد کو مسلمان اور پاکستانی تو یقیناً آپ کا پاکستان قائم نہیں رہ سکے گا جو حال ہی میں بنا ہے اور اندرونی و بیرونی مشکلات سے دو چار ہے۔ اس نازک وقت میں ملکی مفاد کو صوبائی، مقامی یا کسی ذاتی اغراض کے لیے بھول جانا خودکشی کرنے کے برابر ہو گا۔

اس صوبے کے قدرتی وسائل کو ابھی تک استعمال میں نہیں لایا گیا۔ یہاں خام پیداوار اور بجلی کی طاقت کے وسیع خزانے موجود ہیں۔ چٹاگانگ میں اوّل درجے کی بندرگاہ بننے کی تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور وہ وقت آنے والا ہے کہ چٹاگانگ دُنیا کی بہترین بندرگاہوں میں شمار ہو گا اور اگر ہمیں امن کی فضا میسر آ گئی اور یہاں کے لوگوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا تو وہ دن دُور نہیں جب مشرقی بنگال پورے پاکستان کا سب سے خوشحال صوبہ ہو گا۔

میں آپ کو مبارکباد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تقسیم کے فوری بعد جب کئی مہینوں تک مملکت ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام جاری رہا تھا تو اس صوبے میں امن کی فضا پوری طرح قائم رہی، میں نے

یہاں اقلیتوں کے لوگوں کو نہایت امن کے ساتھ اپنا روزمرہ کا کام کاج کرتے دیکھا ہے۔ بدقسمتی سے کچھ یہاں سے ہندوستان ضرور چلے گئے ہیں۔ لیکن اُن کی تعداد کو ہندوستان کے اخباروں نے مضحکہ خیز حد تک بڑھا چڑھا کے بیان کیا ہے۔

بہر حال مجھے اطمینان ہے کہ ترک وطن کا یہ سبب نفسیاتی بھی ہے اور بیرونی دباؤ کا اثر بھی۔ ہندوستانی لیڈر اور ہندو پریس کا ایک حصہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان لڑائی کی خبروں کو ہوا دیتا رہا۔ ہندو مہاسبھا جیسی جماعتیں مستقل مکروفریب سے آبادی کے تبادلہ پر زور دیتی رہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل و غارت نے قدرتی طور پر یہاں کی اقلیت کے دل میں یہ خوف پیدا کر دیا کہ ان واقعات کا ناخوشگوار اثر ہم پر نہ پڑے۔ اگرچہ مشرقی بنگال کے مسلمانوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس قسم کا خوف و ہراس بالکل بے بنیاد تھا اِن سب سے بڑھ کر یہ کہ حکومت ہندوستان نے پاکستان کو ایک غیر ملک قرار دیتے ہوئے یہاں کے ہندو تاجروں کو زبردست اقتصادی دشواریوں سے دوچار کر دیا۔ اس اقدام نے بہت سے ہندو تاجروں کو نقل مکانی پر مجبور کر دیا۔

میں دیکھتا ہوں کہ صوبائی حکومت نے اقلیتوں کے تحفظ اور بہتری کے لئے ہر ممکن کارروائی کی ہے اور ان کو اپنے آبائی وطن میں رکھنے اور ایک غیر یقینی مستقبل سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا صوبہ روشن مستقبل کی طرف بڑھتا جائے گا اور وہ مسلمانوں کی تاریخ میں ایک مثبت اور مثالی کردار ادا کرنے کا موجب بنے گا۔ اور آپ آزادی کی ان تمام نعمتوں سے

متمتع ہوں گے جو غیر ملکی اقتدار کے خاتمے کا لازمی نتیجہ ہیں۔[35]

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے دورہ مشرقی بنگال کے فوری نتائج برآمد ہوئے۔ وہاں کی سیاسی بے چینی اور خلفشار کا خاتمہ ہوا اور انتظامی معاملات بہت بہتر ہوئے۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کے باہمی اختلافات اور چھوٹے چھوٹے جھگڑوں نے جو نااتفاقی کی فضا پیدا کی ہوئی تھی اُن کا خاتمہ ہوا۔ محمد علی بوگرہ اور تفضل علی، خواجہ ناظم الدین کی وزارت کے خلاف بہت سرگرم تھے۔ ان دونوں احباب کو بیرونِ ملک سفارتی ذمہ داریوں سے نواز دیا گیا۔[36] ان دونوں احباب کے منظر سے غائب ہوتے ہی سیاسی محاذ آرائیوں، اُردو زبان کی مخالفت اور متحدہ قومیت کے نعروں کا خاتمہ ہو گیا۔

☆☆☆

باب نمبر 3

قائداعظمؒ کا دورہ صوبہ سرحد

صوبہ سرحد کی سیاست میں خان برادران ڈاکٹر عبدالجبار المعروف ڈاکٹر خان صاحب (م۔1958ء)، خان عبدالغفار خان (م۔1988ء) کا بہت مقام اور احترام تھا۔ خان عبدالغفار کی قائم کردہ جماعت خدائی خدمت گار (1929ء) اس صوبے کی پہلی معاشرتی و سیاسی تنظیم تھی۔ اس کے کارکن سرخ قمیص پہنا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے وہ سرخ پوش کہلاتے تھے۔ [1] خان عبدالغفار خان جنہیں لوگ باچا خان (لفظ بادشاہ کا بگاڑ ہے) بھی کہتے تھے۔ گاندھی جی سے بہت متاثر تھے۔ اُن کی جماعت کی معاشرتی خدمات کا پروگرام گاندھی جی کے "سماج سدھار" سے بہت ملتا تھا۔ گاندھی جی کے اندازِ سیاست سے متاثر ہونے کی وجہ سے وہ سرحدی گاندھی کے نام سے معروف تھے۔ سیاست میں انہیں کانگرس کی "آشیر باد" حاصل رہی۔ 1946ء کے انتخابات کے نتیجے میں اُن کی جماعت نے کانگرس کے ساتھ مل کر ڈاکٹر خان صاحب کی قیادت میں وزارت تشکیل دی تھی۔ [2]

خان عبدالغفار خان اور اُن کے حواریوں کا سیاسی فلسفہ بڑا عجیب وغریب تھا اور ناقابل فہم تھا۔ ایک طرف یہ لوگ اتنے وسیع النظر اور فراخ دل تھے کہ اپنا سب کچھ کانگرس کی جھولی میں ڈال کر متحدہ ہندوستان کی قومیت میں جذب ہونا باعث فخر سمجھتے تھے۔ لیکن دوسری طرف اُن کے دل اس قدر تنگ اور ظرف اس قدر چھوٹے تھے کہ مسلمان صوبوں سے اشتراک یا پاکستان کے نام پر علیحدہ مملکت میں باوقار مقام حاصل کرنا اپنی توہین سمجھتے تھے۔ ایک جانب گاندھی اور ہندو کانگرسیوں کے آگے خان برادران کی انا عجز و نیاز کی مجسم تصویر بن جاتی تھی۔ لیکن دوسری طرف یہی انا قائداعظمؒ یا کسی مسلم لیگی لیڈر سے آبرومندانہ بات چیت میں ہمیشہ حائل رہتی تھی۔ [3]

3 جون 1945ء کے منصوبے کا سب سے زیادہ اعتراض خان عبدالغفار خان کو تھا۔ اُن کو کانگرس سے بھی گلہ تھا جس نے اُن سے مشورہ کئے بغیر اس سکیم کو منظور کر لیا تھا۔ اور وہ کانگرس کے اس روّیے کو بے وفائی اور غداری پر محمول کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ کانگرس کے اس اقدام سے خدائی خدمت گار بھیڑیوں کے آگے ڈال دیئے گئے تھے۔

> **The frontier would regard it as an act of treachery if the congress now threw the Khudai Khidmatgars to the wolves.** [4]

لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے منصوبے کی بنیاد اس اُصول پر تھی کہ مسلم اکثریت کے صوبے الگ کر دیئے جائیں اور وہ اپنی حکومت بنالیں۔ سرحد میں مسلمانوں کی غیر معمولی اکثریت تھی۔ لہٰذا اُسے پاکستان میں شامل ہونا تھا۔ جغرافیائی طور پر بھی یہ مجوزہ پاکستانی رقبے کے اندر تھا۔ وہ ہندوستان سے کسی طرح بھی رابطہ نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے باوجود صوبہ سرحد کے لئے استصواب رائے (ریفرنڈم) کی شرط رکھ دی گئی۔ [5]

صوبے کی کانگرسی وزارت کو اس پر شدید اعتراض تھا۔ ان کا استدلال یہ تھا کہ

"اگر استصواب رائے کے ذریعے قوم کی رائے معلوم کرنا ہے تو وہ ظاہر ہو چکی ہے کیونکہ ایک سال پہلے انتخابات میں صرف یہ نہیں کہ خدائی خدمت گاروں نے صوبے کے کل رہنے والوں کی سطح پر بلکہ مسلمان گنتی میں مسلم لیگ کی شکست دے دی تھی۔ تو ایک سال بعد پھر کونسی چیز کرنی ہے۔ جس کے لیے ریفرنڈم کا اعلان ہو گیا ہے۔ [6]

کانگرس تقسیم ہند کو تسلیم کر چکی تھی۔ خدائی خدمت گاروں کے لئے استصواب رائے کو قبول کرنے سے انکار مشکل تھا۔ انکار کا مطلب یہ ہوتا کہ سرحد کے عوام اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ استصواب اِس بات پر نہیں ہونا چاہیے کہ "سرحد" پاکستان سے وابستہ رہے گا یا ہندوستان سے؟ ایک تیسری متبادل چیز ہونی چاہیے کہ وہ دونوں سے الگ رہ کر آزاد رہنا چاہے تو پختونستان قائم کر لے۔ اس پر مولانا ابوالکلام آزاد (م۔1958ء) لکھتے ہیں۔

"واقعہ یہ تھا کہ خان بھائی صوبہ سرحد میں اتنے طاقتور نہ تھے جتنا کانگرس ان کو سمجھتی تھی۔ تقسیم کا ایجی ٹیشن شروع ہونے کے بعد ان کا اثر کم ہو گیا تھا۔ اب پاکستان سامنے نظر آنے لگا تھا اور مسلم اکثریت کے صوبوں سے یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ان کو خود مختار حکومت قائم کرنے کا موقع ملے گا، صوبہ سرحد میں ایک جذباتی انقلاب برپا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر خان صاحب نے دیکھا کہ صوبہ سرحد میں ان کی لیڈری قائم رہنے کی صرف یہ ایک صورت ہے کہ وہ پختونستان کا مطالبہ پیش کریں۔ بہت سے پٹھان یہ پسند کریں گے کہ اُن کی ایک اپنی چھوٹی سی ریاست قائم ہو جائے۔ کیونکہ اُن کو یہ خوف تھا کہ پنجاب اُن پر غلبہ حاصل کرے گا۔

جب اُنہوں نے دیکھا کہ کانگرس تقسیم کے لیے پابند ہو چکی ہے تو اُن کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا۔ وہ استصواب سے انکار نہیں سکتے تھے۔ یہ اُن کی طرف سے کمزوری کا اعتراف ہوتا۔ وہ صوبہ سرحد واپس گئے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد اُنہوں نے صوبہ سرحد کیلئے خود مختاری کا نعرہ بلند کر دیا۔ آل انڈیا کانگرس کی ورکنگ کمیٹی نے صوبہ سرحد کی ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کی توثیق کی اور خان عبدالغفار خان کو اختیار دیا کہ وہ صوبے کی صورت حال کا جس طرح چاہیں، تصفیہ کریں۔

مگر نہ مسٹر جناح یہ دعویٰ قبول کرنے کیلئے تیار تھے اور نہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے یہ واضح کر دیا کہ صوبہ سرحد کو جداگانہ خود مختار حکومت نہیں بنایا جا سکتا، اس کو لازماً ہندوستان یا پاکستان

میں شریک ہو جانا چاہیے۔ اس پر خان بھائیوں نے اعلان کیا کہ وہ استصواب کا بائیکاٹ کریں۔ لیکن اُن کی مخالفت سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ استصواب ہوا اور لوگوں کی بڑی اکثریت نے پاکستان کی تائید میں رائے دی۔ [7]"

کانگرس ہر اُس تجویز کی حامی تھی جو پاکستان کے قیام میں مشکلات پیدا کرتی ہو لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن اس قسم کی کوئی تجویز ماننے کو تیار نہ تھا۔ اِس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے خان عبدالغفار خان کے پاس کوئی اور چارہ نہ تھا کہ وہ استصواب کے بائیکاٹ کا اعلان کرتے۔

خان عبدالغفار خان کے بائیکاٹ کے باوجود صوبے کی غالب اکثریت نے استصواب میں پاکستان کے حق میں فیصلہ دیا۔ جمہوریت کا تقاضا تھا کہ ڈاکٹر خان صاحب اکثریت کی رائے کے احترام میں مستعفی ہو جاتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ پاکستان بن جانے کے بعد اُن کا حق تھا کہ وہ مسلم اکثریت کے صوبے کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے پاکستان کے آئین و قانون کی پاسداری کرتے۔ لیکن اُنہوں نے 14 اگست کو گورنر ہاؤس پشاور میں نئی مملکت کی پرچم کشائی کی تقریب میں شرکت نہ کر کے وفاق کو ایک ناخوشگوار تاثر بھجوا دیا۔ [8]

پاکستان اپنے ابتداء ہی سے مرکز صوبہ کشمکش کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ پہلے ہی ہفتے قائد اعظم محمد علی جناحؒ نے گورنر جنرل کے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کو برطرف کر دیا۔ [9]

نئے وزیر اعلیٰ کے طور پر خان عبدالقیوم خان (م 1981ء) نے حلف اٹھایا۔ اگرچہ مسلم لیگ سرحد اسمبلی میں اکثریت نہ رکھتی تھی لیکن خان عبدالقیوم خان کو جلد ہی سات کانگرسی ممبروں کا تعاون حاصل ہو گیا۔ جس سے وہ اپنی وزارت برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔ [10]

خان عبدالغفار خان، ڈاکٹر خان صاحب، خان عبدالقیوم خان کے بہت ہی مضبوط حریف تھے۔ وہ تقسیم کے بعد پختونستان کے معاملے کو بہت اُچھال رہے تھے۔ خان عبدالقیوم

خان کی حکومت کو سیاسی استحکام کی اشد ضرورت تھی۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ سے صوبے کی صورت حال پوشیدہ نہ تھی۔ اُنہوں نے بہتر یہی سمجھا کہ وہ یہاں کا دورہ کر کے خان عبدالقیوم خان کی وزارت کو تقویت دیں۔ وہ خان عبدالغفار خان اور اُن کی جماعت کے عزائم کا بھی جائزہ لینا چاہتے تھے۔ اگر چہ وہ ایک عرصہ سے بیمار تھے۔ ڈاکٹر انہیں آرام کا مشورہ دیتے تھے۔ پندرہ روز قبل وہ مشرقی بنگال کا بہت ہی مصروف دورہ کر کے آئے تھے۔ اُس کی تھکان ابھی باقی تھی، لیکن آرام اور خرابی صحت کی بنا پر کسی مسئلے کو پس پشت ڈالنا اُن کا شیوہ نہ تھا۔ صوبہ سرحد کے معاملات کو نظرانداز کرنا بڑا قومی نقصان تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ بھلا یہ نقصان کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ چنانچہ تھکاوٹ اور بیماری کے باوجود وہ صوبہ سرحد کے دورے کیلئے گیارہ اپریل (1948ء) کی سہ پہر اپنے جہاز وائی کنگ سے پشاور پہنچ گئے۔ صوبہ سرحد کی عوام کی ایک بہت بڑی تعداد اپنے قائد کا فقید المثال استقبال کرنے کے لیے پشاور ائیر پورٹ پر موجود تھی۔ وہ اپنے محبوب قائد اور بانی پاکستان کی ایک جھلک دیکھنا چاہتے تھے۔ [11]

ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے نمائندے نے اُس دن جو رپورٹ پشاور سے اخبارات کے لیے روانہ کی اس سے قائداعظمؒ کے دورے پر صوبہ سرحد میں گرم جوشی کا اندازہ ہوتا ہے۔

"اِن دنوں صوبہ سرحد میں بہار کا دور دورہ ہے اور ذرے ذرے سے رنگ و مستی چھلک رہی ہے کہ قائداعظمؒ کے دورے سے غیور پٹھانوں کا روایتی جوش و خروش دو چند ہو گیا ہے۔۔۔۔ کل پشاور کی رات دیکھنے والی تھی۔ جدھر دیکھو سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ وادی خیبر سے آنے والی شمیم عنبریں چل رہی تھی۔ عمارتوں پر رنگا رنگ روشنیاں جھلمل کر رہی تھیں۔ ہر شخص خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ چاروں طرف خوشی و مستی کی گلال چھٹ رہی تھی۔ پشاور میونسپلٹی کی طرف سے شہر کے دس ہزار سے زیادہ غریبوں کو پرتکلف کھانا کھلایا

گیا۔ رات گئے تک مساجد میں تلاوت کلام پاک کی گئی اور قائداعظمؒ کی درازی عمر اور کشمیر کی آزادی کے لیے دعائیں مانگی گئیں۔ قائداعظمؒ کی تشریف آوری سے صرف پشاور ہی کی معاشرتی اور سیاسی گہما گہمی میں اضافہ نہیں ہوا جہاں صوبے بھر سے ممتاز افراد، ریاستی حکمران اور قبائلی سردار کھنچے چلے آئے ہیں۔ بلکہ قبائلی علاقے میں بھی قائداعظمؒ کے شاہانہ استقبال کے لیے سرگرمی سے تیاریاں جاری ہیں۔" [12]

ائیر پورٹ پر قائداعظمؒ کا استقبال پر جوش نعروں سے کیا گیا۔ صوبے کا گورنر سر امبروز ڈانڈوس (Sir Ambrose Dundos) وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان، وزارت خارجہ کے جائنٹ سیکرٹری کرنل اے۔ ایس۔ بی شاہ، پشاور ایریا کے جنرل آفیسر کمانڈنگ میجر جنرل نذیر احمد، پشاور ائیر سٹیشن کے کمانڈر ائیر کموڈور جنجوعہ نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ رائل پاکستان ائیر فورس کے ایک دستے نے انہیں گارڈ آف آنر پیش کیا۔ پنجاب رجمنٹ کے ایک دستے نے انہیں شاہانہ سلامی پیش کی۔ ہوائی اڈے پر سرحدی ریاستوں کے حکمران، ممتاز سیاسی لیڈر، بڑے بڑے فوجی آفیسرز، مجلس قانون ساز کے ممبر اور صوبائی کابینہ کے ارکان بھی استقبال کیلئے صف باندھے کھڑے تھے۔ وہ وزیر اعلیٰ اور گورنر کے ہمراہ ان صفوں تک آئے اور حاضرین میں ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ [13]

استقبالیہ رسومات سے فارغ ہو کر وہ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے ہمراہ گورنمنٹ ہاؤس روانہ ہوئے۔ پشاور دلہن کی طرح سجا ہوا تھا۔ سکول کے بچے چھوٹے چھوٹے جھنڈے لیے ائیر پورٹ سے گورنمنٹ ہاؤس تک دو رویہ کھڑے تھے اور قائداعظمؒ زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے۔ صوبہ سرحد کی غیور عوام نے حقیقتاً اپنے قائد کی راہ میں دیدہ و دل فرش راہ کیا ہوا تھا۔ [14]

12 اپریل کو قائداعظمؒ نے گورنمنٹ ہاؤس میں صوبائی مسلم لیگ کے ارکان سے

ملاقات کی۔ [15] پچھلے پہر وہ اسلامیہ کالج پشاور تشریف لے گئے۔ [16] طالب علم ہمیشہ ہی اُنہیں محبوب رہے تھے۔ اُن کا برتاؤ نوجوانوں سے ہمیشہ پرشفقت ہوا کرتا تھا۔ آپ اُن کے خیالات، احساسات کی ہمیشہ قدر کرتے تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ طلباء میں احساسِ ذمہ داری، فرض شناسی، علم سے رغبت اور وطن پرستی کے اوصاف پیدا ہوں۔ اسلامیہ کالج پشاور میں اُن کے خطاب میں نہ صرف اُن کا شفیق لہجہ نظر آتا ہے بلکہ وہ طلبہ کو بھی اہم معاملات میں شریک کرتے نظر آتے ہیں۔

آپ نے اِس موقع پر فرمایا۔

پاکستان حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران ہم غیر ملکی حکومت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ تاکہ ہم اپنی مرضی کی حکومت قائم کر سکیں۔ ایسا کرتے وقت ہم نے بہت سی قربانیاں دیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کی تعلیمی زندگی بھی متاثر ہوئی۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ آپ نے اپنا کردار شاندار طریقے سے انجام دیا۔ اب جبکہ آپ اپنا نصب العین حاصل کر چکے ہیں۔ آپ کی اپنی حکومت ہے۔ آپ کا اپنا ملک ہے۔ جس میں آپ آزاد لوگوں کی حیثیت سے رہتے ہیں تو سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کیلئے آپ کا نکتہ نگاہ اور آپ کی ذمہ داری بدل جانی چاہیے۔ آپ کے فرائض یہ ہونے چاہئیں۔

نظم و ضبط کا گہرا احساس، اعلیٰ کردار، حقیقی اور عمل پر آمادہ کرنے والی تعلیم، آپ کو چاہیے کہ آپ خود کو پورے دل و دماغ کے ساتھ مطالعے کیلئے وقف کر دیں۔ کیونکہ یہ آپ کی اوّلین ذمہ داری ہے۔

یہاں بہت زیادہ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے تحریک

پاکستان کی جدوجہد میں ہماری ذرہ برابر مدد نہیں کی۔ بلکہ ہماری مخالفت کرتے رہے۔ ہمارے راستے میں روڑے اٹکاتے رہے۔ ان لوگوں کی تعداد بھی خاصی ہے۔ جو دشمنوں کیساتھ مل کر کھلم کھلا ہماری مخالفت کرتے رہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہی لوگ اب پھر نکل کر سامنے آئیں، اپنے مقاصد اور پروگرام کیلئے لوگوں کو گمراہ کن نعروں میں اُلجھائیں اور اپنے پٹے ہوئے فقرے پھر سے دہرائیں۔ میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارا کوئی قدم غلط ملط باتوں، نعروں یا پٹے پٹائے فقروں کے قریب نہ پھٹکے۔ ان باتوں کا کوئی اثر قبول کرنا اور انہیں طوطے کی طرح دہرانا فضول ہے۔

اب جبکہ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کو نصیحت کروں کہ ہم اپنی نئی مملکت کو اپنی آرزوں کے مطابق دُنیا کی عظیم مملکت بنانے کی دشوار مہم کس طرح اور کس طریقے سے سر کر سکتے ہیں۔ یہ واقعی خوشی کی بات ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک کی ترقی کے امکانات سے باخبر ہیں۔ مگر میں آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ جلد بازی یا بےصبری اتنی ہی خطرناک ہے۔ جتنی ولولے کی کمی اور بےحسی۔ آپ کی مملکت کی مثال ایک باغ سی ہے۔ آپ کا باغ اتنا ہی پھلے پھولے گا جتنی دیکھ بھال اور کوشش آپ اس کے لیے کریں گے۔ اسی طرح آپ کی حکومت بھی اسی وقت اچھی طرح چل سکتی ہے کہ آپ وطن دوستی کیساتھ اپنی پُر خلوص اور تعمیری کوششیں اس کی اصلاح اور درستی کیلئے صرف کریں۔

آپ کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اپنے صوبے سے محبت کرنے اور اپنے ملک سے محبت کرنے کے معانی اور ان دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ ہمارے فرائض جو ہم پر پوری مملکت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ وہ ہمیں صوبائیت سے آگے لے جاتے ہیں۔ ان کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی نظر اور اپنے خیالات اور وطن پرستی کے تصور میں وسعت پیدا کریں۔ ملک کی خدمت کا اکثر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی ذات اور صوبائی اغراض کو وسیع تر مقاصد میں ضم کر دیں۔-----

اسی میں سب کی بھلائی اور سب کا فائدہ ہے۔ سب سے پہلے ہم پر اپنے ملک کی خدمت فرض ہے۔ اس کے بعد اپنے صوبے کی۔ پھر اپنے ضلع، قصبہ یا گاؤں کی اور سب سے آخر میں خود اپنی ------ یہ نہ بھولیے کہ ہم ایک ایسی مملکت کی تعمیر کر رہے ہیں جسے پوری دنیائے اسلام کی قسمت بننا ہے۔ لہٰذا ہماری نظر وسیع ہونی چاہیئے۔ ایسی وسیع کہ وہ صوبائی حد بندی، محدود قوم پرستی اور نسلی تعصبات سے بالاتر ہو۔

ہمیں اس وطن دوستی کو فروغ دینا چاہیے جو ہمیں ایک متحد اور طاقتور قوم کے سانچے میں ڈھال سکے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے ہم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں وہ مقاصد جن کیلئے لاکھوں مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھویا اور اپنی جانیں قربان کیں۔

میرے نوجوان دوستو!

اب تمہیں ضروری اور بنیادی تبدیلیوں کا پورا پورا شعور ہونا

چاہیے جو حال ہی میں اِس خطے میں ہوئی ہیں۔ اپنی شخصیت کو محض سرکاری ملازم بننے کے خول میں محدود نہ کیجئے۔ جیسا کہ اب تک سب ہی اس کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ اب نئے میدان، نئے راستے اور نئی منزلیں آپ کی نگاہِ شوق کے منتظر ہیں۔ سائنس، تجارت، بنک، بیمہ، صنعت وحرفت اور فنی تعلیم کے شعبے آپ کی توجہ اور تجسس کے محتاج ہیں۔ [17]

13 اپریل کی صبح قائداعظم محمد علی جناحؒ رسالپور تشریف لے گئے۔ [18] جہاں انہوں نے رسالپور کے فضائی تربیتی سنٹر میں فضائی تربیت حاصل کرنے والے جوانوں سے خطاب کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اس تربیتی سکول کو ترقی دے کر کالج کا درجہ دینے کا اعلان کیا اور اس کا نام تبدیل کر کے رائل پاکستان ائیر فورس کالج رکھا گیا۔ اس تقریب میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے فضائی افواج میں خود اعتمادی اور نظم وضبط کی خوبیاں اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا۔

"ہوائی جہازوں اور ان کے عملے کی تعداد سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اصل چیز جذبہ شوق اور نظم وضبط ہے۔ میں آپ کو تاکید سے کہتا ہوں کہ نظم وضبط اور خود اعتمادی ہی وہ چیزیں ہیں جن پر عمل کر کے پاکستان کی فضائیہ پاکستان کے لیے فخر کا باعث بن سکتی ہے۔" [19]

اس کے بعد رسالپور ہی میں انہوں نے تھرڈ آرمڈ بریگیڈ کا معائنہ کیا۔ [20] اور اس کے افسروں اور جوانوں سے بھی خطاب کیا۔ رسالپور سے واپسی پر وہ نوشہرہ تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے آرمڈ بریگیڈ کا معائنہ کیا۔ [21]

پچھلے پہر گورنمنٹ ہاؤس پشاور کے خوبصورت سبزہ زار میں گورنر صوبہ سرحد کی جانب سے اُن کے اعزاز میں خصوصی ضیافت کا اہتمام تھا۔ صوبہ سرحد کے طول و عرض سے چھ سو کے قریب معززین مدعو تھے۔ تمام وزرائے حکومت، ارکانِ اسمبلی، اخبار نویس اور مسلم لیگی راہنما موجود تھے۔ اُن کے علاوہ اعلیٰ حضرت والئی سوات، مہتر چترال، ولی عہد ریاست دیر، نواب احمد نواز خان آف ڈیرہ، نواب اللہ نواز خان سپیکر سرحد اسمبلی، خان بہادر محمد ابراہیم خان جوڈیشل کمشنر، ملک خدا بخش ایڈیشنل جوڈیشل کمشنر، صاحبزادہ خورشید پولیٹیکل ریذیڈنٹ، نواب شیخ محبوب علی خان پولیٹیکل ایجنٹ مالاکنڈ، کرنل اے۔ کے صاحبزادہ، شیخ محمد شفیع ایڈووکیٹ جنرل، ملک مراد خان شنواری، نواب باز محمد خان آف ٹیری، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب ذکوڑی شریف کے نام قابل ذکر تھے۔ اقلیتوں کی نمائندگی لالہ کوٹو رام ایڈووکیٹ بنوں اور ڈاکٹر اُپل پشاور نے کی۔ اِس تقریب کی خصوصیت یہ تھی کہ اُس میں سابق وزیر اعلیٰ سرحد ڈاکٹر خان صاحب بھی شریک تھے۔ قائداعظمؒ کی طرف سے خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ کانگرسی راہنماؤں کی نشست کا اہتمام اُن کی نشست کے ساتھ کیا جائے، تاکہ بات چیت میں آسانی رہے۔ 22

اُنہوں نے ہر طبقے کے لوگوں سے گھل مل کر بات چیت کی اور ہر شعبے کے افراد سے صوبے کی سیاسی اور انتظامی مسائل و معاملات پر آزادانہ تبادلہ خیال کیا۔ ڈاکٹر خان صاحب سے بھی خصوصی طور پر گفتگو ہوئی۔ اعلیٰ سیاسی حلقوں نے اس بات چیت کو بے حد اہم قرار دیا۔ کیونکہ اِس غیر رسمی گفتگو کے فوراً بعد ڈاکٹر خان صاحب اتمان زئی روانہ ہوگئے۔ جہاں سرخ پوش راہنما خان عبدالغفار خان مقیم تھے۔ 23

14 اپریل کی صبح قائداعظم محمد علی جناحؒ نے درّہ خیبر کا دورہ کیا۔ اُن کے ہمراہ صوبہ سرحد کے گورنر سر ایمبروز ڈانڈوس (Sir Ambrose Dundos) خیبر کے پولیٹیکل ایجنٹ کرنل بیکن (Col.Bacon) فرنٹیئر کور کے کمانڈر بریگیڈیئر ولیم (Brigadier William)، پولیٹیکل ریذیڈنٹ کرنل صاحبزادہ خورشید وزارت خارجہ کے جائنٹ سیکرٹری کرنل اے۔ ایس۔ بی

شاہ (A.S.B. Shah) نمایاں تھے۔ 24

جمرود سے طورخم تک میلوں راستہ خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ خیبر کے تمام بوڑھے، بچے، نوجوان آفریدی، شنواری، ملاگوری، جانباز سڑک پر جمع تھے۔ جونہی وہ جمرود پہنچے دوستانہ طور پر فائرنگ کر کے قبائیلیوں نے انہیں روایتی سلامی دی۔

لنڈی کوتل میں شنواری، ذخہ خیل، شلمانی قبائل کے لوگ استقبال کو جمع تھے وہ ان کے جرگے سے ملے۔ انجمن تنظیم قبائل کے صدر ملک باور خان شنواری نے اس موقع پر بلند آواز سے کہا۔

"گرامی قدر قائداعظمؒ! تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ درّہ خیبر میں جتنے بھی فاتحین مغرب سے آئے اُن کے ساتھ ہزاروں نہیں لاکھوں سپاہی تھے جن کے ہاتھوں میں تلوار، نیزے، بھالے اور تیر تھے۔ لیکن اتنی طاقت کے باوجود آسانی سے درّہ خیبر سے نہ گذر سکے۔ جب تک اُنہوں نے ہمیں خراج ادا نہ کیا۔ ہم نے انہیں یہاں سے گزرنے نہ دیا لیکن اے عظیم قائد! آپ ایک ایسے فاتح ہیں جن کے پاس پیادہ لشکر ہے نہ سوار، توپیں ہیں نہ نیزے، لیکن کتنا عجیب فرق ہے ان فاتحین میں اور آپ میں۔ وہ لوگ جب یہاں سے گئے تو آہوں اور سسکیوں کے ساتھ گئے اور پشت پر زخم لے کر گئے۔ لیکن آپ ہیں کہ ہمارے دل بھی ساتھ لیتے جا رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ ہے کہ تمام فاتحین تو مغرب سے آئے جبکہ آپ مشرق کی جانب سے آرہے ہیں۔" 25

قائداعظم محمد علی جناحؒ پاک افغان سرحد پر بھی پہنچے۔ جہاں ایک زنجیر پاکستان اور افغانستان کو جدا کر رہی تھی۔ زنجیروں کے اس پار افغان سنتری کھڑے تھے۔ اُنہوں نے احتراما

ہاتھ اُٹھا کر اُن کو سلام کیا اور اُنہوں نے ہاتھ ملا کر افغان سنتریوں سے مصافحہ کیا اور فرمایا۔

"تم میرے مسلمان بھائی ہو۔ میں آج بے انتہا خوش ہوں کہ اس سرحد کے اِدھر بھی آزاد اسلامی ملک ہے اور سرحد کے اس طرف بھی ایک آزاد اسلامی مملکت ۔۔۔ ہم تمام بھائی بھائی ہیں۔ یہ مصنوعی حد بندیاں اسلامی اُخوت کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتیں۔" 26

درّہ خیبر کے دورے سے واپسی پر قائداعظمؒ نے گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں صوبہ سرحد کے سرکاری افسروں اور اہل کاروں سے خطاب کیا۔ آپ نے اس موقع پر خاص طور پر تلقین کی کہ

"آپ کو کسی سیاسی دباؤ میں نہیں آنا چاہیے۔ خواہ یہ دباؤ کسی سیاسی جماعت کی جانب سے ڈالا جائے یا سیاسی شخصیت کی جانب سے حکومتیں بنتی اور شکست کھاتی رہتیں ہیں۔ وزیراعظم آتے جاتے رہتے ہیں مگر آپ موجود رہتے ہیں۔ لہٰذا آپ پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کسی ایک یا دوسری جماعت کی حمایت میں آپ کا ہرگز کوئی ہاتھ نہیں ہونا چاہیے۔ اسی طرح آپ کو کسی ایک یا دوسرے سیاسی لیڈر کی حمایت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آپ کا کام نہیں ہے۔" 27

15 اپریل کی صبح پشاور کے گورنمنٹ ہاؤس کے سبزہ زار میں قائداعظم محمد علی جناحؒ نے صوبائی مسلم لیگ کونسل سے ملاقات کی۔ اُن کے بعد معروف سرخ پوش لیڈر خان عبدالغفار خان سے بھی ملاقات کی۔ یہ ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہی۔ اس موقع پر خان عبدالغفار خان سے اخباری نمائندوں نے پوچھا، آپ کی ملاقات کیسی رہی؟ ۔۔۔ اُنہوں نے جواب دیا۔

"ہم نے دوستانہ ماحول میں بات کی۔ پاکستان اور اس کی عوام کے متعلق ہم دونوں کے جذبات واحساسات ایک جیسے ہیں۔" 28

اُسی دن اُنہوں نے 2/15 پنجاب مشین گن رجمنٹ کی ایک تقریب میں شرکت کی اور رجمنٹ کے نامور نوجوانوں کو اُن کی بہادری اور جوانمردی کے کارناموں پر انعامات تقسیم کیے۔ 29

شام کو ممبران اسمبلی صوبہ سرحد سے اُن کی ملاقات تھی۔ اُنہوں نے اُن سے صوبے کے اہم معاملات پر تبادلہ خیال کیا۔

16 اور 17 اپریل کو قائداعظمؒ نے صوبہ سرحد کے جنوبی اضلاع ڈیرہ اسماعیل خان اور بنوں کا دورہ کیا۔ ان اضلاع کے لوگوں نے اُن کا بڑا تاریخی استقبال کیا۔ مقامی لوگ اور قریبی دیہات کے لوگ اپنے قائد کی ایک نظر دیکھنے کے لیے سڑکوں اور شاہراؤں پر ایک جم غفیر کی شکل میں اُمڈ آئے ہوئے تھے۔ صوبہ سرحد کے گورنر سر ایمبروز ڈانڈوس، وزیراعلیٰ خان عبدالقیوم خان اور قبائلی علاقے کے پولیٹیکل ایجنٹ اس دورہ میں اُن کے ہمراہ تھے۔ ہوائی اڈے سے سرکٹ ہاؤس تک لوگ دو رویہ قطار میں کھڑے تھے اور مسرت انگیز نعرے لگا رہے تھے۔ سرکٹ ہاؤس میں مقامی پولیس نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد سرحد کے قریب رہنے والے خانہ بدوشوں کے نمائندوں نے ان سے ملاقات کی اور اپنی حمایت اور تعاون کا یقین دلایا۔ 30

یہاں وفد میں شامل ایک شخص نے انہیں تلوار کا تحفہ پیش کیا۔ تحفے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی خاطر اُس شخص نے کہا۔

جناب یہ وہ تلوار ہے جو مغلوں نے ہمارے بزرگوں کو عطا کی تھی۔

قائداعظمؒ نے برجستہ کہا۔

یہ وہ تلوار تو نہیں ہے؟ جسے بعد میں آپ کے بزرگوں نے سکھوں اور انگریزوں کے حوالے کر دیا تھا۔ 31

اُن کے اس بے ساختہ جواب میں علاقہ کے عروج و زوال کی تمام کہانی تھی۔

دوپہر کو قائداعظمؒ نے پولو گراؤنڈ میں عوام کے اجتماع سے خطاب کیا۔ جس میں اُنہوں نے عوام کو متحد رہنے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ نے فرمایا۔

"پاکستان حاصل ہو چکا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ہی اسے ایک مضبوط مملکت بنانے کے دشوار کام کا آغاز بھی ہو چکا ہے۔یہ مقصد تبھی حاصل ہوسکتا ہے جب آپ سب مل کر اس کیلئے کوشش کریں اور اپنے تمام ذہنی اور مادی وسائل کو مضبوط بنانے کے لیے وقف کر دیں۔" [32]

بنوں میں بھی اُن کا بہت شاندار استقبال ہوا۔تمام راستے سجے ہوئے تھے۔شہر میں عید کا سماں تھا۔اُنہوں نے بنوں کے قلعہ میں مقامی لوگوں اور قبائلیوں کے سامنے ایک تقریر کی جس میں انہوں نے حاضرین سے اپیل کی کہ رشوت ستانی، باہمی رقابت اور بدعنوانیوں کو ترک کر دیا جائے۔انہوں نے کہا کہ حکومت عوام کی حالت بہتر بنانے کیلئے جو کوششیں کر رہی ہے، میں بڑے غور سے ان کا مطالعہ کر رہا ہوں۔مجھے اُمید ہے کہ اگر آپ حکومت کو مناسب وقت اور موقع دیں گے اور اس کی جائز و مناسب امداد کریں گے تو بہت جلد حکومت ان مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو جائے گی۔انہوں نے اس موقع پر حاضرین کو بتایا۔

"گورنر جنرل کی حیثیت سے میری مصروفیات بہت زیادہ ہیں۔میرے لئے کراچی چھوڑنا آسان نہیں۔اس کے باوجود میں نے وقت نکالا کہ میں آپ کے صوبے میں آ کر آپ کے مسائل کو ذاتی طور پر دیکھوں۔" [33]

جلسہ عام کے بعد انہوں نے قبائلی سرداروں کے مختلف گروہوں سے الگ الگ ملاقاتیں کیں اُن کے مسائل اور معاملات کو بڑے غور سے سُنا۔

17 اپریل کو گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں ایک عظیم قبائلی جرگہ منعقد ہوا۔اس جرگے میں چترال سے لیکر وزیرستان کے تمام قبائل کے سربرآوردہ ملک، علمی اور روحانی پیشوا اور قبائلی بزرگ شمولیت کے لیے آئے تھے۔قائداعظم نے اس جرگے کے سپاس نامے کے جواب میں فرمایا۔

"میں نے جو کچھ کیا ہے، اسلام کے خادم کی حیثیت سے کیا ہے۔میں نے اپنے جسم و جاں کی تمام توانائیوں سے اپنی ملت کی خدمت کی ہے۔میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا ہو۔خدا کے فضل و کرم سے آپ نے اتحاد و اتفاق ہی کی بدولت پاکستان حاصل کیا ہے لیکن اب پاکستان کو مستحکم اور مضبوط بنانے کے لئے پہلے سے بھی کہیں بڑھ کر اتحاد و اتفاق کی ضرورت ہے۔" [34]

18 اپریل کی صبح ایڈورڈ کالج پشاور کے سٹاف اور طلبہ کی درخواست پر قائداعظمؒ نے اپنے پروگرام سے خصوصی وقت نکال کر وہاں کا دورہ کیا اور خطاب کیا۔اس دن بارش کی وجہ سے موسم بہت سرد ہو گیا تھا۔وہ اتنی سردی برداشت کرنے کے عادی نہ تھے۔اُس روز ایک اور بات ہوئی کہ تقریر کے دوران مائیکروفون فیل ہو گیا۔تاہم اُنہوں نے تقریر جاری رکھی۔[35] آپ نے اس موقع پر فرمایا۔

"پاکستان کے شہریوں کو اس فرسودہ ذہنیت اور رسم و رواج کو بدلنے کی اشد ضرورت ہے۔جو ہمیں غلامی سے ورثہ میں ملی ہیں۔پچھلے چند برس میں آپ کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔لیکن خدا کا شکر ہے کہ اب یہ عظیم الشان سرزمین ایک آزاد اسلامی جمہوریت کا حصہ ہے۔اب ہمیں بہت زیادہ مشکل کام سرانجام دینا ہے۔اور یہ کہ ہم اپنی غلامی کی وراثتوں یعنی اپنی غلامانہ ذہنیت اور کردار کو یکسر بدل ڈالیں۔

مجھے یہ سن کر انتہائی مسرت ہوئی ہے کہ آپ نظامِ تعلیم میں اہم تبدیلیاں کر رہے ہیں۔آپ کے کالج میں ایسے مضامین

پڑھائے جارہے ہیں۔ جو طالب علموں کو تجارت، صنعت وحرفت، بینکنگ اور انشورنس کے کاموں میں مدد دے سکتے ہیں۔ اب کالجوں کا یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ زراعت، علم حیوانات، انجینئرنگ اور ڈاکٹری وغیرہ کے بہترین ماہر پیدا کریں۔ ان مسائل پر جواب ہمیں گھیرے ہوئے ہیں۔ قابو پانے کا ذریعہ یہی ہے۔ اس سے ہم عوام کے معیارِ زندگی کو بلند کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔ مجھے صوبہ سرحد کے مسائل سے گہری دلچسپی ہے۔ لہٰذا تعلیم کے فروغ کے لئے اس کالج کی سرگرمیاں ہمیشہ میرے لئے جاذب توجہ رہیں گی۔

آپ کی حکومت ابھی بالکل نئی ہے۔ ہر حکومت کی ترقی کے لئے وقت درکار ہوتا ہے۔ آپ کی صوبائی اور مرکزی حکومت جس میں میں خود بھی شامل ہوں، ہر لحظہ اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔ اب آپ کو درخواستیں اور عرضیاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ حکومت آپ کی اپنی حکومت ہے۔ لیکن حکومت کا کیا ہے۔ ہر حکومت اپنی پالیسی اور اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے سلسلے میں سُست رفتار ہوجاتی ہے۔ انتظامیہ اپنی مخصوص چال کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ اور اس بات کا تعلق ہر قسم کی انتظامیہ سے ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ہماری حکومت (انتظامیہ) مثالی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ہماری حکومت اپنے وجود اور اقتدار کے چند ماہ کے دوران ہمیشہ صحیح اور درست رہی ہے۔ نہیں ایسا نہیں ہے! ہماری انتظامیہ میں اصلاح کی بڑی گنجائش ہے اور جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت ہے، اُن کی بھی اصلاح کی

ضرورت ہے۔ صوبوں اور مرکز کے وزراء اور خود میری ذات سب قابل اصلاح ہیں۔ ہر نئے دن ہمیں نئے سبق اور نئے تجربے حاصل ہورہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب آپ ایک آزاد اور خود مختار مملکت کے شہریوں کی حیثیت میں اپنے آپ کو فکر مند رکھیں۔ جب آپ کی حکومت کوئی اچھا کام کرے تو اس کی تعریف کیجئے۔ ہر وقت نکتہ چینی، عیب جوئی اور وزارت یا عہدہ داروں کے خلاف تخریبی تنقید سے لذت حاصل کرنے کی پرانی عادت ترک کر دیجئے۔ یہ آپ کی اپنی حکومت ہے۔ یہ سابقہ حکومتوں سے بالکل مختلف ہے۔ ہاں یہ حکومت کوئی غلط کام کرے تو بے خوفی سے تنقید کیجئے۔ میں صحت منداور تعمیری تنقید کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ آپ بے خوفی سے جب ضرورت ہو مجھ پر بھی تنقید کیجئے۔ مجھے نکتہ چینی پسند ہے۔ بشرطیکہ یہ نکتہ چینی ایماندارانہ اور تعمیری انداز میں کی گئی ہو۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اُمید رکھتا ہوں کہ مجھے آئندہ بھی آپ کے کالج آنے کا موقع ملے گا۔ 36

19 اپریل کو پشاور کے شہریوں کی جانب سے بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اعزاز میں اسمبلی ہال پشاور (موجودہ ہائی کورٹ) کے سبزہ زار میں استقبالیہ دیا گیا۔ استقبالیہ میں وہ ہر طبقہ کے راہنماؤں سے ملے اور آزادانہ تبادلہ خیال کرتے رہے۔ خان برادران، خان عبدالغفار خاں اور ڈاکٹر خان صاحب سابق وزیراعلیٰ صوبہ سرحد بھی اس موقع پر موجود تھے۔

کوہاٹ کے مشہور راہنما" پیر شہنشاہ ایم۔ ایل۔ اے بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حاضری کے وقت وہ برہنہ سر تھے۔ اُنہوں نے 1930ء میں قسم کھائی تھی کہ جب تک ملک آزاد نہ ہوگا وہ برہنہ سر رہیں گے۔ وزیراعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خان نے پیر شہنشاہ کا تعارف

کرواتے ہوئے اُن سے اس قسم کا بھی ذکر کیا۔ یہ سن کر وہ مسکرائے۔ اُنہوں نے کھڑے ہو کر پیر شہنشاہ کو سلام کیا اور فرمایا۔

"میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ہمارا وطن اب اغیار کی غلامی سے مکمل آزاد ہو گیا ہے۔ آپ کی قسم پوری ہو چکی ہے۔ آپ اب ٹوپی پہن لیں۔"

اُنہوں نے اپنے ہاتھ سے پیر شہنشاہ کو ٹوپی پہنائی، پیر صاحب نے اس دن سے دوبارہ ٹوپی پہننا شروع کر دی۔ [37]

قائداعظمؒ کے دورہ سرحد کی سب سے اہم تقریب دورے کے اختتام پر پشاور کے عوام سے اُن کا خطاب تھا۔ جو اُنہوں نے 20 اپریل 1948ء کو ایک بہت بڑے جلسہ عام میں کیا۔ قائد اعظمؒ ایک ہفتہ میں صوبہ سرحد کے متعدد مقامات کا دورہ کر چکے تھے۔ وہ مختلف طبقوں، عوام کے نمائندوں اور مختلف سیاسی عناصر کی سرگرمیوں اور اُن کے عمل اور کردار کا بخوبی جائزہ لے چکے تھے۔ چنانچہ اس جلسے میں جو تقریر کی وہ ایک ایسے دردمند دل کی پکار تھی جسے سیاسی عناصر نے مایوس کیا ہو۔ اور اس کے سامنے عوام کی بیداری اور اُن کے خلوص و حب الوطنی پر اعتماد کے سوا اور کوئی راہ عمل نہ ہو۔ اُن کے اس خطاب کا رُخ براہ راست عوام کی طرف تھا۔ اس میں اُن کیلئے پیغام بھی تھا۔ آئندہ کیلئے لائحہ عمل بھی۔ ذمہ داریوں کے احساس کی تلقین بھی تھی و گمراہ اور بدباطن سیاسی عناصر سے محتاط رہنے کی ہدایت بھی۔ [38] اُنہوں نے پاکستان کا پس منظر، صوبے کے سیاسی مسائل اور حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنے بڑے مجمع کے سامنے مجھے تقریر کرنے کا موقع دیا۔ اس صوبہ کے لوگ بہت ہی خوش خلق ہیں۔ اور آپ نے جس طرح میرا خیر مقدم کیا ہے او. جس محبت سے میرے ساتھ پیش آئے ہیں۔ میں اس کے لئے آپ کا شکریہ

ادا کرتا ہوں۔ قیامِ پاکستان کے لئے آپ نے میری کوششوں کو سراہا ہے۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا وہی کچھ کیا۔ اس صوبے میں سب سے پہلے میں 1936ء میں آیا تھا۔ اس کے بعد 1942ء میں آیا اور تیسری بار اب آیا ہوں۔

ویسے میں آپ کے صوبے کے حقوق کی خاطر 1926ء ہی سے لڑتا رہا ہوں۔ لیکن اُس وقت وہ ایک فرد کی کوشش تھی۔ آپ کے صوبہ میں غیر ملکی سرمایہ سے غلط پروپیگنڈا کر کے آپ کو بہکایا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ مسلم لیگ کو متواتر سات سال مکمل کوشش کرنا پڑی اور خدا کا شکر ہے کہ آپ بیدار ہو گئے۔ اور یہ کہ عام رائے شماری میں آپ کی جیت ہوئی۔ اب آپ پر اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ یہ صرف مسلم لیگ ہی تھی جس نے آپ کو ہندو راج کے گڑھے میں گرنے سے بچایا۔ اس جماعت نے قربانیاں دیں اور پاکستان حاصل کرنے کیلئے ہزاروں آدمیوں نے اپنی جانیں قربان کی ہیں۔ اس لئے اب آپ ہی بتایئے کہ مسلم لیگ آپ کی صحیح راہنمائی کر سکتی ہے یا وہ لوگ جو کل تک دشمن کے ساتھ تھے۔ پاکستان کی حفاظت وہ کر سکتے ہیں یا ہم؟

اب جبکہ پاکستان بن چکا ہے۔ ہر شخص پاکستان کی وفاداری کا دم بھرے گا۔ لیکن اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اتفاق اور اتحاد کی ہے اور اسی لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں ایک منظم جماعت کی حکومت ہو۔ اسی طرح قوتیں مجتمع رہیں گی اور انتشار پیدا نہ ہوگا۔ اب ہماری اپنی حکومت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس حکومت میں

خامیاں بھی ہوں۔لیکن اب ہم بیدار ہو چکے ہیں۔ہم ہر چیز کو گہری نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ہم اپنی اجتماعی زندگی سے زہریلے حصے نکال پھینکیں گے۔مگر اس کے لئے وقت تو دینا پڑے گا۔

آج ہمارا ملک خارجی اور داخلی حیثیت سے ایک بہت نازک دور سے گذر رہا ہے۔اور ان حالات میں یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارے یہاں ایک ہی سیاسی جماعت ہو۔میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ ان سیاسی جماعتوں میں شریک نہ ہوں۔جو برساتی کیڑوں کی طرح اُبل پڑی ہیں اور جن کو پاکستان کے مخالفین منظم کر رہے ہیں۔ہم میں پچھلے زمانے سے جو برائیاں اور خرابیاں چلی آرہی ہیں۔انہیں ہم اسی وقت دور کر سکتے ہیں۔جب ہم متحد ہو کر ایک قوم بن جائیں اور اپنی قومی حکومت کی پوری مدد کریں۔

اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو خودغرض ہیں۔مجھے خوب معلوم ہے کہ ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو مفاد پرست ہیں۔میں خوب جانتا ہوں کہ ہم میں کچھ ایسے بھی ہیں جو رشوت ستانی اور اقربا نوازی کے مجرم ہیں۔مجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔واقعات پر ہماری گہری نظر ہے۔جو کچھ غلط ہے وہ ہماری نگاہوں سے اُوجھل نہیں ہے اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہم عنقریب اپنی غلطیوں اور برائیوں کا ایکسرے کر لیں گے۔اور اپنے نظام سے زہریلا مادہ نکال پھینکیں گے۔لیکن آپ کو کسی قدر صبر سے کام لینا پڑے گا۔ہمیں مناسب وقت اور موقع دیجئے۔

پاکستان کی تعمیر کے لئے ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہے۔مجھے یقین ہے کہ خدا کے فضل و کرم سے ہم ٹھیک راہ پر چل کر پاکستان کو دُنیا کی سب سے بڑی مملکت بنا کر چھوڑیں گے۔میرے سامنے زندگی کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہیں کہ میں آپ حضرات کی خدمت کرتا رہوں۔ 39

21اپریل صوبہ سرحد میں قائداعظمؒ کے قیام کا آخری دن تھا۔اس دن اُنہوں نے صوبے کے انتظامی افسروں اور کابینہ کے اراکین سے ملاقاتیں کیں۔ 40 انہیں ضروری ہدایات دیں اور عوامی مسائل کو سرگرمی، دیانت اور محنت سے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔صوبے کے دورے میں اُنہوں نے جن مسائل کا اندازہ لگایا تھا، اُن کو حل کرنے کے بارے میں اُنہوں نے صوبائی حکومت کو ہدایات جاری کیں۔اس سلسلے میں مرکزی حکومت کی طرف سے ہر ممکن تعاون اور امداد کا یقین دلایا۔اُنہوں نے مسلم لیگ کے لیڈروں کو عوام میں کام کرنے اور عوامی مسائل حل کرنے کیلئے حکومت اور عوام کے درمیان رابطے کا ذریعہ بننے پر زور دیا۔اُسی دن میاں ضیاءالدین صدر بار ایسوسی ایشن سرحد گورنمنٹ ہاؤس پشاور میں وکلا کے ایک وفد کے ساتھ ملے۔ 41

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے صوبہ سرحد کے دورے پر تبصرہ کرتے ہوئے 22اپریل 1948ء کے انگریزی روزنامہ ڈان نے یوں لکھا کہ

"قائداعظم محمد علی جناحؒ کا دس روزہ دورہ سرحد نہ صرف بے انتہا چمک دمک اور خوشی کی وجہ سے یادگار رہے گا بلکہ سیاسی مبصروں کے مطابق اُن کا یہ دورہ بے آب و گیاہ سرزمین کے مختلف اور متضاد خیالات رکھنے والے طبقوں کے درمیان مکمل تعاون کے لئے بھی سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔قائداعظمؒ کا گورنر جنرل کی حیثیت

سے یہ پہلا سرکاری دورہ تھا۔ خوشی اور جوش کے علاوہ اس دورے کے دوران ہر لمحہ صوبہ سرحد اور اس کے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لئے اہم ترین فیصلے کئے گئے۔ قائداعظمؒ کا بہت زیادہ وقت اسی میں صرف ہوا۔ کیونکہ ان کی جدوجہد تھی کہ وہ لوگوں میں اتحاد و یکجہتی کی نئی رُوح پھونک دیں۔ اس دورے کے دوران قائداعظمؒ مسلسل مختلف لوگوں کے وفود سے ملاقات کرتے رہے۔ صوبہ سرحد کے تمام عوام اور مختلف قبائل کو اتحاد کی سنہری ڈوری میں پروتے رہے۔ عام جلسوں میں تقاریر اور ذاتی ملاقاتوں کے دوران اُنہوں نے مسلسل کوشش کی کہ نہ صرف صوبہ سرحد بلکہ پورے پاکستان میں اتحاد اور یگانگت کی فضا پیدا کی جائے۔ اس دورے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ قائداعظمؒ نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ محسوس کریں کہ یہ حکومت اُن کی اپنی حکومت ہے۔ اور یہ اُن کا کام ہے کہ وہ اتحاد کے ذریعے مستقبل یا نفاق کے ذریعے مکمل تباہی میں سے کسی ایک کا انتخاب کریں۔" 42

26 اپریل 1948ء کے "روزنامہ جنگ" کراچی نے قائداعظمؒ کے دورے کے متعلق لکھا کہ

"گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ صوبہ سرحد کا تفصیلی دورہ کر کے دارلحکومت واپس پہنچ گئے۔ سیاسی حلقوں نے اس دورے کو نہایت کامیاب بتایا ہے۔ قائداعظمؒ نے دورے میں مختلف حلقوں کے نمائندوں سے ملاقات کر کے اُن کے مسائل معلوم کئے اور انہیں پاکستان کی خدمت کا مشورہ دیا۔ اُنہوں نے

سرحد کے مختلف الخیال طبقوں سے رابطہ کر کے انہیں ہم خیال بنایا اور خاص طور پر قبائلی گروہوں کو پاکستان کی ترقی کے لئے متحد کرنے میں کامیابی حاصل کی۔" 43

قائداعظمؒ کا صوبہ سرحد کا دورہ بہت نتیجہ خیز رہا۔ اُن کے اس دورے کے بعد مسلم لیگ صوبے میں مستحکم ہوئی، اور آزاد قبائل کی تجدید سے پختونستان کا فتنہ گہری قبر میں اُتر گیا۔ لیکن اس دورہ کی تھکاوٹ نے کمزور اور نحیف قائد کو بستر سے لگا دیا جو بالآخر اُن کی موت کا سبب بن گیا۔

☆☆☆

باب نمبر 4

قائداعظمؒ کوئٹہ اور زیارت میں

شمال مغربی صوبہ سرحد کا دورہ، قائداعظم محمد علی جناحؒ کے لیے بہت اعصاب شکن ثابت ہوا۔ پشاور کے جلسہ عام کے دوران آسمان پر گہرے بادل چھا گئے۔ جلسہ شروع ہوا تو بونداباندی ہونے لگی۔ مگر بارش کے اندیشوں سے بے نیاز ہزاروں لوگ اپنی اپنی جگہوں پر اسی طرح بیٹھے رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح جو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں اُنہوں نے اُٹھ کر جانے کا مشورہ دیا۔ لیکن اُنہوں نے ان کا مشورہ رد کر دیا۔ اور جلسے کی مکمل کاروائی کے دوران وہ اسی طرح بیٹھے خراب موسم کا مقابلہ کرتے رہے۔ اسی رات انہیں زکام ہو گیا۔ سردی لگ گئی اور کھانسی کے ساتھ شدید بخار ہو گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح چاہتیں تھیں کہ فوراً کسی ڈاکٹر سے معائنہ کروایا جائے لیکن اُنہوں نے ڈاکٹر کو بلوانے کا مشورہ مسترد کرتے ہوئے کہا۔

" کچھ بھی تو نہیں ہے۔۔۔ بس ذرا سردی لگ گئی ہے۔۔۔۔ میں
اس پر قابو پالوں گا۔ " [1]

قائداعظمؒ جب کراچی واپس پہنچے تو اُن کی صحت کی حالت بہت تشویش ناک تھی۔ انہیں مسلسل حرارت اور کھانسی کی شکایت تھی۔ اُن کے پاس اتنی فرصت نہ تھی کہ وہ کسی ڈاکٹر سے اپنی صحت کے بارے میں مشورہ لے سکیں۔ اسی حالت میں اُنہوں نے پاکستان کی پہلی اولمپک گیمز (منعقدہ 22 اپریل کراچی) [2] میں شرکت کی۔ طبیعت کو مسلسل خراب دیکھتے ہوئے محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کے ڈاکٹری معائنے کا بندوبست کیا۔ ڈاکٹروں کی تشخیص تھی کہ انہیں برونکائٹیس (نرخرے و حلق کا ورم) کی شکایت ہے۔ [3]

چنانچہ بیماری کے سبب اور محترمہ فاطمہ جناح کے اصرار پر مجبوراً انہیں آرام پر مجبور ہونا پڑا۔ لیکن بستر علالت کے باوجود وہ فائلوں کو دیکھتے تھے، اُن کا مطالعہ کرتے تھے اور اُن پر ضروری

نوٹس لکھنے سے باز نہ آتے تھے۔ ان دنوں وہ زیادہ تر نیچے کی منزل میں اپنے کمرے میں رہتے تھے۔ لیکن ان کے اخبار بینی کے شوق میں کوئی کمی نہ آئی۔ خبروں سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ گورنمنٹ ہاؤس میں ٹیلی پرنٹر پر جو خبریں آتیں، اُن کا پلندہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اُن کو پیش کیا جاتا تھا۔ وہ کاغذات کو لے کر صوفے پر دراز ہو جاتے اور اپنی انگلیاں گھما گھما کر خبریں پڑھتے جاتے تھے۔ [4]

اُن کی کئی مصروفیات بھی اُن کی حالیہ علالت کی وجہ سے منسوخ ہو گئیں۔ انہیں 28 اپریل کو پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول کا افتتاح کرنا تھا۔ اس کے علاوہ ایبٹ آباد میں جلسہ عام سے خطاب کرنا اور سرحدی افسروں کے استقبالیے میں شرکت کرنا تھی۔ ان سب کو ملتوی کرنا پڑا۔ [5] اگرچہ انھیں کسی پروگرام میں تبدیلی سخت ناگوار گزرتی تھی۔ لیکن بیماری کی نوعیت ہی کچھ ایسی شدید تھی کہ انہیں سب پروگرام ترک کرنے پڑے۔

اپنی تمام تر بیماری کے باوجود وہ سندھ اور پنجاب کے معاملوں کو التوا میں ڈالنے کے لئے تیار نہ تھے۔ جہاں وزارتی اکھاڑ بچھاڑ نے نوزائیدہ پاکستان کے سیاسی استحکام کو بُری طرح متاثر کیا ہوا تھا۔

سندھ۔ صوبہ سندھ کی سیاست بڑی عجیب و غریب تھی۔ اس کی سیاست کا نمایاں پہلو، جوڑ توڑ اور سیاسی وفاداریوں میں تغیر و تبدل تھا۔ تقسیم کے چند ماہ بعد سندھ مسلم لیگ کونسل نے نظام حکومت کیلئے سوشلسٹ آئین بنانے کی قرارداد منظور کر کے تمام اہل سیاست کو حیران و پریشان کر دیا تھا۔ [6] سندھ مسلم لیگ کے پاس عوام کی حالت بہتر بنانے کا کوئی پروگرام نہ تھا۔ اس کے لیڈر عہدوں کے حصول کے لئے گھٹیا سیاست میں بہت سرگرم تھے۔ محمد ایوب کھوڑو وزیر اعلیٰ (م۔ 1980ء) کے ساتھ ساتھ سندھ مسلم لیگ کے صدر بھی تھے۔ اکثر لیڈروں کی طرح وہ بھی بہت بڑے زمیندار تھے۔ اور بے پناہ اثر و رسوخ کے مالک تھے۔ لیکن اعلیٰ قیادت کے اوصاف سے محروم تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں سندھ کابینہ کے اندرونی اختلافات نے سکینڈل کی صورت اختیار کر لی اور

وزراء نے ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالنا شروع کر دیا۔ [7]

اپریل 1948ء کے اوائل میں وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو اور اُن کے دو وزیروں، پیر الٰہی بخش اور میر غلام علی تالپور کے درمیان کھلے بندوں نزاع کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اخبارات میں الزامات اور جوابی الزامات شائع ہوئے۔ گورنر سندھ غلام حسین ہدایت اللہ نے اس خیال سے وزیروں کے محکمے تبدیل کر دیئے کہ شاید اس طرح کابینہ زیادہ خوش اسلوبی سے کام کر سکے گی۔ لیکن وزیر اعلیٰ نے اُسے گورنر کی بے جا مداخلت سمجھا۔ [8] قائداعظم محمد علی جناحؒ ان دنوں صوبہ سرحد کا دورہ کر رہے تھے۔ [9] اُنہیں سندھ کی کابینہ میں وزیروں کے باہمی اختلافات کی خبر ملی تو اُنہوں نے اِس کا فوری نوٹس لیا اور گورنر سے رپورٹ طلب کر لی۔ [10] گورنر غلام حسین ہدایت اللہ نے وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کی بد انتظامی اور رشوت ستانی کی شہادت قائداعظم کو پیش کر دی۔ اُنہوں نے گورنر سندھ کو یہ ہدایت کی کہ وزیر اعلیٰ ایوب کھوڑو کو اُن کے عہدے سے برطرف کر دیں۔ [11] چنانچہ اُن کی ہدایت پر 26 اپریل 1948ء کو گورنر نے وزیر اعلیٰ کو برطرف کر دیا۔ [12] اور نئے وزیر اعلیٰ کیلئے پیر الٰہی بخش کا نام تجویز ہوا۔ اُنہوں نے 3 مئی کو اپنے عہدے کا حلف اُٹھایا۔ [13] ایوب کھوڑو سندھ کی سیاست کی بااثر شخصیت تھے۔ اُنہوں نے اپنی اِس علیحدگی کو تسلیم نہ کیا۔ اُنہوں نے جلد ہی صوبائی اور مرکزی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔۔۔ اور جب پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے کراچی شہر کو مرکزی دار الحکومت قرار دیا اور اُس کا انتظام براہِ راست مرکزی حکومت کو تفویض کرنے کی سفارش کی تو اُنہوں نے حکومت کی اِس بنیاد پر مخالفت شروع کر دی کہ کراچی کی سندھ سے علیحدگی صوبے کے مفاد کے منافی ہے۔ اُنہوں نے سندھ مسلم لیگ کی کونسل سے جہاں اُنکی اکثریت تھی پاکستان دستور ساز اسمبلی کے اِس فیصلے کی مذمت کروائی۔ کونسل نے سندھ کے گورنر اور وزیروں سے یہ مطالبہ بھی کیا کہ وہ مستعفی ہو کر کراچی کی علیحدگی کے مسئلہ پر دوبارہ انتخاب لڑیں۔ کونسل نے اپنی مجلس عمل کو "قومی ماتم" کا ایک دن منانے کیلئے

موزوں تاریخ مقرر کرنے اور کراچی کی مجوزہ علیحدگی کے خلاف احتجاج کرنے کی بھی ہدایت کی۔ [14]

اس سے پہلے کہ اس کیلئے کوئی انتہائی قدم اُٹھائے جاتے جناب محمد ہاشم گزدر (1968ء-1893ء) پاکستان کی پہلی دستور یہ کے ڈپٹی سپیکر کا مشورہ تھا کہ اِس ضمن میں قائداعظمؒ کا مشورہ بھی لیا جائے۔ [15] قائداعظمؒ اُن دنوں زیارت میں اپنی بیماری سے نبرد آزما تھے۔ چنانچہ جناب محمد ہاشم گزدر کی قیادت میں ایک وفد کراچی کو وفاقی دار الحکومت کے مسئلہ پر اُن سے زیارت ہی میں ملا۔

پنجاب

پنجاب میں دھڑے بندی کی سیاست کا مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ایک گروپ کا سربراہ وزیر اعلیٰ ممدوٹ (افتخار ممدوٹ، م۔ 1969ء) تھے۔ دوسرے دھڑے کو زبان زدِ عام دولتانہ گروپ کہا جاتا تھا۔ جس میں وزیر خزانہ ممتاز دولتانہ اور وزیر مال سردار شوکت حیات سب سے نمایاں تھے۔ حصول پاکستان کی جنگ میں پنجاب میں اِن تینوں کا کردار بہت نمایاں اور اہم رہا تھا۔ اُن کے موجودہ اختلافات کی بنیاد کسی اُصول پر نہ تھی بلکہ یہ محض شخصیات کا تصادم تھا۔ جس کا بنیادی محرک اقتدار کی ہوس اور دونوں طرف کا احساس برتری تھا۔ تقسیم سے پہلے اُن میں اگرچہ اختلافات تھے مگر اُن میں لڑائی اِس قدر کھلی اور برملا نہ تھی۔ لیکن ظہورِ پاکستان کے بعد وزارتوں کی تقسیم اور اقتدار کی ہوس نے اِس اتحاد کی قلعی کھول دی۔ علاوہ ازیں، ممتاز دولتانہ جو کہ ممدوٹ وزارت میں وزیر خزانہ تھے۔ اُنہیں نواب افتخار ممدوٹ کے ماتحت کام کرنا پسند نہ تھا۔ وہ خود کو نواب ممدوٹ سے بدرجہ قابل اور بہتر لیڈر سمجھتے تھے۔ [16] قائداعظم محمد علی جناحؒ نے متحارب فریقوں کو کراچی طلب کیا اور اُن سے 28 اپریل کو ملاقات کی اور اُن کے درمیان شکر رنجیاں دور کرنے کی کوشش کی۔ نواب ممدوٹ کو میاں ممتاز دولتانہ سے یہ شکوہ تھا کہ وہ تعاون کے جذبے سے عاری تھے۔ جبکہ میاں ممتاز دولتانہ کو یہ شکایت تھی کہ وزیر اعلیٰ نے اپنی الگ "ذاتی اور نجی" کابینہ بنائی ہوئی تھی۔ قائداعظمؒ نے دونوں فریقوں کا موقف سُن کر دونوں کی مصالحت کرا کر واپس بھجوا دیا۔ [17] چند دن

بعد اُن دونوں فریقوں میں ایک بار پھر اختلافات شروع ہو گئے۔ قائد اعظمؒ نے اُن دونوں فریقوں کو گورنر پنجاب فرانسس موڈی (1976ء۔1890ء) سمیت طلب کیا۔ اِس مرتبہ اُنہوں نے اپنی طرف سے اُن کے جھگڑے کا مثبت حل تجویز کیا۔ کہ پنجاب کے تمام وزیر اپنے استعفے گورنر کو پیش کر دیں اور صوبائی وزارت از سرِ نو تشکیل دی جائے۔ اُنہوں نے میاں ممتاز دولتانہ کو وزیر اعلیٰ کی ذمہ داری اُٹھانے کی دعوت دی۔ [18] مگر میاں ممتاز دولتانہ کو صوبائی اسمبلی کی لیگی پارٹی میں اپنی اکثریت نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ ذمہ داری اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ [19]

پنجاب کے مسئلے کا کوئی معقول حل نہ ہونے کی وجہ سے اُنہوں نے یہ ذمہ داری پنجاب کے گورنر مسٹر فرانسس موڈی کو سونپ دی کہ وہ موقع محل کے مطابق جو مناسب قدم سمجھیں اُٹھائیں۔ اس سے پہلے کہ مسٹر فرانسس موڈی کوئی مناسب قدم اُٹھاتے نواب افتخار ممدوٹ وزیر اعلیٰ پنجاب نے اعتماد کا ووٹ لینے کیلئے 20 مئی 1948ء کو صوبائی اسمبلی کا اجلاس طلب کر لیا۔ گورنر نے ٹیلی فون پر قائد اعظمؒ سے مزید ہدایات لینے کیلئے رابطہ کیا۔ لیکن اُنہوں نے اپنے جواب میں فرمایا "مجھے اِن لڑکوں کے معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ آپ جو مناسب سمجھیں کریں۔" [20] وہ پنجاب کی صورتِ حال سے کس قدر بد دل اور مایوس تھے۔ یہ اُن کے جواب سے عیاں تھا۔ اِس کشمکش کا اختتام میاں ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات کے استعفے پر ہوا۔

قائد اعظمؒ اپنی بیماری پر بالعموم جلد قابو پالیا کرتے تھے۔ یہ قابو کچھ آرام کی وجہ سے ہوتا تھا۔۔۔ اور زیادہ محترمہ فاطمہ جناح کی نگہداشت کی وجہ سے ہوتا تھا۔ وہ جب بھی بیمار ہوتے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح ساری ساری رات جاگ کر گزارتی تھیں۔ بار بار دیکھتیں کہ اُن کے وجود کے اوپر کپڑا درست بھی ہے کہ نہیں۔ اِس کے علاوہ اُن کی دوائی کے اوقات کا خیال رکھتیں تھیں۔ جونہی کچھ افاقہ ہوتا، اُن کے روزمرہ کی مصروفیات پھر سے شروع ہو جاتیں تھیں۔ فائلوں کو پڑھنا، اُن کے بارے میں سیکرٹریوں یا متعلقہ لوگوں سے بحث و مشورے، اُن کے اوپر ریمارکس دینا۔ کابینہ کی میٹنگوں کی صدارت اور یہ سلسلے رات بھر چلتے۔ جب یہ مصروفیات ہوتیں۔ وہ سب سے زیادہ اپنی خوراک اور آرام سے لاپرواہی برتتے۔ اب پھر کچھ بہتر ہوتے ہی یہ سب سلسلے شروع ہو گئے۔ صوبہ سندھ اور صوبہ پنجاب کی وزارتی اکھاڑ پچھاڑ نے اُنہیں بہت پریشان رکھا، کیونکہ ان دونوں صوبوں کا سیاسی عدم استحکام پاکستان کا سیاسی عدم استحکام تھا۔ اُن کی وجہ سے وہ اپنی بیماری اور آرام کی طرف مناسب توجہ نہ دے سکے۔ اُن کو ایک مدت تک آرام کی ضرورت تھی۔ برسوں کی محنت و مشقت نے اُن کے جسم اور اعصاب کو تھکا دیا ہوا تھا۔ کراچی میں رہتے ہوئے ان سے آرام کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ حکومتی معاملات، مشاورتیں، ان کو آرام کا موقع مہیا نہیں کر رہے تھے۔ کمزوری، بیماری اور مسلسل بخار اُن کیلئے بہت نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کا اصرار اور خود وہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ وزن میں مسلسل کمی اور ہلکا ہلکا بخار اُن کے کسی "دیرینہ مرض" کا شاخسانہ تھا۔ اُن کیلئے چند ہفتوں کا آرام انتہائی ناگزیر ہو گیا تھا۔ اُن کے ذاتی فیزیشن کرنل ڈاکٹر رحمٰن کا یہی اصرار تھا کہ وہ کم از کم دو ماہ تک کوئی کام نہ کریں اور مکمل آرام کریں۔ وگرنہ اُن کی صحت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ سب کے انتہائی اصرار پر وہ آرام کیلئے راضی ہو گئے اور اُن کا انتخاب کوئٹہ تھا۔ [21] وہ پہلے بھی دو مرتبہ آرام کی غرض سے یہاں طویل قیام کر چکے تھے۔ یہاں کی آب و ہوا اُنہیں موافق رہی تھی۔ ویسے بھی مئی جون میں یہاں کا موسم انتہائی خوشگوار ہوتا تھا۔

17 مئی 1948ء کو ایک سرکاری اعلامیہ اخبارات کو جاری ہو گیا کہ قائد اعظمؒ 25 مئی کو کوئٹہ جائیں گے اور وہ کوئٹہ میں چند روزہ قیام کے بعد زیارت روانہ ہو جائیں گے۔ اُس کے چار روز بعد کوئٹہ کے اخبارات میں اُن کے دورے کا پروگرام جاری ہو گیا۔ جس میں استقبالیہ تقاریب کے علاوہ اُن کی متعدد مصروفیات تھیں۔ [22]

حسبِ پروگرام قائد اعظمؒ 25 مئی کو کوئٹہ پہنچ گئے۔ دن کے گیارہ بجے اُن کا جہاز کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر اُترا۔ بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ مسٹری۔ اے۔ جی۔ سیوج، کوئٹہ سب ایریا کے کمانڈر بریگیڈیر احمد جان مقامی لیڈروں، انتظامی افسروں اور عوام کی بہت بڑی تعداد نے

ان کا استقبال کیا۔ بری فوج کے ایک سو سپاہیوں نے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ استقبالیہ تقریب سے فارغ ہو کر وہ ریذیڈنسی تشریف لے گئے۔ جہاں اُن کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ 23

کوئٹہ کی فضاء ایک بار پھر اُن کی صحت کیلئے اکسیر رہی۔ یہاں آتے ہی چند دنوں کے اندر اُن کی صحت بہتر ہو گئی۔ کھانسی بہت حد تک کم ہو گئی۔ ٹمپریچر (درجہ حرارت) بھی نارمل سطح پر آ گیا۔ کئی برسوں بعد وہ پُر سکون نیند کا مزہ لے رہے تھے۔ 24 یہاں اِتنی مصروفیات بھی نہیں تھیں۔ مزید براں محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کے سٹاف کو خصوصی طور پر ہدایت کی ہوئی تھی کہ صرف اہم نوعیت کی ہی فائلیں اُن کے پاس بھیجی جائیں۔ 25

صحت بہتر ہوتے ہی اُن کی مصروفیات بڑھ گئیں۔ محترمہ فاطمہ جناح کی تدبیریں بے اثر ثابت ہوئیں۔ مرکزی حکومت کے امور کے ساتھ ساتھ وہ بلوچستان کے مسائل و مصائب کا بھی مطالعہ کر رہے تھے اور اُس کی بہتری اور ترقی کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لے رہے تھے۔ چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے وفود سے اُن کی لمبی لمبی ملاقاتیں رہتیں۔ اُس زمانے میں آئین کے تحت بلوچستان کو صوبائی درجہ حاصل نہ ہوا تھا۔ اس میں کوئی منتخب اسمبلی، گورنر یا وزیر اعلیٰ نہ تھا۔ وہ بلوچستان کے انتظامات کے براہِ راست نگران تھے۔ اُن کی خواہش تھی کہ اسے پسماندگی سے نکالا جائے اور ترقی کے راستے پر ڈالا جائے۔ وہ صوبائی تقاریب جلسوں اور سیاسی و انتظامی افراد سے ملاقاتوں کو نہایت اہم اور ضروری سمجھتے تھے۔ جلسوں کے ذریعے وہ خود کو براہِ راست مسلم عوام کے ساتھ محسوس کرتے۔ جن کے وہ نجات دہندہ اور محسن تھے۔ سیاسی میٹنگوں میں وہ سیاسی نمائندوں کی تربیت کرتے۔ اُنہیں عوام کی خدمت اور جمہوری رویوں کا سبق سکھاتے۔ اُن کی گفتگو پاکستان اور اُن کے مسائل کے بارے میں ہوتی تھی۔ وہ بہت جلد ایک مستحکم پاکستان دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

پاکستان کا ایک بڑا مسئلہ آئین کا تھا۔ وقتی طور پر 1935ء کے قانون حکومت میں مناسب تبدیلیاں کر کے اُسے عبوری آئین قرار دیا گیا تھا۔ نئے آئین کے بننے تک عبوری مدت

میں آئین ساز اسمبلی ہی ملک کی مرکزی اسمبلی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی اور ملک کی ضرورتوں کے مطابق عام قوانین بنا رہی تھی۔ آئین سازی کا کام اتنا آسان نہ تھا کہ چند دنوں میں مکمل ہو جاتا۔

پاکستان کے قیام کے ساتھ ایسے مسائل ملے تھے جس کے وجہ سے آئین سازی کا اہم کام پس پُشت ڈالنا پڑا تھا۔ اِس موقع پر پاکستان مخالف عناصر عجیب و غریب افواہیں پھیلا رہے تھے۔ اِن سب کی تردید کرتے ہوئے اُنہوں نے فروری 1948ء میں امریکہ کے عوام کے نام اپنی نشری پیغام میں کہا تھا۔

> پاکستانی آئین ساز اسمبلی نے ابھی پاکستان کا آئین مرتب کرنا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اِس آئین کی آخر کار شکل کیا ہو گی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری طرز کا آئین ہو گا۔ جس میں اسلام کے بنیادی اُصول تشکیل ہوں گے۔ یہ اُصول آج بھی اِس طرح عملی زندگی میں قابل عمل ہیں۔ جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ اسلام اور اُس کی اشاعت نے ہمیں جمہوریت کا درس دیا ہے۔ اُس نے انسانی مساوات، عدل اور ہر شخص سے منصفانہ برتاؤ سکھایا ہے۔ ہم اِن درخشاں روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کا آئندہ آئین بنانے والوں کی حیثیت میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں اور فرائض کا پورا احساس ہے۔ بہر حال پاکستان ایک ایسی مذہبی مملکت نہیں ہو گا۔ جس میں مذہبی پیشوا مامور من اللہ کے طور پر حکومت کریں گے۔ ہمارے ہاں بہت سے غیر مسلم ہیں۔ ہندو، عیسائی اور پارسی ۔۔۔ لیکن وہ سب پاکستانی ہیں۔ وہ بھی تمام دوسرے شہریوں کی طرح یکساں حقوق اور مراعات سے بہرہ ور ہوں گے اور پاکستان کے

معاملات میں کماحقہ، کردار ادا کریں گے۔ [26]

ایک بار پھر اقلیتوں کے خدشات کا ازالہ کرتے ہوئے اُنہوں نے 13 جون کو پارسی فرقہ [27] کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں کہا۔

آپ جانتے ہیں کہ میری حکومت اور خود میری پالیسی یہ ہے کہ ذات، رنگ، عقیدے یا نسل کی تمیز روا رکھے بغیر ہر فرقے کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا جائے اور یہ کہ پاکستان میں مکمل امن وامان ہر قیمت پر روا رکھا جائے۔ [28]

17 جون کو قائداعظم محمد علی جناحؒ نے سٹاف کالج کوئٹہ کے افسروں سے خطاب کیا۔ دفاع کے شعبہ کو وہ دیگر شعبوں کی نسبت زیادہ اہمیت دیا کرتے تھے، کیونکہ پاکستان کا مضبوط دفاع ہی اُس کی آزادی کا ضامن تھا۔ وہ فوج کو نظم و ضبط کا پابند اور آئین کا وفادار دیکھنا چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اس پس منظر میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

آپ نے مجھے جو عزت بخشی ہے۔ میں اُس کیلئے آپ کا تہہ دل سے ممنون ہوں۔ آپ سب حضرات اور پاکستانی فوج کے دوسرے ارکان ملک کے تمام لوگوں کی جان، اُن کی عزت اور اُن کے مال کے محافظ و امین ہیں۔ پاکستان کے تمام شعبوں میں محکمہ دفاع سب سے اہم ہے اور اسی مناسبت سے پاکستانی افواج پر بہت زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتیں ہیں۔

میں نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا ہے اُس سے مجھے یقین ہو چکا ہے کہ پاکستانی فوج کے حوصلے بلند اور ہمتیں اُستوار ہیں۔ سب سے زیادہ جو بات ہمارے لئے خوشی کا باعث ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہمارا ہر افسر اور سپاہی خواہ وہ کسی نسل و فرقے سے تعلق کیوں نہ رکھتا

ہو پاکستان کا سچا خادم ہے۔ اگر آپ متفقہ طور پر سچے پاکستانیوں کی طرح بے لوث خدمات انجام دیتے رہیں تو پھر پاکستان کو کسی چیز کا خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔

میں نے محسوس کیا ہے کہ فوجیوں نے جو حلف اُٹھایا ہے وہ اُس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھتے نہیں ہیں۔ ویسے تو قسم کھانا صرف چند الفاظ کو زبان سے دہرا دینا ہے۔ لیکن جو بات زیادہ اہم ہے وہ اُس کے معنی و مفہوم ہیں۔ اِس موقع پر میں آپ کے سامنے اُس قسم کو دہرانا چاہتا ہوں۔

"میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر حلف اُٹھاتا ہوں کہ میں پاکستان کے آئین و مملکت کا وفادار رہوں گا اور میرا فرض ہوگا کہ میں ایمانداری اور وفاداری سے پاکستانی فوج میں خدمات انجام دیتا رہوں گا۔ اِس دوران ملازمت میں ہوائی جہاز، سمندر پار یا زمین سے جہاں کہیں بھی بھیجا جائے گا، جاؤں گا اور اگر جان کا خطرہ ہوگا تب بھی میں اُن افسروں کا حکم مانوں گا جو میرے اوپر متعین کئے جائیں گے۔"

جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے کہ اصل چیز تو معنی ہوتے ہیں۔ اِس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ رائج الوقت آئین کا مطالعہ کریں اور اُس کی آئینی و قانونی شقوں کو سمجھیں کہ اُس کا مطلب کیا ہے۔۔۔؟

اگر آپ کو وقت ملے تو آپ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935ء کو جس ترمیم کے ساتھ پاکستانیوں نے قبول کر لیا ہے۔

> مطالعہ کریں میں چاہتا ہوں کہ آپ یاد رکھیں کہ انتظامی اختیارات کا منبع ومخرج حکومت پاکستان کا سربراہ ہے۔ جو گورنر جنرل ہوتا ہے اور اس لئے آپ کو جو احکامات دیئے جاتے ہیں وہ اُس کی مرضی ومنشاء کے بغیر نہیں دیئے جاسکتے اور آئین آپ سے اِس اَمر کا متقاضی ہے کہ آپ اِن احکامات پر عمل پیرا ہونے میں کبھی تامل نہ کریں۔ [29]

تقسیم ہند کا ایجنڈا ہندوؤں کی سازش اور انگریز بددیانتی کی وجہ سے اُدھورا تھا۔ حیدر آباد دکن برصغیر پاک وہند کی سب سے اہم ریاست تھی۔ اِس کا رقبہ 82 ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھی۔ اِس کی سالانہ آمدن 26 کروڑ روپے تھی۔ اُس کی اپنی کرنسی اور ڈاک ٹکٹ تھا۔ اپنے رقبہ، وسائل، اہمیت، سطوت کے اعتبار سے حیدر آباد کی ریاست اپنے آپ کو ایک آزاد وخودمختار مملکت کی حیثیت کا حق دار سمجھتی تھی۔ 3 جون کے منصوبے کے اعلان کے بعد نظام حیدر آباد نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ نہ ہندوستان سے الحاق کرے گا اور نہ پاکستان سے اُسے اپنی ریاست کیلئے درجہ نوآبادیات کی توقع تھی۔ [30] لیکن لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے انکار کر دیا۔ بدقسمتی سے یہ ریاست تمام اطراف سے بھارتی علاقہ میں گھری ہوئی تھی اور اُس کا سمندر کے ساتھ کوئی رابطہ نہ تھا۔ اُس کا پاکستان کے ساتھ بھی الحاق مشکل تھا۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور اُس کے مشیروں کا مشورہ نظام حیدر آباد کو یہی تھا کہ الحاق ہندوستان کی دستاویز پر دستخط کر دیں۔ اِس کیلئے نظام تیار نہ تھا۔ 15 اگست 1947ء تک اِس معاملے کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا۔ برصغیر میں مسلمانوں کی تہذیب، ثقافت اور علوم وفنون کا مرکز ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اگر اس کا الحاق پاکستان سے نہیں ہوتا تو یہ اپنے آزاد تشخص کے ساتھ قائم رہے۔

ہندوستان اور حیدر آباد کے درمیان 29 نومبر 1947ء کو ایک اقرار نامہ طے ہوا تھا جس کے تحت اُن کے موجودہ روابط سردست برقرار رہنے تھے۔ اِس معاملے کا کوئی مناسب اور معقول حل نکالا جاسکتا تھا۔ لیکن ہندوستان اِس معاملے کو طاقت سے حل کرنے کا خواہش مند تھا۔

پاکستان اِس پوزیشن میں نہ تھا کہ حیدر آباد دکن کی مدد کیلئے ہندوستان پر دباؤ ڈال سکے تاہم اخلاقی حمایت کیلئے کوئٹہ سے اپنے ایک بیان میں قائداعظمؒ نے کہا۔

> ساری دُنیا جانتی ہے اور خود ہندوستان اور حیدر آباد کو بھی معلوم ہے کہ حیدر آباد ایک آزاد اور خودمختار ریاست ہے اور یہ طے کرنا اُس کے دستور ساز ادارے کا کام ہے کہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے یا آزاد رہے۔ ہندوستان کو ریاست حیدر آباد کو اپنے سے ملحق کرنے کیلئے طاقت وتشدد کے ذریعے مجبور کرنا شرافت واخلاق کے خلاف ہے۔ انصاف اور بھائی چارے کے خلاف ہے۔ کیا ایک آزاد خودمختار پڑوسی مملکت سے برتاؤ کا یہ طریقہ مناسب ہے؟ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صرف پاکستان کے مسلمان ہی نہیں بلکہ پوری دُنیا کے مسلمان حیدر آباد کے ساتھ ہیں اور اس کی جدوجہد کو قدر اور ہمدردی سے دیکھتے ہیں۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے نہ کرنے میں حیدر آباد کو آزاد ہونا چاہیے۔۔۔ ہندوستان اور حیدر آباد دونوں کیلئے صرف یہی ایک باوقار اور باعزت راستہ ہے۔ [31]

قائداعظمؒ کی اخلاقی حمایت کا یہ نتیجہ تھا کہ ہندوستان کو اُن کی زندگی میں حیدر آباد پر فوج کشی کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ جونہی اُن کا انتقال ہوا اُس کے ٹھیک دو دن بعد ہندوستان کی فوجیں ریاست میں داخل ہوگئیں۔

15 جون کو وہ کوئٹہ کے شہریوں سے ایک جلسہ عام میں خطاب کر رہے تھے۔ وہ صوبائیت کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

> ہم سب پاکستانی ہیں، ہم میں سے کوئی شخص بھی پنجابی، بلوچی،

سندھی یا بنگالی نہیں ہم میں سے ہر ایک کو پاکستانی کی حیثیت سے سوچنا ہے، محسوس کرنا ہے اور عمل کرنا چاہیے اور ہم کو پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہیے۔ ہر شخص کو اپنے وطن سے محبت اور اُس کی خوشحالی کیلئے کوشش کرنی چاہیے۔ لیکن اُس کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنے ملک سے اور بھی محبت کرے اور اُس کی فلاح و بہبود کیلئے اور بھی کوشش کرے۔ کسی خاص جگہ سے اُنس یا تعلق رکھنا بھی ایک معنی رکھتا ہے۔ مگر ایک جزو کی حیثیت اسی وقت باقی رہتی ہے جب تک وہ کُل کے ساتھ ہے، کُل سے کٹ کر اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔

یہ حقیقت ہے کہ لوگ بھول میں پڑ جاتے ہیں اور مقامی، صوبائی یا فرقہ وارانہ فائدوں کو زیادہ دیکھتے ہیں اور قومی مفاد سے بے پروائی برتتے ہیں۔ یہ پُرانے نظام کی یادگار ہے۔ جب آپ کو صرف صوبائی خودمختاری ملی تھی اور آپ مقامی معاملات کی حد تک برطانوی حاکمیت سے بے پروا تھے۔ لیکن اب جبکہ آپ کی اپنی مرکزی حکومت ہے اور وہ بااختیار ہے۔ پرانے انداز میں سوچتے رہنا نادانی ہے۔ صوبائی تعصب ایک لعنت ہے۔ اِسی طرح شیعہ سُنی وغیرہ کے سلسلے میں فرقہ پرستی بھی۔

اپنی بلوچستان سے محبت کا اظہار کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

صوبہ بلوچستان کی ذمہ داری براہ راست میری ہے۔ اِس لئے بلوچستان کے مسئلے میں مجھے خاص دلچسپی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ صوبہ بھی دوسرے صوبوں کی طرح مملکت کے معاملات میں پورا

پورا حصہ لے۔ لیکن اُسے دوسرے صوبوں کے برابر لانے کیلئے کچھ وقت درکار ہوگا۔ آپ لوگوں سے میری درخواست ہے کہ آپ میرا ہاتھ بٹائیں۔ 32

کوئٹہ میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی مصروفیات اُن کی صحت کیلئے مضر ہو سکتی تھیں۔ ڈاکٹر اُنہیں قطعی طور پر بستر پر دیکھنا چاہتے تھے۔ بیماری کا تقاضا بھی یہی تھا کہ مکمل آرام کیا جائے لیکن آرام کی بجائے وہ ملکی اور کوئٹہ کے معاملات میں انتہائی مصروف تھے۔ کراچی سے اُن کی ڈاک روزانہ آتی تھی۔ وہ اِس کا بڑی گہرائی اور باریک بینی سے مطالعہ کرتے۔ اُن پر نوٹس لکھتے، سیاسی نمائندوں اور وفود سے ملاقاتیں کرتے۔ گھنٹوں لمبی تقریبات میں بڑے اہتمام سے شرکت کرتے۔ ان سب کاموں میں کہیں آرام کیلئے وقت نہ تھا۔ اُن کے دیرینہ دوستوں میں محترم مرزا ابوالحسن اصفہانی (امریکہ میں پاکستان کے سفیر) جن سے مرتے دم تک اُن کی خط وکتابت رہی اُن کی صحت کے بارے میں بہت تشویش مند رہتے تھے۔ وہ اپنے خطوط میں ہمیشہ اُنہیں اُن کی صحت کے بارے میں خصوصی تاکید کرتے رہتے تھے۔ قائداعظمؒ نے اُنہیں 14 جون 1948ء کو ایک خط میں لکھا کہ

"آپ میری فکر نہ کریں۔ مجھے معمول سے زیادہ کام کرنا پڑا اور اُس کا تاوان ادا کرنا پڑا۔ لیکن میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے۔ کوئٹہ میں کسی قدر آرام کرنے سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے۔ 17 مئی کو میں زیارت جا رہا ہوں۔ جہاں مجھے اُمید ہے کہ میں تقریباً دس دن قیام کروں گا اور غالباً اِس مہینے کے آخر تک کراچی آ جاؤں گا۔" 33

اگلے دو دن مزید مصروفیات میں گزار کر وہ 17 جون کو زیارت روانہ ہو گئے۔

قائداعظمؒ زیارت میں

17 جون کو قائد اعظم محمد علی جناحؒ حسب پروگرام زیارت آ گئے۔ اُن کے ہمراہ بلوچستان میں گورنر جنرل کے ایجنٹ مسٹر سی، اے، جی، سیوج، جوائنٹ سیکرٹری وزارت خارجہ کرنل اے۔ ایس۔ بی شاہ اور ذاتی سٹاف تھا۔ ان کا یہاں دس دن قیام کا ارادہ تھا۔

زیارت

زیارت کوئٹہ سے 133 کلومیٹر دور شمال مشرق کی جانب صحت افزاء مقام ہے۔ [34] کوئٹہ سے زیارت کا راستہ پہاڑی ہے۔ بل کھاتی ہوئی پیچ در پیچ سڑکیں ہیں۔ راستے میں اِتنے جاذب اور خوبصورت باغات ہیں کہ اُن کے نظاروں میں دل ونظر اسیر ہو جاتے ہیں۔ زیادہ ترسیب، آڑو اور دیگر پھلوں کے باغات دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئٹہ سے دوران سفر کچلاک کی سرسبز و شاداب وادی، بلیلی اور کچھ، کوہستانی زندگی کا خوبصورت اور دلکش نظارہ پیش کرتے ہیں۔ [35] سطح سمندر سے یہ مقام (8200) آٹھ ہزار دو سو فٹ بلند ہے [36] اور دُنیا میں یہ وادی جونیپر "Juniper" کے جنگلات کا قدیم ترین اور وسیع ترین علاقہ ہے۔ [37]

یہاں کا موسم کوئٹہ سے زیادہ خوشگوار اور شاندار ہوتا ہے۔ مئی جون میں صرف ایک قمیض میں یہاں کے موسم کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ سردیوں میں خاصے کڑاکے کی سردی ہوتی ہے۔ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی گر جاتا ہے۔ خوب برف باری ہوتی ہے۔ سفید برف کوہ و دمن پر اِس طرح چھا جاتی ہے جیسے فطرت کی چاندنی چارسو پھیلتی ہے۔ سر رابرٹ سنڈیمن [38] جن کے نام پر کوئٹہ میں ہسپتال، سکول اور فورٹ سنڈیمن ہے اُنہوں نے 1886ء میں زیارت کو بلوچستان کا موسم گرما کا صدر مقام مقرر کیا تھا۔ [39]

زیارت کا پرانا نام گواشکی [40] یا غوشکی [41] تھا۔ زیارت کسی درگاہ پر حاضری کو کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ خرواری بابا [42] "Kharwari Baba"، کھرواری بابا [43] نے یہاں آرام کیلئے قیام کیا تھا۔ اور اُن کی نسبت سے یہ علاقہ زیارت کے نام سے معروف ہو گیا۔ زیارت کے قصبے سے آٹھ کلومیٹر دور اُن کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق عام ہے۔ ہر امیر و غریب وہاں حاضر ہو کر اپنی مرادیں پاتا ہے۔

جس جگہ قائداعظمؒ کا قیام تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح اِس بارے میں لکھتی ہیں کہ

"زیارت کی ریذیڈنسی جہاں ہم ٹھہرے وہ ایک پُرمنظر، پرانی اور دو منزلہ عمارت تھی جو ایک بلند و بالا پہاڑی پر کسی مستعد چوکیدار کی طرح کھڑی تھی۔ اِس کے لان اور گارڈن وسیع تھے۔ جہاں پرندے صبح نغمہ گاتے اور شام کو چہچہاتے، پھل دار درختوں کا ایک جھنڈ اور پھولوں کے تختے یہاں کے منظر کی خوبصورتی کو اور دوبالا کرتے۔ قائداعظمؒ اِس کی خاموشی اور دلکشی پر فریفتہ ہو گئے۔" [44]

یہ ریذیڈنسی شہر یا بازار سے پچاس گز اونچی ہے۔ ریذیڈنسی کے باہر گورنر جنرل ہاؤس کے الفاظ کندہ ہیں۔ 7 جنوری 1977ء کو قومی اسمبلی میں ایک قرارداد کے ذریعے زیارت ریذیڈنسی کا نام قائداعظمؒ رکھ دیا گیا۔ [45] ریذیڈنسی کی عمارت 1882ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ [46] اُس وقت اِس پر اُنتالیس ہزار روپے کی لاگت آئی تھی۔ [47] عمارت دو منزلہ ہے۔ اُس کے فرش اور چھجے لکڑی کے بنائے گئے ہیں۔ عمارت نوفٹ برآمدے سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے بعد تقریباً 20 x 14 فٹ کی نشست گاہ اور اُسی سائز کا کھانے کا کمرہ ہے، حمام اور سنگھار خانے کے ساتھ دو مستطیل کمرے ہیں۔ جن میں ایک کا رقبہ سترہ فٹ گیارہ انچ ضرب تیرہ فٹ دس انچ ہے۔ اس منزل میں باورچی خانہ، نعمت خانہ اور سامان کا کمرہ ہے۔ بالائی منزل چار کشادہ کمروں اور نوفٹ چوڑے ایک دالان پر مشتمل ہے۔ ہر کمرے کے ساتھ غسل خانہ ملحق ہے۔ بالائی منزل پر جانے کیلئے درمیانی راستہ پر ایک چوبی زینہ بنایا گیا ہے۔ ریذیڈنسی کے جنوب مشرقی اور جنوب مغربی

کناروں پر لکڑی کے جنگلے کے ساتھ ایک زینہ ہے۔ جس کے قدمچے پتھر کے ہیں۔ عمارت کی دیواریں ناہموار ہیں اور کھردرے مربع نما پتھر کے بلاکوں کی ہیں، جن کی چنائی سیمنٹ سے ہوئی ہے۔ فرش، چھت، کنارے اور سامنے کے دالان اور ڈیوڑھی میں صنوبر کی لکڑی استعمال ہوئی ہے۔ اوپری ڈھلوان لوہے کی نالی اور چادر سے بنائی گئی ہے۔ 48

زیارت میں نہ تو کراچی کی جھلسا دینے والی گرمی تھی اور نہ ہی گورنر جنرل کے ضابطے۔ یہاں گورنر جنرل محض قائداعظمؒ تھے اور قائداعظمؒ تعطیلات میں مصروف ایک عام شخص کی طرح آرام فرماتے تھے۔ اُن کے کمرے میں لطیفے اور کہانیاں ہوتیں۔ مباحثوں کی محفل گرم ہوتی اور اے ڈی سی بھی گفتگو میں شریک ہوتے۔

قائداعظمؒ کے زیارت کے قیام کے بارے میں اُن کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد یوں بیان کرتے ہیں۔

"جس بنگلے میں قائداعظمؒ کا قیام تھا، وہ پہاڑوں کے درمیان خاصی بلندی پر واقع تھا۔ اُس کے احاطے میں پھلوں کے درخت ہیں اور ایک چمن ہے۔ جو جونیپر "Juniper" اور جنگلی لیونڈر "Lavender" کی خوشبو سے بسا ہوا تھا۔۔۔۔ وہاں پہنچتے ہی ہم نے گورنر جنرل کا نیلا پرچم بنگلے پر نصب کر دیا اور ہمارا خیال تھا کہ اب قائداعظمؒ کچھ دن مکمل طور پر آرام کر سکیں گے لیکن محنت اُن کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی اور آرام کرنا اُن کیلئے ممکن نہ تھا۔ ہر روز کراچی سے اُن کی ڈاک۔ سیاہ صندوقوں میں آتی جن پر M.A.J کی سنہری مہر لگی ہوتی۔ یہ صندوق سرکاری کاغذوں سے بھرے ہوتے۔ قائداعظمؒ اُن کے مطالعے میں مصروف رہتے۔ اُن کی پتلی پتلی اُنگلیاں اُن میں اُلجھی رہتیں۔ میرے ذہن میں قائداعظمؒ کی جو

تصویریں محفوظ ہیں اُن میں یہ تصویر سب سے زیادہ صاف ہے۔"

اپنے عملے کے ساتھ قائداعظمؒ کے تعلقات بالکل رسمی انداز کے تھے۔ لیکن زیارت کے قیام کے دوران وہ اُن سے گھل مل گئے۔ وہ اُنہیں اپنے کمرے میں اکٹھا کر لیتے اور اُن سے گپ شپ کرتے تھے۔ عموماً وہ سبق آموز قصے اُن کو سُناتے۔ وہ اکثر اِس نصیحت سے سُناتے کہ وہ نہ صرف اُن سے استفادہ کریں اور سبق حاصل کریں۔ عموماً قصہ شروع کرنے سے پہلے وہ اُنگلی اُٹھاتے اور بات شروع کرتے۔

"اُن کا سُنایا ہوا قصہ اب تک مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے۔ ایک دفعہ شملہ کے قیام کے دوران وہ پیدل سیر کرتے ہوئے کوہ جیکو گئے۔ اُن کی جیب میں کچھ Peanuts (مونگ پھلی) تھے۔ جو اُنہوں نے وہاں گھومنے والے بندروں کے سامنے ڈال دیئے۔ اُنہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ بندروں نے پھلیوں کی خاطر آپس میں کوئی چھین جھپٹ نہ کی اور خاموش کھڑے رہے۔ پھر ایک موٹا بندر درخت پر سے اُترا اور پھلیوں کی طرف بڑھا۔ اُسے دیکھ کر سب بندر خاموش ہو گئے اور اپنے سردار کے راستے سے ہٹ گئے اور جب تک اُس نے پھلیاں نہ کھالیں کسی اور نے اُنہیں منہ سے نہ لگایا۔ یہ قصہ سُنا کر قائداعظمؒ کہنے لگے۔ تم نے دیکھا کہ بندر تک نظم وضبط کے پابند ہیں۔"

قائداعظمؒ کا نحیف و لاغر جسم دیکھ کر ہم سب کو بہت دُکھ ہوتا تھا۔ ایک روز صبح اُنہوں نے کہا کہ اب دن میں سردی زیادہ ہونے لگی ہے اور اُنہیں چند اونی بنیانوں کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کیلئے تو زنانہ ناپ کی بنیان ڈھونڈنا پڑے گی، یہ سُن کر وہ

مُسکرا دیئے۔ میں کوئٹہ جا کر اُن کیلئے بنیان لے آیا۔ لیکن پہلی ہی ڈھلائی میں اُن میں سوراخ ہو گئے۔ میں اُنہیں بدلوانے کیلئے پھر دُکان پر لے گیا۔ لیکن وہاں اِس قسم کی اور بنیانیں نہ تھیں اور دُکان دار نے اُنہیں رَفو کروا دیا۔ قائد اعظمؒ اِس سے مطمئن نہ ہوئے۔ اُن کا خیال تھا کہ قیمت میں کچھ کمی ہونا چاہیے۔ دُکان دار راضی ہو گیا۔ میں نے پانچ روپے اُس سے لے کر قائد اعظمؒ کو لوٹا دیئے۔ اُس پر اُنہوں نے خوش ہو کر کہا۔ شاباش، تم بھی روپے کی قدر کرنا سیکھو۔ 49

قائد اعظمؒ کو تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے جان و مال کے نقصان کا انتہائی دُکھ اور صدمہ تھا۔ ہندوؤں کے مظالم چنگیز اور ہلاکو کو شرماتے تھے۔ قتل و غارت کا سلسلہ تھما نہیں تھا، جاری تھا۔ ہندوستان میں مسلمان ہونا جرم بن گیا تھا اور اس جرم کی سزا وحشیانہ موت تھی۔ ایک روز لیفٹیننٹ مظہر احمد (اے۔ڈی۔سی) سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے ہندوستان میں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کے قتل عام پر گہری تشویش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا۔

"مسلمان کے خلاف یہ وحشیانہ طرزِ عمل جنگ سے کم نہیں۔۔۔ میں یہ تو سمجھتا ہوں کہ ہندو مجھے قتل کرنا کیوں چاہتے تھے؟ یہی نا کہ میں اُن کیلئے پاکستان تھا، اگر میں ختم ہو جاتا تو پاکستان ختم ہو جاتا۔۔۔ لیکن ایک ایسے کنویں میں زہر ڈال دینے کا مقصد سمجھ میں نہیں آتا۔ جس سے اُس ہسپتال کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے جہاں وحشیانہ اور ظالمانہ طرزِ عمل کے شکار بچوں اور عورتوں کا علاج ہو رہا ہے۔۔۔ یہ انسانیت نہیں، یہ حرکتیں تو درندوں کو بھی زیب نہیں دیتیں۔ 50

وہ آرام کے لمحات میں بھی مسلمانوں کی حالت سے غافل نہ تھے۔ اُن کی یہ سوچیں اور فکریں اُن کی بیماری کو اور بڑھا رہی تھیں۔

زیارت کی رہائش گاہ سے تھوڑے فاصلے پر ایک خوبصورت تالاب ہے۔ جہاں قائد اعظم اپنے قیام کے دوران سیر کو جایا کرتے تھے۔ اُس کے قریب ہی ایک پگ ڈنڈی پر جس کے دونوں طرف جونیپر کے پودے جھومتے ہیں، ایک قدرتی چشمے کو جاتی ہے۔ زیارت سے مغرب کی جانب تھوڑے فاصلے پر کئی آبشار فطرت کے سکوت میں نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ پہاڑوں کے دو سلسلوں کو عبور کر کے ایک تیسرے پہاڑ میں جو کہ عمودی پُر پیچ اور تنگ و تاریک سلسلوں کا حامل ہے، آبشاریں ہیں۔ کافی بلندی سے شفاف پانی کے آبشار جب سنگ مرمر کے مختلف النوع رنگوں کے سنگ ریزوں پر گرتے ہیں تو عجیب سماں بندھ جاتا ہے اور ایسے میں اگر دامن کوہسار کی خنک ہوا سرگوشیاں کر رہی ہو، سکوت تنہائی یا بزم دوستاں ہو تو زیارت واقعی ایک حسین و جمیل پربتوں کی شہزادی معلوم ہوتی ہے۔ 51

غالباً ایسے ہی مناظر سے مسحور ہو کر قائد اعظمؒ نے اپنے سیکرٹری فرخ امین سے کہا تھا۔

"مجھے زیارت بہت پسند ہے۔ اسے ایک خوبصورت شہر بنایا جا سکتا ہے۔ جس میں ہر جگہ بڑے بڑے آرام دہ ہوٹل، خوبصورت بنگلے، پارک اور پھولوں سے لدے ہوئے باغ باغیچے ہوں۔ اُس کے بعد مُسکرا کر فرمانے لگے۔ تمہیں پتہ ہے میں اِس طرح کے خواب دیکھتا ہوں اور کبھی کبھی میرے خواب پورے بھی ہو جاتے ہیں۔ پاکستان بھی کبھی اِس طرح کا ایک خواب تھا۔ جس طرح کا یہ خواب زیارت کے متعلق ہے اور ممکن ہے ایک دن یہ خواب بھی پورا ہو کر رہے۔ 52

زیارت کے قیام کے دوران وہ مرکزی اُمور اور ملک کے حالات و معاملات سے بے

خبر نہ تھے۔ اہم فائلیں اُن تک پہنچتی رہتیں تھیں اور وہ اُن پر اپنے مشورے دیتے رہتے تھے۔ زیارت ہی میں اُنہوں نے سندھ مسلم لیگ کے نمائندوں کے ایک وفد سے ملاقات کی اور کراچی کو وفاقی دارالحکومت کا علاقہ قرار دینے کے خلاف اعتراضات سنے۔ یہ ساری تحریک ایوب کھوڑو سابقہ وزیرِاعلیٰ سندھ کی چلائی ہوئی تھی۔ جنہوں نے اپنے عہدے سے برطرفی کے بعد مرکزی حکومت کے خلاف اعلان جنگ کیا ہوا تھا۔ قائداعظمؒ نے اِس وفد کو سمجھایا کہ وہ "دستور ساز اسمبلی کے فیصلہ کو قبول کرلیں اور احتجاجی مظاہروں کا سلسلہ بند کردیں۔ بصورتِ دیگر پاکستان کی بنیادیں کمزور ہو جائیں گی۔ کیونکہ ملک پہلے ہی ایک بحرانی دور سے گزر رہا ہے"۔ علاوہ ازیں اُنہوں نے کہا کہ مرکزی حکومت آہستہ آہستہ دفاتر بنائے گی اور تمام املاک کا معاوضہ ادا کرے گی۔ کراچی میں جو بھی تعمیر کا کام ہوگا اور سہولتیں میسر ہوں گی اُن سے بہر حال سندھ کو فائدہ پہنچے گا۔ [53]

وفد کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ساری گفتگو اور مشورے اُن کی ہدایت پر اخبارات میں شائع ہوئے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سندھ مسلم لیگ نے 5 جولائی کو 5 کے مقابلہ میں 26 ووٹوں سے قائداعظمؒ کے مشورے کی حمایت کردی۔ یہ صرف قائداعظمؒ ہی تھے جو اِس قسم کے فساد انگیز طوفانوں کو ایک اشارے سے ختم کرسکتے تھے۔ [54]

جن دنوں قائداعظمؒ زیارت میں تھے۔ اُنہی دنوں کراچی میں گورنر جنرل کی کوٹھی کے قریب پاکستان کے سرکاری بینک "State Bank" کی شان دار عمارت مکمل ہوئی۔ یہ بینک ملک کی اقتصادی خودمختاری کا نشان تھا اور قائداعظمؒ کو پاکستان کی بقاء پر جو یقین کامل تھا یہ عمارت اُس کا ایک شاندار مادی مظہر تھی۔ اِس کا قیام تقسیم کے ساتھ ہی آ جانا چاہیے تھا کیونکہ اِس کے بغیر آزاد مملکت کی معیشت کو اُس کی آزادانہ پالیسی پر گامزن ہونا بہت دشوار تھا۔ لیکن تقسیم کے مسائل نے اِس طرف توجہ ہونے نہ دی۔ چنانچہ یہی طے کیا گیا کہ ریزرو بینک آف انڈیا کم و بیش ایک سال کیلئے پاکستان کے مالیاتی اُمور کا بندوبست کرے۔ سٹیٹ بینک کے گورنر کے طور پر "زاہد حسین" کا انتخاب ایک طے شدہ معاملہ تھا۔ وہ ایک آزمودہ کار ماہر مالیات تھے۔ لیکن جب یکم

اکتوبر 1948ء تک ریزرو بینک آف انڈیا ہی کو پاکستان کے کرنسی کے معاملات سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا تو اُنہیں عارضی طور پر ہندوستان میں ہائی کمشنر برائے پاکستان مقرر کردیا گیا۔ جب دسمبر 1947ء میں حکومت ہندوستان کی ہدایات کے تحت ریزرو بینک آف انڈیا نے پاکستان کے حصہ کے متفق علیہ نقد بقایاجات روک لئے۔ تو طے شدہ تاریخ سے پہلے ہی اپنے لئے آپ انتظام کرنے کی ضرورت واضح ہوگئی اور اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے قیام کی تاریخ تین ماہ قبل یکم جولائی کردی گئی۔ [55]

قائداعظم محمد علی جناحؒ یکم جولائی 1948ء کو کراچی میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی دعوت قبول کرچکے تھے اگرچہ اُن کی طبیعت ناساز تھی۔ لیکن وہ اِس بات پر مصر تھے کہ بینک کا افتتاح وہ خود کریں گے۔ اِس موقع پر اُن کے اے ڈی سی نے یہ مشورہ دیا کہ تقریر کا مسودہ کراچی بھیج دیا جائے اور افتتاح کے وقت گورنر جنرل کی طرف سے وزیراعظم اُسے پڑھ دیں۔ اُنہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ لیکن ہاتھ کے اشارے سے یہ تجویز رد کردی۔ [56]
جب ایسی ہی تجویز محترمہ فاطمہ جناح نے بھی دی تو انہوں نے جواباً کہا۔

> "تم جانتی ہو کہ کانگریس اور ہندو پیش گوئی کرچکے ہیں کہ پاکستان ایک دیوالیہ ملک ہوگا اور یہ کہ ہمارے لوگ تجارت، صنعت، بینکنگ، جہاز رانی اور انشورنس وغیرہ کے شعبوں کو نہیں چلا سکیں گے۔ چنانچہ ہمیں لازماً ثابت کرنا ہے کہ ہمارے پاس نہ صرف سیاسی شعبے میں ٹیلنٹ موجود ہے۔ بلکہ مالیات اور بنکاری میں بھی ہمارے پاس باصلاحیت افراد کی کمی نہیں ہے۔ لہٰذا میری وہاں موجودگی نہایت ضروری ہے اور پھر اس کے بعد ہم چند روز کے اندر ہی کوئٹہ واپس آ جائیں گے۔ تم میری صحت کے بارے میں اِس قدر پریشان کیوں ہو؟۔۔۔ مجھے اپنا فرض بہر حال ادا کرنا

ہے۔ میں اُسے ملتوی نہیں کرسکتا اور تم کہہ سکتی ہو کہ میں اِس سلسلہ میں کوئی خطرہ قبول نہیں کرسکتا۔ 57

زیارت سے کراچی روانگی کیلئے قائداعظم محمد علی جناحؒ 28 جون کو کوئٹہ پہنچے۔ اُس دن شام چھ بجے اُنہوں نے بریگیڈ سپورٹس گراؤنڈ میں منعقد ہونے والے سالانہ جلسے میں شرکت کی۔ جونہی وہ بریگیڈ گراؤنڈ پہنچے وہاں موجود ایک لاکھ سے زائد تماشائیوں نے جو کھیلیں دیکھنے کیلئے جمع تھے، پُرزور تالیوں سے اظہارِ مسرت کیا اور کوئٹہ کی آس پاس کی پہاڑیاں قائداعظمؒ زندہ باد کے نعروں سے گونج اُٹھیں۔ 58

اگلے دن 29 جون کی صبح دس بجے قائداعظمؒ اپنے خصوصی طیارے سے ماڑی پور ہوائی اڈے پر اُترے۔ وزیراعظم، کابینہ کے وزراء، اعلیٰ افسروں اور سیاسی ورکروں نے اُن کا استقبال کیا۔ کوئٹہ سے کراچی کا یہ سفر اُن کے لئے زیادہ خوشگوار نہ تھا۔ اِس نے اُنہیں بہت تھکا دیا۔ افتتاحی تقریب کی صبح وہ اپنے بستر سے لگے ہوئے تھے، اور بے حد کمزوری محسوس کر رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ اُٹھے تقریب کیلئے اپنا بہترین لباس پہنا اپنی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر اپنی قیام گاہ سے بینک کی عمارت تک گئے۔ یہ گاڑی اُن سواریوں میں سے تھی جو انگریزوں کے زمانے میں وائسرائے کیلئے مخصوص تھی اور تقسیم ہند کے وقت دہلی سے کراچی آئی تھی۔ اُسے چھ گھوڑے کھینچ رہے تھے اور اُس کا محافظ دستہ شوخ سرخ رنگ کی وردیاں پہنے ہوا تھا۔ جو انگریزوں کے عہد میں وائسرائے کے باڈی گارڈ پہنا کرتے تھے۔ اُس روز کراچی کے لوگوں نے پہلی اور آخری مرتبہ اپنے مسیحا کو شاہانہ کروفر سے نکلتے دیکھا۔ 59

جب قائداعظمؒ کا جلوس گورنر جنرل کی کوٹھی سے نکلنے والا تھا۔ تو اُنہوں نے جھک کر کچھ شوخی اور کچھ شرارت سے اپنے ملٹری سیکرٹری کرنل نولز سے پوچھا "کرنل نولز (Col. Knowles" مجھے اُمید ہے اِن گھوڑوں کو اِس سفر کیلئے کافی مشق کرائی گئی ہے" 60 اِس مذاق پر یقیناً وہ زیرِ لب مسکرا دیا ہوگا۔ اِس تقریب کی اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ بانی پاکستان کی آخری

سرکاری مصروفیت تھی۔ اُس کے بعد مرض الموت نے اُنہیں مہلت نہ دی۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود اِس تقریب کیلئے اُن کا اصرار اور شرکت کی اہمیت اُن کے خطاب سے واضح تھی۔ آپ نے اِس موقع پر فرمایا۔

مسٹر گورنر، ڈائریکٹر صاحبان سٹیٹ بینک، خواتین وحضرات!

"سٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح آج اِس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے ہمارے ملک کو اقتصادی میدان میں بھی خودمختاری مل گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اِس ادارے کے افتتاح کی رسم ادا کرتے ہوئے میں حد درجہ مسرت محسوس کر رہا ہوں۔ پچھلے سال اگست میں ہمیں گمان تک نہ تھا کہ ہم اِس نوزائیدہ مملکت کے قیام کے ساتھ ہی اُس کا اپنا بینک قائم کر لیں گے۔ کیونکہ جس ادارے کو کرنسی نوٹ جاری کرنے اور بنکاری کے سلسلہ میں طرح طرح کے تکنیکی اور نازک کردار ادا کرنے ہوں، اُس کے قیام سے پہلے بھاری تیاریوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ یہ مہلت حاصل کرنے کیلئے ہی پاکستان کے مالی نظام ریزرو بینک کے آرڈر مجریہ 1947ء میں یہ دفعہ رکھی گئی تھی کہ پاکستان میں کرنسی نوٹ کے اجراء اور بنکاری کی ذمہ داری 30 ستمبر 1948ء تک ریزرو بینک آف انڈیا ادا کرے۔ لیکن بعد کے حالات نے ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم سوچیں کہ ریزرو بینک آف انڈیا کو جس قدر جلد اُس کی ذمہ داری سے سبکدوش کر دیں اُتنا ہی پاکستان کے بہترین مفاد کے مترادف ہوگا۔

چنانچہ بھارتی حکومت اور ریزرو بینک آف انڈیا کے ساتھ

سمجھوتہ کر کے یہ ذمہ داری پاکستان کے کسی ادارے کے سپرد کر دینے کی مہلت میں 3 ماہ کی کمی کا فیصلہ کرلیا گیا اور ساتھ ہی یہ فیصلہ کیا گیا کہ ہماری کرنسی اور بنکاری کے انتظام کیلئے کسی اور ادارے کے سپرد کرنے کی بجائے پاکستان کا مرکزی بینک قائم کر دیا جائے۔ پاکستان میں اِس مقصد کیلئے تربیت یافتہ افراد کی تعداد بہت کم تھی اور تمام ابتدائی تیاریوں کیلئے وقت بھی اِتنا تنگ تھا۔لیکن ان معدودے چند افراد کی محنت، ہمت، حوصلے اور مساعی جمیلہ سے یہ مشکل کام عین وقت پر مکمل کر دیا گیا۔ وہ اِس کامیابی کے مستحق ہیں اور میں انہیں اُن تھک محنت اور خدمت کی پوری داد دیتا ہوں۔

مسٹر گورنر جیسا کہ آپ اپنے استقبالیہ میں کہہ چکے ہیں، متحدہ ہندوستان میں بنکاری غیر مسلمون کے گھر کی لونڈی بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ اُن کے ترک پاکستان کے نتیجہ میں ہمارے نوزائیدہ ملک کی اقتصادی زندگی میں خاصا خلاء محسوس ہونے لگا۔ اِس مقصد کیلئے کہ کاروبار تجارت اور صنعت کی مشینری بدستور چلتی رہے۔

یہ اُمر لازمی ہے کہ غیر مسلموں کے چلے جانے کے بعد اِس میدان میں جو خلاء پیدا ہو گیا ہے اُسے بلا تاخیر پُر کرلیا جائے۔ مجھے مسرت ہوئی ہے کہ اِس میدان میں بھی پاکستانیوں کی تربیت کی سکیمیں شروع ہو چکی ہیں۔ میں اِن سکیموں کا تمام تر مطالعہ جاری رکھوں گا اور مجھے پوری اُمید ہے کہ سٹیٹ بینک آف پاکستان کو اِس ضمن میں تمام متعلقہ اداروں کا جن میں بینک اور یونیورسٹیاں شامل ہیں، پورا تعاون حاصل ہو گا۔ تاکہ یہ سکیمیں کامیاب ہو

سکیں۔ بنکاری ایک ایسا نیا میدان پیش کر رہی ہے۔ جس میں ہمارے نوجوان پورا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مجھے اُن سے پوری توقع ہے کہ وہ بنکاری کے سلسلے میں تربیت حاصل کرنے کیلئے زیادہ سے زیادہ تعداد میں میدان میں نکلیں گے اور اِس ضمن میں پیش کردہ سہولتوں سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں گے۔ وہ ایسی تربیت حاصل کر کے نہ صرف خود مستفید ہوں گے بلکہ اپنے ملک اور وطن کی فلاح و بہبود کا بھی موجب بنیں گے۔

سٹیٹ بینک آف پاکستان کو ملک کی اقتصادی زندگی میں آگے چل کر جو اہم کردار ادا کرنا ہے اُس کی زیادہ وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بینک کی مالی پالیسی ہی کا ہماری تجارت اور کاروبار پر براہِ راست اثر ہو گا اور یہ اثر صرف اندرون ملک ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی ہو گا اور مجھے سٹیٹ بینک کے ارباب بست و کشاد سے یہی توقع ہے کہ اُن کی پالیسی پیداوار میں زیادہ سے زیادہ اضافے اور آزاد تجارت پر مبنی رہے گی۔ پچھلی عالمگیر جنگ کے دوران جو مالی پالیسیاں اختیار کی گئیں، اُن کے نتیجے میں ہم کئی اقتصادی مسائل سے دوچار ہو گئے ہیں۔ معاشرے کے مخلص طبقے کو جس میں محدود و مقررہ آمدنی والا طبقہ بھی شامل ہے۔ مہنگائی نے پریشان کر رکھا ہے اور ملک میں موجودہ آمدنی میں بے اطمینانی اِسی پریشانی کا نتیجہ ہے۔ حکومت پاکستان کی حکمت عملی یہ ہے کہ اشیاء کی قیمتیں ایسی سطح پر مستحکم رکھی جائیں۔ جو صنعت کار اور صارفین دونوں کیلئے منصفانہ ہوں۔ مجھے آپ سے پوری توقع ہے

کہ اِس اہم فیصلے کے حل کیلئے آپ بھی اپنی کوشش اِسی اُصول کے تحت جاری رکھیں گے۔

میں آپ کی ریسرچ آرگنائزیشن کے کام کا بھی دلچسپی اور غور سے مطالعہ جاری رکھوں گا کہ وہ بنکاری کے کون کون سے ایسے اُصول وضع کرتی ہے۔ جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی میں اسلامی اُصولوں کے مطابق ہوں۔ مغرب کے اقتصادی نظام نے نوع انسان کیلئے عجیب عجیب لاینحل مسئلے کھڑے کر دیئے ہیں اور ہم میں سے بہت سے یہ خدشہ محسوس کرتے ہیں کہ آنے والی تباہی کو شاید کوئی معجزہ ہی روک سکے گا۔ کیونکہ اِس نظام نے انسان کے ہاتھوں انسان کے ساتھ انصاف ختم کر دیا ہے اور بین الاقوامی فضاء میں سے منافقت اور خلفشار کو بھی دور کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ اس کے برعکس یہ نظام پہلے ہی نصف صدی کے اندر اندر دو عالمگیر جنگوں کا باعث بن چکا ہے۔ مغربی دُنیا ہزار تکنیکی اور صنعتی ترقی کے دعوے کرے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اُس کی حالت اِتنی زبوں اور خراب تر نہیں تھی جتنی کہ آج ہے۔ ہم نے یہ سرزمین ایک معاشرہ قائم کرنے کیلئے حاصل کی ہے۔ جو ہر لحاظ سے مسرور اور مطمئن ہو۔ مگر اقتصادی نظریات ہمیں یہ مقصد پورا کرنے میں ہرگز کوئی مدد نہیں دے سکیں گے۔ ہمیں اپنی تقدیر کو آپ بنانا ہے اور انسانی مساوات، معاشرتی انصاف اور اسلامی تصورات کے تحت دُنیا کے سامنے ایک مثالی اقتصادی نظام پیش کرنا ہے۔ ہم ایسا کریں تو جبھی ہم بحیثیت داعیانِ اسلام اپنا صحیح مقام حاصل کر سکیں گے اور اِسی طرح ہم دُنیا

کو ایسی امن دوستی کا پیغام پہنچا سکیں گے جس میں نوع انسانی کی فلاح و بہبود، خوشحالی اور ترقی کی راہیں کھلی ہوں۔۔۔۔ خُدا اسٹیٹ بینک آف پاکستان کو کامیاب اور کامران کرے اور وہ اُن مقاصد کی تکمیل کر سکے جن کی اساس پر اُسے قائم کیا جا رہا ہے۔

میں آخر میں مسٹر گورنر آپ اور آپ کے ساتھیوں کا ممنون ہوں کہ جنہوں نے اِس گرم جوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ میں اُن اصحاب کا بھی ممنون ہوں، جنہوں نے اِس تقریب کو رونق بخشی ہے اور میں اِس عزت افزائی کیلئے بھی آپ کا مرہونِ منت ہوں جو آپ نے مجھے سٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کی رسم ادا کرنے کا موقع دے کر بخشی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ ادارہ سب سے اہم اور عظیم ترین ادارہ ثابت ہوگا اور دُنیا بھر میں شایان شان کردار ادا کرے گا۔ 61

تقریب میں جو لوگ موجود تھے اُنہوں نے بخوبی محسوس کیا کہ قائد اعظمؒ کی طبیعت ناساز ہے۔ اُن کی آواز بمشکل سُنائی دیتی تھی۔ تقریر کے دوران وہ بار بار کھانس رہے تھے اور اکثر اُنہیں سانس لینے کیلئے رُکنا پڑتا تھا۔ لیکن کمزوری اور بیماری سے اُن کے عزم واستقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ 62

اُس یادگار دن کے آخری قابل ذکر واقعات اُن کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ مظہر احمد نے یوں بیان کئے ہیں۔

"واپسی پر قائد اعظمؒ جب گاڑی پر چڑھنے لگے تو بہت نحیف اور تھکے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ ہزاروں آدمی اُن کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور شاید وہ اُنہیں چھونا چاہتے تھے۔ لیکن ہم

رکاب سواروں نے اُنہیں روک دیا۔ جولوگ سواری سے ذرا قریب تھے۔ اُنہوں نے اپنے ہاتھ گاڑی کی طرف بڑھا دیئے گویا اِس طرح اُن کی خوشی پوری ہو جائے گی۔

گورنمنٹ ہاؤس پہنچ کر میں قائد اعظمؒ کے ہمراہ اوپر گیا اور ہم دونوں داہنے ہاتھ کو مُڑ گئے جدھر مسٹر جناح کا کمرہ تھا۔ چند قدم آگے چل کر اُنہوں نے مجھے رُخصت کر دیا۔ سیڑھیاں اُترنے سے قبل میں نے مُڑ کر دیکھا تو قائد اعظمؒ لڑکھڑاتے ہوئے اپنے کمرے کے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ بہت بیمار ہیں لیکن مجھے جرأت نہ ہوئی کہ میں واپس جا کر اُن کی مدد کروں۔ میں جانتا تھا کہ وہ اِس مداخلت کی ہرگز اجازت نہ دیں گے۔" 63

وہ اپنے کمرے میں جا کر کپڑوں اور جوتوں سمیت بستر میں لیٹ گئے۔ 64 اُسی شام اُنہوں نے امریکی سفیر کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والے استقبالیہ میں شرکت کی۔ اُس کی دعوت وہ بہت پہلے قبول کر چکے تھے۔ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ عین وقت پر انکار بھی کر سکتے تھے۔ لیکن خرابی صحت اُنہیں اپنے فرائض کی ادائیگی سے نہیں روک سکتی تھی۔ وہ تقریب کیلئے فوری تیار ہو گئے وہاں اُنہوں نے کسی قسم کی تھکاوٹ یا کمزوری کا اظہار نہ کیا۔ استقبالیہ میں مہمانوں سے اُن کا تعارف کروایا گیا۔ وہ اُن کے ساتھ معمول کے مطابق باتیں کرتے رہے۔ بیماری اُن کی خوش مزاجی کے نیچے دب کر رہ گئی۔ ایسے موقع پر اعلیٰ عہدہ اور پوزیشن جس قسم کی قیمت وقربانی کا مطالبہ کیا کرتا ہے۔ وہ اُنہیں بہرحال ادا کرنی تھی اور اُنہوں نے یہ قیمت مُسکراتے ہوئے ادا کی۔ 65

اگلے دن 2 جولائی کو وہ پیراڈائیز سینما کراچی میں ایک دستاویزی فلم "ہمارے درمیان" دیکھنے تشریف لے گئے۔ کراچی میں اُن کا قیام پانچ دن رہا۔ اِسی دوران اُنہوں نے نہایت اہم فائلیں دیکھیں۔ کابینہ کے اراکین واہم اعلیٰ سرکاری لوگوں سے ملاقاتیں کیں۔ اور دیگر کام کیئے۔ پھر ہوائی جہاز کے ذریعے واپس کوئٹہ آ گئے۔ کراچی کے مصروف شب وروز اور جہاز کے سفر نے اُنہیں بری طرح تھکا دیا۔ جس سے اُنہیں ہلکا سا بخار ہو گیا۔ قائد اعظمؒ کی صحت کیلئے بخار انتہائی خطرناک تھا۔ کوئٹہ آتے ہی مختلف اداروں کی طرف سے اُنہیں دعوت نامے موصول ہونے لگے۔ اہلیانِ کوئٹہ اُنہیں مختلف تقاریب میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ روزانہ مختلف مقامی لیڈر اور وفود ان سے ملنے کا تقاضا لے کر آتے۔ مگر وہ اپنی صحت کی وجہ سے ان کی خواہشات کا احترام نہیں کر پاتے تھے جس کا اُنہیں افسوس تھا۔

14 جولائی کو وہ اپنے سٹاف کے ہمراہ زیارت منتقل ہو گئے۔ وہ کوئٹہ کی نسبت یہاں زیادہ سکون محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ نہ تو یہاں دفتری مصروفیات تھیں اور نہ ملاقاتوں کے سلسلے تھے۔ وہ اُمید کر رہے تھے کہ وہ تھوڑا ہی عرصہ میں اِس قابل ہو جائیں گے کہ دوبارہ جوش وخروش سے اپنے خوابوں کی تعبیر کو پروان چڑھا سکیں۔

☆☆☆

باب نمبر 5

زیارت سے کوئٹہ

قائداعظم محمد علیؒ جناحؒ اب تک ڈاکٹروں اور دواؤں سے گریز کرتے آئے تھے۔ ڈاکٹر کا مشورہ اور دوا وہ اُسی وقت ہی لیتے تھے جب وہ محسوس کرتے تھے کہ بیماری اُن کی قوت برداشت سے بڑھ رہی ہے۔

اُنہوں نے اپنی "دیرینہ" [1] بیماری کو دانستہ فراموش کیا ہوا تھا۔ وہ اِس خیال میں تھے کہ اُن کی یہ حالت کام کی کثرت اور بڑھتی عمر کے سبب تھی اور چند دنوں کا آرام اُنہیں تر و تازہ کردے گا اور وہ پھر سے پہلے کی طرح بھلے چنگے ہو جائیں گے۔

بہت عرصہ قبل اُنہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری کرنل ولیم برینی (یہ کرنل جیفرے نولز سے قبل تھے) سے اِس خواہش کا اظہار کیا تھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ کم از کم دو ہفتے کسی ایسی جگہ پر بسر کرسکوں،
جہاں کوئی شخص مجھے پریشان نہ کرے۔" [2]

لیکن پاکستان کے ساتھ عشق کی حد تک وابستگی اور اُس کے مسائل سے شدید انہماک کی وجہ سے وہ کبھی بھی اپنے لئے آرام کا وقت نہ نکال سکے۔ پاکستان کے استحکام کیلئے یہ ضروری تھا کہ وہ چند روز کیلئے کسی پرسکون جگہ پر آرام کرتے اور اپنی طاقت کو مجتمع کرتے۔

زیارت میں اُن کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ ہنگاموں سے دور آ کر یہاں صرف اور صرف آرام کریں۔ وگرنہ علاج کیلئے یہ جگہ بہتر اور معقول نہ تھی۔ زیارت پسماندہ اور دور افتادہ جگہ تھی۔ جہاں اِس زمانے میں ڈاکٹر تو کیا معقول میڈیکل سٹور بھی نہ تھا۔ قائداعظمؒ کے ساتھ نہ تو ڈاکٹروں کی کوئی ٹیم تھی اور نہ ہی نگہداشت کرنے والا عملہ۔ حتیٰ کہ اُن کے ذاتی فیزیشن ڈاکٹر عبدالرحمٰن (1955ء۔1882ء) بھی ساتھ نہ تھے۔ یہاں وہ صرف آرام کیلئے آئے تھے تاکہ

کھوئی ہوئی توانائیاں بحال ہوسکیں۔ اُن کے ساتھ سٹاف کے چند لوگوں کے علاوہ محترمہ فاطمہ جناح تھیں۔ جو خدا کی رحمت پر بھروسہ کئے ہوئے تھیں۔

زیارت میں صبح ہی اُن کے لئے کرسی اور میز لگ جاتا تھا۔ وہاں وہ بیٹھ کر گھنٹوں کام کرتے تھے۔ صبح و شام ریذیڈنسی سے تالاب تک سیر کو جاتے۔ سیر میں وہ آہستہ آہستہ چلتے تھے۔ اُنہیں زیارت کے جنگلی پھول اور سدا سبز رہنے والے جونیپر بہت پسند تھے۔ تالاب پر وہ تھوڑی دیر آرام کرتے اور واپس آ جاتے۔ بیماری کی وجہ سے بستر تک محدود ہو جانے سے قبل یہ اُن کے معمولات تھے۔ [3] پھولوں میں اُنہیں کارنیشن اور گلاب کے پھول پسند تھے۔ زیارت ریذیڈنسی کا مالی صالح محمد روزانہ اُن کے کمرے کو پھولوں سے سجاتا تھا۔ اُنہیں اپنے کمرے کی بالکونی میں بیٹھ کر وادی کا منظر دیکھنا بہت پسند تھا۔ وہ اکثر اِس منظر سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ اُنہوں نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ لوگ یہ راستہ استعمال نہ کریں۔ وہ یہاں بیٹھ کر صرف منظر ہی سے لطف اندوز نہ ہوتے تھے بلکہ کچھ اہم باتیں بھی سوچا کرتے تھے لوگوں کی آمد و رفت سے اُن کی سوچوں کا ارتقاز ٹوٹ جاتا تھا۔ قائداعظمؒ کے سٹاف کے ملازمین بھی یہ راستہ استعمال نہ کرتے تھے۔ [4]

زیارت میں کچھ دن کے قیام سے اُن کی صحت بہتر ہوگئی تھی اور وہ کراچی میں سٹیٹ بنک کے افتتاح اور دیگر مصروفیات کے قابل ہو گئے تھے۔ لیکن اب کراچی سے واپسی کے بعد اُن کی طبیعت کسی طور پر سنبھل نہیں رہی تھی۔ وہ بے خوابی اور کم خوراکی کا شکار ہو گئے تھے۔ اتفاق سے اُن دنوں میو ہسپتال لاہور کے معروف فیزیشن ڈاکٹر ریاض علی شاہ اپنے ایک مریض کو دیکھنے زیارت آئے ہوئے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کو جب پتہ چلا تو اُنہوں نے اُن سے معائنہ کرانے کی تجویز اُن کے سامنے رکھی۔ لیکن اُنہوں نے سختی سے اُن کی تجویز کو یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا کہ

"اُنہیں کوئی زیادہ سنگین مرض لاحق نہیں ہے، اگر صرف اُن کا معدہ خوراک کو ذرا بہتر ہضم کرنے لگے تو وہ جلد ہی دوبارہ تندرست ہو جائیں گے۔" [5]

ایک دن اچانک اُن کو سردی لگ گئی، جس سے وہ بخار میں مبتلا ہو گئے۔ بخار کے علاوہ کھانسی کی بھی شکایت ہو گئی۔ کوئٹہ کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی سے رابطہ کیا گیا اُنہوں نے پنسلین لوزنجز (Pencillen Lozengers) تجویز کی۔ جس سے کچھ افاقہ ہو گیا اور بخار میں بھی کمی ہو گئی۔ حالیہ بخار اور کھانسی کے حملے نے اُنہیں بے حد کمزور کر دیا تھا۔ وہ ہمیشہ یہی خیال کرتے تھے کہ وہ اپنی صحت کو اپنی مرضی کے تابع رکھ سکتے تھے۔ مگر اب اُنہیں احساس ہو رہا تھا کہ اُن کی یہ کوشش ناکامی سے دوچار ہو رہی تھی۔

ایک صبح اُنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح سے اظہار کیا کہ اُنہیں کسی ڈاکٹر سے اپنی صحت کے بارے میں مشورہ لینا چاہیے۔ وہ ایک عرصہ سے آرزومند تھیں کہ وہ کسی اچھے ڈاکٹر سے اپنا باقاعدہ علاج کروائیں اور کچھ دن مکمل آرام سے گزاریں۔ بھائی کی رضامندی دیکھتے ہوئے اُنہوں نے فوراً چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کیا اور اُنہیں قائداعظمؒ کی بیماری کے حوالے سے اعتماد میں لیتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ لاہور کے معروف ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو فی الفور زیارت بھجوانے کا بندوبست کریں۔ [6] اس کا مشورہ اُنہیں کوئٹہ ہسپتال کے سول سرجن ڈاکٹر صدیقی نے دیا تھا۔ [7]

21 جولائی کو ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے چوہدری محمد علی نے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ قائم کیا اور اُنہیں قائداعظمؒ کی تشویشناک حالت کا بتاتے ہوئے اُن سے درخواست کی کہ وہ فوراً زیارت پہنچیں۔۔۔ قائداعظمؒ کی بیماری کی خبر عوام کیلئے مایوسی اور بددلی کا سبب بن سکتی تھی اور اِس خبر کے عام ہونے سے پاکستان دشمن عناصر فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اِسے راز میں رکھنے کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ چوہدری محمد علی نے اُن سے اِس بات کو راز میں رکھنے اور اُنہیں انتہائی رازداری سے سفر کرنے کی خصوصی تاکید کی۔

22 جولائی کو جمعرات کا دن تھا۔ اُس دن اورینٹ ایئرویز (پاکستان کی قومی ایئر لائن، حال پی آئی اے وجود میں نہیں آئی تھی) کا دفتر بند تھا۔ چنانچہ اُس سے اگلے دن یعنی جمعہ

23 جولائی کو وہ جہاز کے ذریعہ کوئٹہ پہنچ گئے۔ جہاں میجر جنرل اکبر خان اور کرنل کے۔ جیلانی اُن کے منتظر تھے۔ کوئٹہ میں سب کو معلوم تھا کہ قائداعظمؒ سخت بیمار ہیں۔ لیکن کسی کو اُن کی بیماری کی نوعیت کا پتہ نہ تھا۔ صرف وہ اِس قدر جان سکے کہ وہ ٹیکوں اور پیٹنٹ دواؤں سے گھبراتے تھے اور اپنے آپ کو ہز ایکسی لینسی کہلانے کی بجائے سر کہلانے کو ترجیح دیتے تھے۔ [8] اُسی شام وہ زیارت پہنچ گئے۔ اُن کی آمد کی خبر محترمہ فاطمہ جناح کے لئے ایک خوشی اور اطمینان کی خبر تھی۔ وہ یہ توقع کر رہے تھے کہ اُنہیں پہنچتے ہی قائداعظم محمد علی جناحؒ کا معائنہ کرنا ہوگا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ اُنہیں انتہائی ہنگامی طور پر بلوایا گیا تھا۔ لیکن قائداعظمؒ نے اُنہیں اگلی صبح آٹھ بجے کا وقت دیا۔ طبی امداد حاصل کرنے میں اِس قسم کی لاپروائی اُن کے لئے بہت حیرت انگیز تھی۔ لیکن یہ حیرانگی بہت جلد دور ہو گئی۔ جب وہ اُن سے ملے تو اُنہیں معلوم ہوا کہ وہ تمام عمر مسلسل علاج سے پہلوتہی کرتے رہے تھے۔ [9]

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی قائداعظمؒ سے پہلی ملاقات 24 جولائی کو ہوئی۔ وہ ملاقات سے قبل تھوڑی سی گھبراہٹ محسوس کر رہے تھے۔ جو یقیناً ایک بڑے آدمی کو ملنے سے تھی وہ اُن سے کبھی نہیں ملے تھے۔ اُنہیں اُس وقت یاد آیا کہ اُنہوں نے ایک دن اُنہیں دور سے دیکھا تھا۔ جب حکومت مغربی پنجاب نے باغ جناح میں ستمبر 1947ء کو اُن کے اعزاز میں چائے کی پارٹی دی تھی۔ جب وہ کمرے میں داخل ہوئے تو وہ دروازے کی طرف رُخ کئے ہوئے لیٹے تھے۔ اُنہوں نے مصافحہ کیا اور مسکرائے۔ اُس وقت وہ نہایت لاغر اور نحیف نظر آ رہے تھے۔ چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ یوں بھی وہ کوئی موٹے تازے نہ تھے۔ لیکن اُس وقت اُن کی شکل و صورت نے اُنہیں خوفزدہ کر دیا۔ اُن کی تیز آنکھوں نے تاڑ لیا کہ ڈاکٹر پر اُن کی حالت سے کیا ردعمل ہوا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور لاہور سے زیارت تک کے سفر کے بارے میں دریافت کیا۔

حال احوال کے سلسلوں کے بعد اُنہوں نے اپنے بارے میں ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو

بتایا کہ

مجھے کوئی عارضہ نہیں ہے سوائے معدے کی خرابی اور تھکان کے جو کام کی زیادتی اور دماغی پریشانیوں کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہے۔ میں اپنی زندگی کے گذشتہ چالیس سالوں میں ہر روز چودہ گھنٹے کام کرتا رہا ہوں لیکن کسی عارضے کا سامنا نہیں ہوا۔ لیکن گذشتہ چند سالوں میں مجھے کبھی کبھی بخار اور کھانسی کی شکایت ہوتی رہی۔ بمبئی کے ڈاکٹر اِسے پھیپھڑوں کی سوجن بتاتے تھے۔ معمولی علاج اور آرام سے میں بالعموم ہفتے عشرے میں تندرست ہو جاتا تھا۔ کوئی ایک دوسال سے یہ تکلیف زیادہ تیزی کے ساتھ عود کر آنے لگی اور اِس کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ جس سے میں بہت نڈھال ہو جاتا ہوں۔

باتیں کرتے کرتے اُن کا سانس پھول جاتا تھا۔ ہر فقرے کے بعد اور کبھی کبھی درمیان میں رُک جاتے تھے۔ بولتے بولتے اُن کی زبان خشک ہو جاتی تھی اور وہ لبوں کو بار بار تر کرتے تھے۔ آواز دھیمی پڑ جاتی تھی اور کبھی بالکل سنائی نہ دیتی تھی۔ اس اثناء میں اُنہیں کھانسی آئی جس سے وہ مضمحل ہوگئے۔ اُنہوں نے مزید بتایا۔

کوئی تین ہفتے ہوئے سردی لگ جانے کی وجہ سے مجھے بخار اور کھانسی کی شکایت ہوئی، کوئٹہ کے سول سرجن نے پنسلین لوزنجر (Pencillen Lozengers) کی ٹکیاں تجویز کیں اس وقت سے یہی استعمال کر رہا ہوں اب کچھ افاقہ ہے۔ بخار کم ہوگیا ہے۔ لیکن کمزوری بہت زیادہ ہے۔ میرا خیال ہے۔ مجھے کوئی جسمانی عارضہ نہیں۔ بلغم کا آنا غالباً معدے کی وجہ سے ہے۔ اگر معدہ ٹھیک

ہو جائے تو فوراً تندرست ہو جاؤں گا۔ کئی سال ہوئے مجھے معدے کی سخت تکلیف ہوئی جس کے لئے میں نے لندن کے بعض ماہرین سے مشورہ کیا۔ لیکن وہ میرے مرض کی تشخیص نہ کر سکے اور ایک نے تو آپریشن تجویز کیا۔ مجھے تسلی نہ ہوئی اِس لئے میں نے آپریشن کروانا مناسب نہ سمجھا۔ لندن کے ایک معروف ڈاکٹر سے مشورہ کیا۔ اُس نے تشخیص کے بعد کہا کہ

"تمہیں کوئی جسمانی عارضہ نہیں صرف خوراک میں باقاعدگی اور آرام کرنے کی ضرورت ہے۔" میں چند ہفتے اُس کے شفا خانے میں رہا اور بالکل تندرست ہوگیا۔ 1934ء میں بمبئی کے ڈاکٹروں نے معائنہ کرنے کے بعد کہا کہ تمہیں دل کا عارضہ لاحق ہے۔ لیکن جرمنی کے ایک ڈاکٹر جو اِس مرض کا ماہر تھا نے مجھے یقین دلایا کہ ایسی کوئی بات نہیں اور دل بالکل تندرست حالت میں ہے۔

مریض سے بیماری کی مختصر تاریخ سننے کے بعد ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اُن کا معائنہ یا۔ وہ کپڑوں میں جو کچھ نظر آرہے تھے وہ اس سے کہیں زیادہ کمزور اور لاغر تھے۔ اتنے دبلے نے کے باوجود وہ زندہ کیوں کر تھے؟ اور کام کیسے کرتے تھے؟ اُنہیں یاد آرہا تھا کہ اُنہوں نے کاپور میں ایسے ہی بعض نحیف اور لاغر اسیران جنگ کو دیکھا تھا (دوسری جنگ عظیم کے دوران وہ کاپور تعینات رہے تھے) جو رہا ہونے کے بعد اچھی اور عمدہ غذا کھانے سے بالکل تندرست ہو ے تھے۔ یہ توقع تھی کہ اگر اُنہیں کوئی جسمانی عارضہ نہیں تو مناسب اور مقوی غذا کھانے سے وہ ملی طور پر صحت یاب ہو سکتے تھے۔ لیکن جب اُنہوں نے اُن کا تفصیلاً معائنہ کیا تو وہ انتہائی اں ہوئے۔ لیکن اُنہوں نے اپنی مایوسی کو مریض پر ظاہر ہونے نہ دیا۔ تاہم اُنہوں نے اپنے ں سے اتنا ضرور کہا کہ وہ علاج سے قبل ایک بار پھر معائنہ کرنا پسند کریں گے۔ اُنہوں نے

مختصراً یہ بتایا کہ اصل شکایت معدے کی نہیں پھیپھڑے کی ہے۔۔۔

لیکن اُنہیں یہی یقین تھا کہ اصل شکایت معدہ کی ہے۔ اس لئے اُنہوں نے اُنہیں معدے کی طرف زیادہ توجہ دینے کو کہا۔ ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش نے اُن کو یقین دلایا کہ معدے کے علاج میں ہرگز کوتاہی نہ ہوگی۔۔۔ کیونکہ پھیپھڑوں کا علاج بھی جب ہی ہو سکے گا اگر غذا کو بہتر بنایا جائے گا اور غذا کے اہتمام سے معدے کی خرابی دور ہو جائے گی۔ 10

قائداعظمؒ ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش کی رائے سے کچھ مطمئن ہو گئے۔ نیچے برآمدے میں محترمہ فاطمہ جناح بے چینی سے اُن کی منتظر تھیں ڈاکٹر صاحب نے اُنہیں اپنے معائنے کے بارے میں بتایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ مزید تشخیص کے بغیر کوئی فیصلہ کن رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ اُن کی ناتوانی اور خون کی کمی خطرے سے خالی نہیں تھی۔ اُن کی بیماری سے زیادہ خطرناک اُن کی کمزوری تھی۔ اُن کی اس کمزوری کو دور کرنے کیلئے بہتر اور اچھی غذا کی ضرورت تھی۔ اُنہوں نے اُن کے ناشتے کیلئے نیم جوش یا تلے ہوئے یا پانی میں پکے ہوئے انڈے، مکھن کے ساتھ ڈبل روٹی کے پتلے پتلے ٹکڑے، بعد میں قہوہ جس میں دودھ کی کافی مقدار ہو اور پھلوں کا رس دوپہر کو کھانے کیلئے چوزے کا قیمہ، سفید چٹنی کے ساتھ اُبلی ہوئی بھاپ میں پکی ہوئی مچھلی، آلوؤں کا بھرتہ، کے سبز دانے، بعد میں پکا ہوا کسٹرڈ یا کریم کے ساتھ پھلوں کی جیلی۔ تیسرے پہر کو چائے اور بسک اور شام کے کھانے کیلئے چوزے کا قیمہ، بھُنی ہوئی مچھلی، بھرتہ، مٹر کے سبز دانے، اُبلا ہوا کدو، میں نرم سی پڈنگ اور قہوہ تجویز کیا۔ 11 قائداعظمؒ کبھی بھی خوش خوراک نہ تھے وہ اس چارٹ کو دیکھ کر پریشان ہو گئے اُنہوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا۔

یہ تو بہت زیادہ ہے ڈاکٹر! آپ کا کیا خیال ہے کیا میرا کمزور معدہ اس قدر خوراک برداشت کر سکے گا۔

ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش نے اپنے تجویز کردہ چارٹ کا تحفظ کرتے ہوئے کہا۔

سر! آپ کو زیادہ حراروں (کیلوریز) والی خوراک کی ضرورت

ہے۔ آپ جیسے مریض کیلئے یہ ازحد ضروری ہے۔ 12

قائداعظمؒ نے ساری زندگی دلیل کا کاروبار کیا تھا۔ ڈاکٹر کی رائے میں دلیل اور وزن دونوں موجود تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش کو قائداعظمؒ کی بیماری کا قطعاً کوئی اندازہ نہ تھا۔ وہ لاہور سے کسی معاون اور ضروری ساز و سامان کے بغیر آئے تھے۔ اُن کے ضروری ٹیسٹوں کیلئے نہ صرف اُنہیں ضروری ساز و سامان چاہیے تھا بلکہ معاونوں کی بھی ضرورت تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے کوئٹہ کے سول ہسپتال سے رابطہ قائم کیا۔ اُن کی درخواست پر اگلی صبح (25 جولائی) کو ڈاکٹر صدیقی سول سرجن کوئٹہ اور ڈاکٹر محمود 13 (جو کہ کلینیکل پیتھالوجسٹ تھے) ضروری سامان لے کر آ گئے۔ اُنہوں نے خون اور تھوک کے نمونے لے کر اپنا کام شروع کر دیا۔ ٹیسٹوں کا کام دن کے گیارہ بجے مکمل ہو گیا۔ کلینیکل ٹیسٹ ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش کے "خدشات" کی تصدیق کر رہے تھے۔ قائداعظمؒ کے قریبی عزیزوں میں صرف محترمہ فاطمہ جناح ہی اُن کے قریب تھیں۔ وہی اُن کے علاج معالجے کی نگرانی کر رہی تھیں۔ اُنہی سے ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش کو اُن کی صحت کے بارے میں مشورہ کرنا تھا۔ اُنہوں نے اُنہیں اُن کے خون اور تھوک کے نتائج سے آگاہ کیا۔ یہ بڑا ہی مشکل مرحلہ تھا۔ نتیجہ سُن کر اُن کے صبر و سکون میں کوئی فرق نہ آیا۔ اُن کے بشرے سے استقلال کی وہی کیفیت ٹپکتی تھی۔ جو اُن کے شہرہ آفاق بھائی کا طرہ امتیاز تھی۔ 14 وہ بہت سی تفاصیل جاننے کی خواہش مند تھیں لیکن اُنہوں نے اُن کو بتایا کہ ایکسریز سے سینے کا معائنہ کئے بغیر کوئی رائے ظاہر کرنا مشکل ہے اور نہ سردست یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُن پر علاج کا کیا اثر ہوگا؟ اُنہوں نے اُنہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ اس وقت پاکستان میں جو بہتر سے بہتر طبی امداد میسر آ سکتی ہے وہ اُن کی خدمت کیلئے حاضر ہوگی اور وہ خود جو طبی یا ذاتی خدمت بجا لا سکیں گے اُس میں ہرگز کوتاہی نہ ہوگی۔ 15

اُن کی ہمت اور حوصلہ قابلِ تعریف تھا۔ وہ ڈاکٹر کرنل الہٰی بخش کی بات سُن کر بے خود سی ہو گئیں اور کچھ دکھ اور کچھ تاسف سے کہنے لگیں۔

کاش وہ کچھ عرصہ پہلے میرے مشورے پر دھیان دیتے۔ پچھلے دو ماہ سے میں گھبرا کر بار بار کہتی رہی کہ کسی ماہر کو بلا کر دکھانا چاہیے۔ لیکن اُنہوں نے میرا کہا نہ مانا اور بدستور کام میں مشغول رہے۔ یہاں تک کہ اُن کے کام کرنے کی قوت سلب ہوگئی اور وہ آرام کرنے پر مجبور ہو گئے۔ کوئٹہ اور زیارت میں کچھ عرصہ قیام کر کے اُن کی طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی کہ سٹیٹ بنک کی رسم افتتاح ادا کرنے اُنہیں کراچی جانا پڑا۔ کوئٹہ اور زیارت میں آرام کے بعد جو صحت حاصل ہوئی وہ اِس سفر کی نذر ہوگئی۔ کراچی سے واپس آئے تو بہت زیادہ نحیف و علیل تھے۔ آتے ہی کھانسی اور بخار کی وجہ سے صاحب فراش ہوگئے۔ وہ ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ میں خوامخواہ پریشان ہوتی ہوں۔ بخار اور کھانسی تو محض کام کی زیادتی اور ہوا لگنے کی وجہ سے ہو جاتے ہیں۔ دواؤں سے وہ بیزار تھے اور ڈاکٹر جو پروگرام اُن کیلئے تجویز کرتے اُس پر بھی پوری طرح عمل نہیں کرتے تھے۔ لیکن اِس میں کوئی شک نہیں کہ چند ہی دن آرام کرنے سے اُن پر کافی اچھا اثر پڑتا تھا۔ 16

وہ حد درجہ آرزومند تھیں کہ کاش یہ تشخیص کچھ عرصہ پہلے ہوچکی ہوتی اور اُن کے مرض پر بروقت قابو پایا جاتا۔

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نہیں چاہتے تھے کہ قائداعظمؒ کو اُن کی بیماری کی صحیح نوعیت کے بارے میں پتہ چلے۔ اُنہیں خدشہ تھا کہ وہ اپنی بیماری کا سُن کر شکستہ دل ہوجائیں گے۔ اُنہوں نے یہ سوچ کر محترمہ فاطمہ جناح کو منع کیا کہ اُنہیں کسی قسم کی خبر نہ دی جائے۔ لیکن وہ اپنے بھائی کے حوصلے اور ہمت دونوں سے بخوبی واقف تھیں۔ اُنہوں نے اُنہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ

"ایسا ہرگز نہ ہوگا۔۔۔ اُنہیں کسی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہوگی۔ وہ تبھی علاج میں تعاون کریں گے اگر اُنہیں تمام حقیقت کا پتہ ہوگا۔"

چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے اُنہوں نے قائداعظمؒ کو انتہائی محتاط انداز۔۔۔ اور۔۔۔ منتخب الفاظ میں تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ وہ ساتھ ساتھ اُن کے چہرے کو بھی بڑے غور سے دیکھتے گئے۔ وہ سوچ رہے تھے کہ کہیں وہ اُنہیں مطلع کر کے کوئی غلطی تو نہیں کر رہے تھے۔۔۔ اُنہوں نے یہ خبر نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ سُنی اور آخر میں صرف اتنا پوچھا کہ کیا فاطمہ جناح بھی یہ سب کچھ جانتی ہیں؟ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کا جواب ہاں میں تھا۔ اُنہوں نے مزید کہا کہ اُن کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا آخر۔۔۔ وہ ایک عورت ہیں۔

اُنہیں یہ جان کر انتہائی دُکھ ہوا تھا کہ اُن کی بہن اُن کی بیماری کے بارے میں جان گئیں ہیں۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اپنے دفاع میں کہا کہ

"مجھے افسوس ہے کہ میں مس جناح کو رنج پہنچانے کا موجب ہوا۔ لیکن اِس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ طبی اخلاقیات کی رو سے اگر ڈاکٹر مریض کو اصل مرض سے آگاہ کرنا مناسب نہ سمجھے تو اُس کا فرض ہے کہ خاندان کے کسی ذمہ دار فرد سے اُس کا ذکر ضرور کردے۔ یہاں گھر کا کوئی اور فرد نہیں تھا اس لئے مجھے اُن سے ہی ذکر کرنا پڑا اور وہ مصر بھی تھیں کہ آپ سے مرض پوشیدہ نہ رکھا جائے تاکہ پورا پورا علاج ہو سکے۔ میرے لئے بڑی دشواری کا سامنا تھا کہ کیا کروں، کیا نہ کروں؟" 17

وہ اپنی بیماری سے ہرگز تشویش مند نہ تھے۔ ممکن ہے اُنہیں اس وقت ڈاکٹر جے۔ اے۔ ایل۔ پٹیل کے خدشات اور تنبیہ یاد آئی ہو۔ وہ اب بھی بیماری سے زیادہ یہ جاننے کے خواہش مند تھے کہ مرض پر قابو پانے کے امکانات کیا تھے اور علاج کب تک جاری رہے گا۔ یہ

پہلا موقع تھا کہ اُن کا علاج باقاعدگی سے شروع ہوا تھا اور اُنہوں نے خود کو معالج کی مرضی پر چھوڑا تھا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش ایکسرے اور دیگر ضروری ٹیسٹوں کے بغیر اُن کے سوالوں کا مستند جواب دینے سے معذور تھے۔ تاہم اُنہوں نے اُنہیں یہ یقین ضرور دلایا کہ اُنہیں تمام صورتِ حال سے آگاہ رکھا جائے گا اور اپنے پیشہ وارانہ اخلاق کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اُنہوں نے اُنہیں اُمید دلاتے ہوئے کہا کہ جدید ادویہ کے استعمال سے اُن کی صحت بہت جلد بہتر ہو جائے گی۔

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے جانے کے بعد جب محترمہ فاطمہ جناح اُن کے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ اُن سے آنکھیں ملاتے ہوئے گھبرا رہے تھے۔ وہ ایک عرصہ سے اُنہیں آرام کا مشورہ دے رہی تھیں۔ مگر اُنہوں نے اُن کی ایک نہ سُنی تھی۔ اگر وہ بروقت اپنا طبی معائنہ کرواتے رہتے اور کچھ کام کچھ آرام کے اُصول کو اپناتے تو شاید آج یہ صورتِ حال نہ ہوتی۔ اُنہوں نے اُنہیں اپنے قریب بلایا اور اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ! تم نے دیکھا، تم درست ہی کہا کرتی تھیں۔۔۔ مجھے سپیشلسٹ سے بہت پہلے مشورہ کرنا چاہیے تھا۔۔۔ مگر مجھے کوئی افسوس نہیں ہے آدمی صرف جدوجہد کر سکتا ہے۔۔۔ تقدیر کی زبان گونگی ہوا کرتی ہے۔۔۔ میں اپنے فرائض اُس وقت تک انجام دیتا رہوں گا جب تک میں اُنہیں ادا کرنے کے قابل ہوں۔۔۔ تم جانتی ہو میرا ہمیشہ اُصول رہا ہے۔۔۔ کہ میں کبھی آنکھیں بند کر کے۔۔۔ دوسروں کے مشورے قبول نہیں کیا کرتا۔۔۔ میں نے ہمیشہ اپنی سوچ اور مرضی کے مطابق عمل کیا ہے۔ میں نے زندگی کو شدید مشکلات سے سیکھا ہے۔ 18

قائداعظمؒ کی دیکھ بھال کیلئے کسی تجربہ کار نرس کی بہت ضرورت تھی۔ اب تک محترمہ فاطمہ جناح اُن کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ وہ بہت نحیف اور کمزور تھیں۔ ڈر تھا کہ اُن کی دیکھ

بھال کرتے ہوئے اگر اُن کی صحت خراب ہو گئی تو اُن کی پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کا مشورہ تھا کہ نرس کا ہونا ضروری ہے۔ نرس کے سلسلے میں محترمہ فاطمہ جناح ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے متفق تھیں۔ لیکن وہ جانتی تھیں کہ وہ نرس رکھنے کیلئے بالکل تیار نہ ہوں گے۔ جب اُن سے بات کی گئی تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی دلیل تھی کہ نرس ٹمپریچر اور نبض کی رفتار کا حساب رکھنے کیلئے ضروری تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ یہ کام مقامی ڈاکٹر یا اُس کا نائب بھی سرانجام دے سکتا تھا۔ تاہم اُن کی رائے کے برخلاف ایک تجربہ کار نرس کا بندوبست کر لیا گیا اور اُنہوں نے ڈاکٹر کے تقاضے کو بہتر سمجھتے ہوئے مزید اعتراض نہ کیا۔ اُن کی رضامندی اِس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اپنے معالج سے تعاون کر رہے تھے۔

رات نرس نے بابائے قوم کا درجہ حرارت لیا۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ

" کتنی حرارت ہے۔"

نرس پیشہ ور اُصولوں کی پابند خاتون تھی۔ اُس نے ادب سے کہا۔

جناب! مجھے افسوس ہے، میں ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر آپ کو نہیں بتا سکتی۔ 19

اُس کے انکار سے عیاں تھا کہ وہ جرات اور اعتماد کی مالک تھی۔ وہ اس کے جواب پر ناراض نہ ہوئے اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اُنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح سے کہا۔

"میں اِس قسم کے لوگوں کو پسند کرتا ہوں۔۔۔ لوگ جو مصمم ارادہ کے مالک ہوں۔۔۔ اور جو خوف زدہ ہونے سے صاف انکار کر دیں۔" 20

کسی کے اُصولوں کی تعریف و توصیف وہی شخص کر سکتا تھا جس نے خود ساری زندگی اُصولوں پر گزاری ہو۔ قائداعظمؒ خود اُصولوں کے پیکر تھے۔ دوسروں کو اُصولوں کا پابند دیکھ کر اُنہیں بہت خوشی ہوتی تھی۔

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش قائداعظمؒ کے باقاعدہ علاج سے قبل اُن کے ایکسرے اور کسی ماہر فیزیشن کی رائے کی ضرورت محسوس کر رہے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے میوہسپتال لاہور کے ماہر فیزیشن ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ماہر ایکسرے ڈاکٹر عالم 21 اور ڈاکٹر غلام محمد ماہر تشخیص امراض کو زیارت پہنچنے کی درخواست کی۔ یہ احباب 27 جولائی کی شام کو ضروری ساز وسامان اور سفری ایکسرے کے آلات سمیت پہنچ گئے۔ 22 محترمہ فاطمہ جناح ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے پہلے بھی مل چکی تھیں۔ وہ کچھ عرصہ قبل ایک مریض کو دیکھنے زیارت آئے تھے۔ کمشنر کوئٹہ ڈویژن کی بیگم اے آر خان نے اُن کا ذکر محترمہ فاطمہ جناح سے کیا تھا اور مشورہ دیا تھا کہ قائداعظمؒ کا اُن سے معائنہ کرانا مفید رہے گا۔ لیکن جب اُنہوں نے یہ تجویز اپنے بھائی کے سامنے رکھی تھی تو اُنہوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی تھی کہ "اُنہیں کوئی زیادہ سنگین مرض لاحق نہیں۔" 23 اُنہیں بہت خوشی اور اطمینان ہوا تھا کہ ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائداعظمؒ کے علاج و معالجے کے سلسلے میں خصوصی طور پر زیارت آئے تھے۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے 28 جولائی کو قائداعظمؒ کا تفصیلی معائنہ کیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ

"وہ ایک مسہری پر دراز تھے۔ جسم نحیف و کمزور لیکن چہرہ باوقار اور پُر جلال آنکھوں میں بلا کی چمک اور ہونٹوں پر ہلکی سی مُسکراہٹ۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو اُنہوں نے کمبل سے اپنا ہاتھ نکال کر مجھ سے مصافحہ کیا۔ کمزوری کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ اُن میں اِتنی طاقت ہے جتنی اُس دور کے کسی عام نوجوان میں ہوتی ہے۔"

اُن کی صحت کے بارے میں وہ مزید لکھتے ہیں۔

وہ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ رُخسار کی ہڈیاں اُبھر آئیں تھیں اور گال اندر کی طرف دھنس گئے تھے۔ بیماری کی وجہ سے رنگ اور زیادہ نکھر

آیا تھا۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ ایک شاعر یا فلسفی کی طرح چہرے کی جھریاں اُن کے گہرے مطالعے اور تدبر کی باریکیوں کو نمایاں کر رہی تھیں۔ 24

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اُن کا تفصیلاً طبی معائنہ کیا اور کمرے سے باہر منتظر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور محترمہ فاطمہ جناح کو اپنے نتائج سے آگاہ کیا۔ اِسی اثناء میں نرس اُن کیلئے قائداعظمؒ کے بلاوے کا پیغام لے آئی۔ اُنہوں نے اُنہیں اپنے قریب بٹھایا اور کہا۔

"میں نے آج تک کبھی اپنی جان اور صحت کی پرواہ نہیں کی اور نہ آئندہ اِس فناپذیر چیز کا خیال رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ موت اور زندگی سب خُدا کی طرف سے ہے۔ موت وقتِ معین سے پہلے نہیں آسکتی، یہ میرا ایمان ہے۔ میں خداوند قدوس کی ذات کے سوا اِس دُنیا میں کسی طاقت اور موت سے نہیں ڈرتا۔ جب موت کو آنا ضرور ہے، اور زندگی فانی ہے تو پھر موت سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ میری بیماری کے متعلق تمام کوائف و حالات سے آگاہ کر دیں۔ یہ میں اِس لئے پوچھ رہا ہوں کہ ہر مریض کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے معالج سے دریافت کرے کہ اُسے کیا بیماری ہے؟ میں اِس لئے اپنا صحیح حال معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بیماری کی نوعیت سے آگاہ ہونے کے بعد میں آپ دونوں ڈاکٹروں سے زیادہ تعاون کرسکوں گا اور آپ کو علاج کرنے میں آسانی ہوگی۔ لیکن اگر طبی اُصول و اُمور یہ بتانے کے راستے میں حائل ہوں، تو پھر میں آپ کو مجبور نہیں کرسکتا۔" 25

قائداعظمؒ نہ صرف اپنے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے تھے بلکہ دوسروں کے اصولوں کا بھی

لحاظ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے تمام اخلاقی اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے اپنی بیماری کا احوال پوچھا تھا۔

ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے جواب میں کہا کہ اُن کے مزید ٹیسٹ ہونے ہیں۔ وہ اِن ٹیسٹوں کی روشنی میں اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے مشورے ہی سے اُن کی صحیح بیماری کا تعین کر کے اُن کو آگاہ کر سکیں گے۔

اُن کا تسلی بخش جواب سُن کر اُنہوں نے مزید اصرار کرنا پسند نہ کیا۔

ڈاکٹر غلام محمد نے قائداعظمؒ کے تھوک اور خون کے نمونے لئے۔ ڈاکٹر عالم نے ڈاکٹر ریاض علی شاہ کی مدد سے اُن کے پھیپھڑوں کے ایکسرے لیا۔ اُن کی صحت کا عالم یہ تھا کہ وہ کمزوری کی وجہ سے نہ تو کچھ دیر کے لئے سانس روک سکتے تھے اور نہ بستر پر بیٹھ سکتے تھے۔ یہ دونوں چیزیں ایک اچھے ایکسرے کیلئے ضروری تھیں۔ ریذیڈنسی کے ایک غسل خانے کو لیبارٹری بنایا گیا۔ ایکسرے دھوئے گئے۔ ایکسرے اُن کے پھیپھڑوں کی بہت بھیانک تصویر پیش کر رہے تھے۔ کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش کو یقین تھا کہ کراچی سے جونئی ادویات آئیں تھیں، بہت مفید ثابت ہوں گی لیکن ایکسرے دیکھ کر اُن کا یقین کمزور پڑ گیا۔ کیونکہ حالات زیادہ حوصلہ افزاء نہ تھے، بہت تاخیر ہو چکی تھی۔ مرض اُنہیں اندر ہی اندر سے چاٹ چکا تھا۔ 26

27 جولائی کو واشنگٹن (امریکہ) میں متعین پاکستان کے سفیر اور قائداعظمؒ کے دیرینہ دوست مرزا ابوالحسن اصفہانی (1981ء۔1902ء) اُن سے ملنے کیلئے زیارت آئے۔ وہ اُن سے مل کر بہت خوش ہوئے اُن کے کمرے میں متعدد فائلیں موجود تھیں۔ اُن کی طبیعت جب سنبھلتی تھی وہ اِن فائلوں کو پڑھنا شروع کر دیتے تھے۔ اِن فائلوں کے انبار پر اعتراض کرتے ہوئے اُنہوں نے ڈاکٹر الٰہی بخش کو ہدایت کی کہ علاج کے دوران اُنہیں کام سے منع کریں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اُن کی بڑی کوشش ہوتی ہے کہ فائلیں اور سیکرٹری صاحب دونوں اُن کے کمرے سے دور رہیں۔ لیکن اُن کی ایک نہیں چلتی۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی شکایت پر مرزا ابوالحسن اصفہانی نے

قائداعظمؒ سے درخواست کے لہجے میں اُنہیں کام نہ کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری نوزائیدہ خودمختار ریاست کیلئے آپ کی جان ہر چیز سے زیادہ اہم ہے اور یہ کہ ہماری زندگی کے اِس نازک مرحلے پر آپ کی جدائی ہمارے لئے ایک بہت بڑا اور خوفناک المیہ ہوگا۔"

اِس پر وہ مُسکرائے اور کہنے لگے۔

تقسیم کے بعد اور 1948ء کے شروع تک ایک ایسا وقت ضرور آیا تھا کہ جب مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ آیا پاکستان اُن بہت سے غیر متوقع صدمات سے جانبر ہو سکے گا جو ہندوستان سے ہماری جدائی کے ذرا سی دیر بعد اُس کے ہاتھوں سے پہنچے تھے۔ لیکن ہم نے اُنہیں برداشت کر لیا اور آئندہ بھی کوئی چیز ہمیں پریشان نہ کرے گی۔ مجھے اب کوئی خوف نہیں رہا! آدمی آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے۔ لیکن پاکستان مضبوطی سے قائم ہو چکا ہے اور اللہ کے فضل سے ہمیشہ قائم رہے گا۔ 27

قائداعظمؒ کے یقین کا اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اپنے قائد کو دیکھ کر اصفہانی جب نیچے پہنچے تو اُن کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ وہ اس ماہر سیاستدان کو جس نے بہت سی سیاسی لڑائیاں لڑی تھیں، اُسے بے بسی سے بستر پر پڑے۔۔۔ ناتوانی کے ساتھ، اپنی زندگی کی جنگ لڑتے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکے تھے۔۔۔ 28 اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کہا کہ اگر امریکہ سے کسی سپیشلسٹ یا ادویہ کی ضرورت ہو تو بتایا جائے۔۔۔ اُنہیں ان کیلئے امریکہ سے ضروری سپیشلسٹ اور مطلوبہ ادویہ بھجوا کر بہت خوشی ہوگی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ اُن کو ایسا کرنے کو کہیں گے۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے پھر مزید کہا۔ کہ اُس کی ضرورت نہیں پڑے گی کیونکہ وہ اپنے موجودہ علاج پر پورا اعتقاد رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ خاطر خواہ

ڈاکٹروں کے زیرِ علاج ہیں۔ قائداعظمؒ کا اپنے معالج اور علاج پر جو اطمینان اور اعتماد تھا۔ اُس کے بارے میں جان کر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے بہت تقویت محسوس کی۔ 29

اپنی زیارت سے واپسی کے حوالے سے محترم اصفہانی لکھتے ہیں۔

"جب میں اُن سے مل کر زیارت سے رُخصت ہوا تو قائداعظمؒ کو ایسی جذباتی کیفیت میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ جو بہت شاذ و نادر ہی نظر آتی تھی۔ حالانکہ اُنہیں ایک سخت دل اور سرد مہر آدمی سمجھا جاتا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اُن کے آنسو دیکھے۔ جو اُن کے نحیف و لاغر رُخساروں پر بہہ کر گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اُن کی آنکھوں کی گہرائیوں میں دیکھے جاسکتے تھے۔ مجھے کراچی واپس جانا تھا اور کراچی سے اپنی جگہ واشنگٹن ہوائی جہاز سے پہنچنا تھا۔ میں نے اُنہیں آخری بار اِس حالت میں دیکھا جب میں اُن کے سونے کے کمرے سے نکل رہا تھا۔ تو وہ ہاتھ ہلا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ زینے کے اوپر برآمدے میں مجھے مس جناح ملیں۔ وہ خاموشی سے رو رہی تھیں اور فرطِ جذبات سے میں بھی پُرسکون و خاموش نہ رہ سکا۔ میں زینے سے نیچے اُترا، اپنا سوٹ کیس اُٹھایا۔ کیونکہ میں قائداعظمؒ کے مکان پر ہی پڑا ہوا تھا۔ مس جناح کو خدا حافظ کہا اور بار خاطر کوئٹہ روانہ ہوگیا۔" 30

وہ اگرچہ بوجھل دل اور انجانے خدشات کے ساتھ زیارت سے واشنگٹن آ گئے تھے لیکن اُن کا دھیان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی طرف اُٹکا ہوا تھا۔ وہ خطوط کے ذریعے مسلسل رابطے میں تھے۔ وہ اُنہیں اپنے خطوں میں ڈاکٹروں سے تعاون اور مکمل آرام کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

راجہ غضنفر علی خان بھی قائداعظم محمد علی جناحؒ کے دیرینہ ساتھیوں میں سے تھے۔ اُن کی تعیناتی بطور سفیر ایران ہوئی تھی۔ ایران میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل وہ 28 جولائی کو زیارت اپنے قائد سے ملاقات کیلئے آئے۔ اُن کا مقصد اُن کی تیمارداری اور اُن سے خصوصی ہدایات لینا تھا۔ اُن کی ملاقات ڈیڑھ گھنٹہ رہی۔ اِس موقع پر اُنہوں نے ایران کی سفارت کیلئے دو نکات پر زور دیا۔

(i) پاکستان ایک نیا ملک ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ پاکستان تمام دُنیا کے مسلمانوں کی پُشت پناہی کرنے کے قابل ہوگا۔ حکومت ایران نے دُنیائے اسلام کے نقطہ نگاہ سے پاکستان کی اہمیت کو سمجھنے کی پہل کی ہے، ہمیں بھی ایران کے اِس حقیقی جذبے کی اہمیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایران اور پاکستان کے درمیان برادرانہ تعلقات قائم اور مضبوط کرنے کی ہر تدبیر سوچی جائے۔

(ii) اِس عام اُصول کے علاوہ آپ نے فرمایا کہ ایک خاص مسئلہ ایسا ہے جس کی وقتی اہمیت ہمارے لئے بہت زیادہ ہے میں چاہتا ہوں کہ مناسب طریقے سے اِس مسئلہ کو حکومت ایران کے ساتھ چھیڑا جائے۔ ہم اپنی فوج کو منظم اور مسلح کرنے اور ملک کے دفاع کے قابل بنانے کیلئے سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ہم نے برطانیہ کے ایک کارخانے کو فیوری (Fury) لڑاکا ہوائی جہازوں کیلئے آرڈر دیا ہے۔ لیکن وہ ہر ملک کے آرڈر کی باری باری تعمیل کرتے ہیں۔ اُن کا مال عنقریب اُنہیں ملنے والا ہے۔ اگر وہ ہمیں یہ سہولت دے سکیں کہ جو جہاز اُن کیلئے تیار ہوئے ہیں وہ ہمیں مل جائیں اور

ہمارے آرڈر کے جہاز وہ لے لیں تو ہماری اشد ضرورت پوری ہو جائے گی۔ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ کیا کسی رعایت کے عوض اُن سے یہ رعایت حاصل کرنے کیلئے کوئی سمجھوتہ ہوسکتا ہے یا نہیں۔ 31

زیارت جیسے دور افتادہ مقام پر بیمار قائد کتنا باخبر تھا؟ وہ اپنی صحت سے زیادہ نوزائیدہ ملک کی خارجہ پالیسی کیلئے فکر مند دکھائی دیتا تھا۔ قائد اعظمؒ کے خطوط پر راجہ غضنفر علی خان نے حکومت ایران سے بات چیت کی اور وہ بغیر کسی جوابی رعایت کے اپنے آرڈر کے جہاز پاکستان کو منتقل کرنے پر آمادہ ہوگئی۔ اور آغاز ہی سے ایران سے ایسے تعلقات قائم ہو گئے کہ بیرونی دُنیا کے جس سربراہ مملکت نے سب سے پہلے خیر سگالی دورے پر پاکستان آنا منظور کیا وہ شہنشاہ ایران ہی تھے۔ 32

28 جولائی کو قائد اعظمؒ کے خدمت گزاروں میں ایک اور کردار کا اضافہ ہوا یہ سسٹر فلس ڈنہم تھیں۔ جو اُس وقت کوئٹہ کے سول ہسپتال میں نرسنگ سپرنٹنڈنٹ تھیں۔ سسٹر فلس ڈنہم کے بارے میں محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں کہ وہ انتہائی مستعد نرس ثابت ہوئیں، اس خوبی کی بناء پر قائد اعظمؒ اُنہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے تھے۔ 33 اُن کی پہلے ہی دن اُن سے تکرار کا بڑا دلچسپ واقعہ ہے۔

سسٹر ڈنہم نے اُن کے بستر کے تکیے برابر کرنے چاہے تو اُنہوں نے منع کر دیا اور کہا۔

"مجھے اسی طرح رہنے دو، مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔"

لہجہ خاصا سخت اور درشت تھا۔ جو یقیناً سسٹر ڈنہم کو پسند نہ آیا تھا۔ اُنہوں نے جواباً کہا۔

"اگر آپ کو میری خدمت کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی اس پر اصرار نہیں ہے۔ لیکن ڈاکٹر کا حکم ہے کہ۔۔۔"

اُنہوں نے فوراً ہی جملہ کاٹ کر کہا۔

"میں دوسروں کو حکم دیتا ہوں مجھے کوئی حکم نہیں دے سکتا۔"

سسٹر ڈنہم نے "حکم" کا لفظ واپس لے لیا اور کہا۔

ڈاکٹر صاحب نے درخواست کی ہے کہ۔۔۔

اُس کے بعد اُنہوں نے دوائی پینے سے انکار کر دیا۔ سسٹر ڈنہم نے اُنہیں خوش کرنے اور دوائی پینے کیلئے آمادہ کرتے ہوئے کہا۔

"جناب آپ مان جایئے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ تھوڑے ہی دنوں میں میرے طور طریقے قبول کر لیں گے اور میں آپ کے۔"

اُنہوں نے جواب دیا۔

"میرے طور طریقے انوکھے تو نہیں، اُن کو سمجھنے کیلئے صرف عقل سلیم کی ضرورت ہے۔"

چار دنوں کے بعد سسٹر ڈنہم اِس نتیجے پر پہنچیں کہ قائد اعظمؒ کی تیمارداری اُن کے بس کی بات نہیں اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کہا کہ اُنہیں فارغ کر دیا جائے اور اُن کی جگہ کسی مرد نرس کو اُن کی تیمارداری کیلئے رکھ دیا جائے، تو مناسب ہوگا۔ اُن کے سامنے جب یہ تجویز پیش ہوئی تو اُنہوں نے انکار کر دیا اور کہا۔

"میں مرد نرس کو رکھنا نہیں چاہتا۔ سسٹر ڈنہم کو ٹھہرنا ہوگا وہ مجھے پسند ہیں۔" 34

سسٹر ڈنہم کی فرض شناسی اور تیمارداری سے وہ بہت مطمئن تھے اب وہ اُن کی ہر بات مان لیتے تھے۔ ایک دن جب سسٹر ڈنہم اپنے مریض کے کمرے میں آئیں تو اُن کے ہاتھ میں بُرش اور کنگھا تھا۔ وہ اُنہیں دیکھ کر مُسکرائے اور اپنا سر تکیہ پر ڈال دیا۔ نرس نے بالوں میں بُرش پھیرنا شروع کر دیا تو مزاحاً کہنے لگے۔ "کیا تم میرے سر کا گنجا حصہ چھپانے کی کوشش کر رہی ہو؟" 35

جولائی کے آخر میں وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان اور چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل

حکومت پاکستان قائداعظمؒ کی مزاج پُرسی کو زیارت آئے۔ یہ ان کی عیادت کا پہلا اور آخری موقع ثابت ہوا۔ اُنہوں نے بڑی بے تابی سے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے قائداعظمؒ کی کیفیت دریافت کی۔ اُن کے لہجے میں بڑا اضطراب اور بے چینی تھی۔ وہ کرید کرید کر اُن کی صحت کے حوالے سے بات کر رہے تھے۔ وہ اُن کی جلد صحت یابی کیلئے دُعا گو تھے۔ اُنہوں نے اِس بات کا بھی اظہار کیا کہ قائداعظمؒ کو اپنے معالج پر اعتبار ہے، اور اِس وجہ سے اُن کی صحت پر اچھے اثرات پڑنے کے امکانات تھے۔ وزیراعظم پاکستان اپنے راہنما اور پُرانے رفیق کی علالت اور صحت سے بہت افسردہ تھے۔ اُن کی دلسوزی سے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش بہت متاثر ہوئے۔ 36

محترمہ فاطمہ جناح وزیر پاکستان لیاقت علی خان کی زیارت آمد کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ

> جولائی کے آخر میں ایک روز وزیراعظم لیاقت علی خان اور سیکرٹری جنرل مسٹر محمد علی اچانک زیارت پہنچ گئے۔ اُن کے آنے کی پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی۔ وزیراعظم نے ڈاکٹر الٰہی بخش سے پوچھا کہ قائداعظمؒ کی صحت کے متعلق اُن کی تشخیص کیا ہے؟ ڈاکٹر نے کہا کہ اُسے محترمہ فاطمہ جناح نے یہاں بلایا ہے، اِس لئے وہ اپنے مریض کے متعلق کوئی بات صرف اُنہی کو بتا سکتے ہیں۔ "لیکن وزیر اعظم کی حیثیت سے میں قائداعظمؒ کی صحت کے متعلق متفکر ہوں۔" ڈاکٹر نے ادب سے جواب دیا۔ 'جی ہاں بے شک'۔ لیکن میں اپنے مریض کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں بتا سکتا۔
>
> جب محترمہ فاطمہ جناح نے قائداعظمؒ کو وزیراعظم کی آمد کی اطلاع دی، تو وہ مُسکرائے اور فرمایا۔ تم جانتی ہو وہ یہاں کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے، میں کتنا عرصہ

زندہ رہ سکتا ہوں، تم نیچے جاؤ اور پرائم منسٹر سے کہہ دو کہ میں اُنہیں ابھی ملوں گا۔

محترمہ فاطمہ جناح نے کہا اب کافی دیر ہوگئی ہے کل صبح اُن سے مل لیں۔

نہیں! قائداعظمؒ نے فرمایا ابھی آنے دو۔

وزیراعظم نصف گھنٹے کے قریب قائداعظمؒ کے پاس رہے، اُس کے بعد جب وہ اندر گئیں تو قائداعظمؒ بے حد تھکے ہوئے تھے۔ اُنہوں نے کچھ جوس مانگا اور پھر چوہدری محمد علی کو اپنے پاس بلایا۔ سیکرٹری جنرل پندرہ منٹ تک قائداعظمؒ کے ساتھ رہے۔ اُس کے بعد وہ دوبارہ قائداعظمؒ کے کمرے میں گئیں اور پوچھا کہ کیا وہ جوس یا کافی پینا پسند فرمائیں گے۔ قائداعظمؒ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ وہ کسی سوچ میں محو تھے۔ اب ڈنر کا وقت آ گیا تھا۔ قائداعظمؒ نے اُن سے کہا "بہتر ہے تم نیچے چلی جاؤ اور اُن کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

"نہیں"، اُنہوں نے اصرار کیا، "میں آپ کے پاس ہی بیٹھوں گی اور یہیں پر کھانا کھالوں گی۔"

"نہیں"، قائداعظمؒ نے فرمایا، "یہ مناسب نہیں وہ یہاں پر ہمارے مہمان ہیں۔ جاؤ اور اُن کے ساتھ کھانا کھاؤ۔"

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ کھانے کی میز پر اُنہوں نے وزیر اعظم کو بڑے خوشگوار موڈ میں پایا۔ وہ ہنسی خوشی پُر مذاق باتیں کرتے رہے۔ جبکہ اُن کا اپنا دل اپنے بھائی کیلئے خوف سے کانپ رہا تھا۔ جو اوپر کی منزل میں بستر علالت پر اکیلے پڑے تھے۔ کھانے کے

دوران چوہدری محمد علی چپ چاپ کسی سوچ میں گم رہے۔

کھانا ختم ہونے سے پہلے وہ اوپر چلی گئیں۔ اُنہوں نے بڑی ضبط سے اپنے آنسوؤں کو روک رکھا تھا۔ قائد اعظمؒ اُنہیں دیکھ کر مُسکرائے اور فرمایا۔ "فطی" تمہیں ہمت سے کام لینا چاہیے۔ [37]

محترمہ فاطمہ جناح کی یہ تحریر کئی قصوں اور افسانوں کا سبب بنی۔ درحقیقت قائداعظمؒ اُن دنوں اپنی بیماری کی وجہ سے انتہائی زودرنجی کا شکار تھے۔ وہ ہمیشہ خوش لباس اور خوش گفتار رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اُنہیں بیماری میں بے کس و لاچار دیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ انتہائی محدود لوگ وہ بھی اُن کی رضامندی سے اُنہیں ملنے اور عیادت کیلئے آئے۔ بالعموم ایسے موقعوں پر عزیز و اقارب کی ایک بڑی تعداد آیا کرتی ہے۔ لیکن وہ بھی یہاں نظر نہیں آئے۔ جس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ اُن کی بیماری کو پوشیدہ رکھا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ اُن کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی اُنہیں مجبور دیکھے۔ اُن کی اِس عادت کا خیال کرتے ہوئے یقیناً محترمہ فاطمہ جناح نے اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہوگی۔ وزیراعظم لیاقت علی خان کی زیارت آمد کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ قائد اعظمؒ کا یہ کہنا کہ "وہ یہ دیکھنے آئے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے اور میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا ہوں" اسی کیفیت کا حصہ ہے۔ لیکن اِس کے باوجود اُنہیں اپنی روایات کی پاسداری بڑی عزیز تھی۔ مہمانوں کا نہ صرف گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ اُن سے مملکت کے مختلف اُمور پر اُنہوں نے تبادلہ خیال بھی کیا۔ نیز اُن کے کھانے کا خصوصی اہتمام بھی کیا گیا اور اُنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو خصوصی طور پر ہدایت کی کہ وہ مہمانوں کے ساتھ کھانا کھائیں۔

بیماری کی وجہ سے قائداعظمؒ کئی دفعہ ناواجب طور پر ضد سے کام لینا شروع کر دیتے تھے۔ جس سے خاصی پریشانی ہوجاتی تھی۔ وہ رات کو سوتے ہوئے ریشمی پاجامہ پہنتے تھے۔ یہ اُن کی ساری زندگی کی عادت تھی۔ نرس سسٹر فلس ڈنہم نے محسوس کیا کہ وہ اکثر رات کو سردی سے کانپتے رہتے ہیں۔ اس کا ذکر اُنہوں نے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کیا۔ اُنہوں نے فوراً اُن کے

لئے Viyella وائلا (اونی کپڑا) منگوانے کیلئے کراچی لکھ بھیجا۔ وہ اونی پاجاموں کیلئے راضی نہ تھے۔ اُن کی بجائے سوتی پاجاموں کیلئے راضی تھے۔ یہ اُن کی سردی کا حل نہ تھے۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے جب اُنہیں بتایا کہ اُنہوں نے اُنکی اجازت کے بغیر بیس گز وائلا (Viyella) کیلئے کراچی پیغام بھیجا ہے۔ تو اُنہوں نے نصیحتاً کہا۔

ڈاکٹر! سنیئے میری نصیحت یہ ہے کہ جب آپ کچھ خریدنا چاہیں تو دوبارہ غور کرلیا کریں۔ کہ کیا اُس کے بغیر کام چل سکتا ہے یا واقعی اُس کی ضرورت ہے۔ [38]

اِس کی واقعی ضرورت تھی۔ اِن پاجاموں کے استعمال سے وہ پُرسکون سونے لگے۔ اُن کے تھوڑے سے اختلاف کے بعد راضی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ وہ اپنے معالجوں پر اعتبار کر رہے تھے۔ یہ بہت اچھا شگون تھا۔ اُن کے تعاون سے یہ محسوس ہونے لگا کہ صحت یاب ہونے کی کوششوں میں وہ ان سب کے ساتھ شریک تھے۔ وہ اکثر کھانے کی بےلذتی کی شکایت کیا کرتے تھے۔ اُن کی صحت کیلئے ضروری تھا کہ وہ اچھی خوراک باقاعدگی سے لیتے رہتے۔ اُن کی خوراک کو اُن کیلئے مرغوب بنانا ضروری تھا۔ اِس کیلئے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے محترمہ فاطمہ جناح کو مشورہ دیا کہ وہ ریاست کپورتھلہ کے سابق باورچی "امانت علی" کی خدمات حاصل کرلیں۔ وہ اس کے ہنر سے واقف تھے۔ وہ کئی سال تک پیرس رہ چکا تھا۔ اُس نے باورچی خانے کا کام مشہور ہوٹل "رٹز Ritz" اور دوسرے معروف ہوٹلوں سے سیکھا تھا۔ [39] اُن کے مشورے پر اُنہوں نے فوری طور پر اُسے بلوالیا۔ وہ ہر تدبیر سے اپنے بھائی کو صحت مند دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔

بیماری کے باوجود قائد اعظمؒ نے اپنے روزمرہ کے معمولات کو ترک نہ کیا۔ وہ ہر صبح حجامت بنواتے۔ ساڑھے چھ بجے چائے پیتے۔ ڈاکٹروں کی رائے تھی کہ اگر وہ سوئے ہوئے ہوں تو بہتر ہے کہ چائے کیلئے اُن کو نہ جگایا جائے کیونکہ آرام اور نیند اُن کے لئے اشد ضروری تھا۔ اِس پر اُنہوں نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "صحت کیلئے زندگی بھر کے اُصول ترک نہیں کئے

جاسکتے"۔ کئی دن کی بحث وتمحیص کے بعد ڈاکٹروں نے اُنہیں راضی کرلیا کہ اگر وہ سوئے ہوئے ہوں تو اُن کو چائے کیلئے نہ اُٹھایا جائے۔ 40 اُن کی صحت کو بہتری کی طرف مائل دیکھ کر ڈاکٹروں نے اُنہیں اخبارات پڑھنے کی اجازت دے دی تھی کیوں کہ ڈاکٹر محسوس کرتے تھے کہ ایسا شخص جس کا دماغ تیزی سے چلتا ہو، اُس کا مصروف رہنا بے حد ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنی بیماری کے بارے میں نہ سوچے۔ اُنہیں تھوڑی دیر کیلئے سرکاری اُمور دیکھنے کی بھی اجازت مل گئی۔ لیکن اِس بات کا خصوصی اہتمام کیا گیا کہ وہی معاملات بھیجے جائیں جن کا اُن تک پہنچنا ناگزیر ہو۔ وہ معاملات ہرگز نہ بھیجیں جائیں جواُن کی پریشانی کا موجب بنیں۔ 41

مسلسل علاج اور تیمارداری سے قائداعظمؒ کی صحت اچھی ہوگئی تھی۔ بھوک بھی زیادہ لگنے لگی تھی اور چہرے پر خون بھی دوڑنے لگا تھا۔ اب وہ اکثر مختلف موضوعات پر بحث کرتے تھے اور مختلف مسائل پر روشنی ڈالتے۔ گفتگو میں اُن کا پسندیدہ موضوع پاکستان ہوتا تھا۔ ایک روز جب ڈاکٹر ریاض علی شاہ اُنہیں ٹیکہ لگانے کیلئے گئے تو باتوں باتوں میں وہ فرمانے لگے۔

"پاکستان ایک زندہ حقیقت ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کا دوست اور دُشمن سب ہی اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ پاکستان بن چکا ہے۔ پاکستان کا مستقبل درخشندہ ہے۔ میرے دل کو اطمینان ہے کہ براعظم ہند میں مسلمان غلام نہیں۔ بلکہ ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد مملکت کے مالک ہیں۔ جن کے وسائل و ذرائع لامحدود ہیں۔ جس کی ترقی کی شاہراہیں نمایاں ہیں اور انشاء اللہ مستقبل قریب میں پاکستان دُنیا کا عظیم ترین ملک بن جائے گا۔ جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میری قوم آج آزاد ہے تو میرا سر عجز و نیاز کے جذبات کی فراوانی سے بارگاہِ رب العزت میں سجدہ شکر بجا لانے کیلئے جھک جاتا ہے۔" 42

اُنہوں نے گفتگو کے سلسلے کو مزید جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ مشیت ایزدی ہے کہ وہ قوم جس کو برطانوی سامراج اور ہندو بنیا ازم نے قرطاسِ ہند سے حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی سازش کر رکھی تھی، آج وہ قوم آزاد ہے۔ اِس کا اپنا ملک ہے اور اپنا جھنڈا ہے۔ اپنی حکومت ہے۔ اپنا سکہ ہے اور اپنا آئین و دستور ہے۔ کیا کسی قوم پر اِس سے بڑھ کر خُدا کا اور انعام ہوسکتا ہے؟ خُدا کے انعام عظیم کی حفاظت اب مسلمانوں کا فرض ہے۔ پاکستان ایک تحفہ ہے اور خداوندی تحفے کا تحفظ ہر مسلمان کا ایمان ہونا چاہیے۔ اگر پاکستانی نیک نیتی، دیانت داری، خلوص، نظم وضبط اور اعمال وافعالِ صالح سے دن رات کام کرتے رہے، اِن میں بدی اور نفاق، جاہ طلبی اور ذاتی مفاد کا جذبہ نفریں پیدا نہ ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ چند سالوں ہی میں دُنیا کی بڑی قوموں میں شمار ہونے لگیں گے۔ اُن کا ملک امن وآشتی، تہذیب وتمدن، ثقافت وشرافت کا مرکز ہوگا اور اُس کی حدود سے ترقی کی شعاعیں نکل کر ایشیائی ممالک کی راہنمائی ورہبری کریں گی۔ اُن کو ترقی اور امن کا راستہ دکھائیں گی۔" 43

وہ اپنی بیماری میں بھی قوم کے غم اور خوشیوں میں شریک ہونے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے ان کی شرکت ممکن نہ ہوتی تو وہ اپنا پیغام ضرور بھجوا دیتے تھے تاکہ ان کی عوام اُنہیں اپنے دُکھ سُکھ میں شریک سمجھے۔ 7 اگست کو عیدالفطر کا تہوار تھا۔ یہ عید ایسے موقع پر آئی تھی کہ جب عالمِ اسلام بعض اہم مسائل سے دوچار تھا۔ کشمیر کا مسئلہ نازک صورت اختیار کر چکا تھا۔ دوسری طرف فلسطین اور انڈونیشیا میں مسلمان بے حد آزمائشی مراحل سے گزر رہے تھے۔ قائداعظمؒ نے اپنے پیغامِ عید میں قوم کو اِن مسائل کی طرف توجہ دلائی اور پوری اسلامی

دُنیا کو متحد ہو جانے کا مشورہ دیا۔ قائداعظمؒ نے روزے کے اسلامی فلسفہ۔۔۔ضبطِ نفس اور ایثار۔۔۔ پر روشنی ڈالتے ہوئے قوم سے اپیل کی کہ وہ عام زندگی میں بھی قربانی اور فرض شناسی کے اوصاف پر عمل پیرا ہوں تاکہ ترقی اور خوشحالی اُن کے قدم چومے۔ اُنہوں نے اپنے پیغامِ عید میں کہا۔

"میں ہر مسلمان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ پاکستان کی خدمت، دیانتداری، خلوص اور بے غرضانہ انداز میں کرے۔ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں حصول اقتدار کیلئے جو ناٹک کھیلا جارہا ہے۔ اُس سے ہماری آنکھیں کُھل جانی چاہئیں۔ اِس سے ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ تمام مسلمانوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد و متفق ہو جانا چاہیے۔ تاکہ دُنیا کی کونسلوں اور انجمنوں میں ہماری آواز سُنی جائے۔ اِس خوشی کے موقع پر میں تمام دُنیا کے مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں اور دُعا کرتا ہوں کہ وہ خوشی خوشی اِس روزِ سعید کو گزاریں۔ ہم پاکستانیوں کیلئے پچھلی عید جو قیامِ پاکستان کے فوراً بعد آئی تھی اُس کی تمام خوشیاں اور مسرتیں اُس خونی حادثہ کی نذر ہو گئیں جو مسلمانوں پر ٹوٹا تھا اور جس کے باعث لاکھوں افراد کو ہجرت کرنا پڑی۔ اِس بے پناہ اور مظلوم ہجوم کو سہارا دینے کیلئے ہم نے اپنے تمام وسائل کی بازی لگادی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ ڈر تھا وہ بھی ہمارا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ اُس طوفان نے تو ہمارے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ لیکن پھر بھی ہم کسی نہ کسی طرح اپنا سر اونچا رکھنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

تمام مہاجروں کو آباد و بحال کرنے کیلئے بارہ ماہ کا عرصہ کچھ بھی نہیں

ہے۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اگلی عید سے پہلے پہلے یہ مسئلہ حل کر کے چھوڑا جائے گا اور تمام مہاجرین کو ہم پاکستان کے اقتصادی نظام میں سمو لیں گے اور وہ معاشرہ کے کارآمد ممبر بن چکے ہوں گے۔ پچھلے بارہ ماہ کی داستان ایک مسلسل جدوجہد کی تاریخ ہے۔ لیکن جس چیز نے ہمیں زندہ رکھا ہے وہ جذبہ اتحاد ہے کہ ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوں اور ہم نے عزم کرلیا تھا کہ ہم اپنے نوزائیدہ ملک کو دُشمنوں کی ضربوں سے بچا کر رہیں گے۔ ہم نے سخت سے سخت طوفان کا منہ پھیر دیا اور کنارہ اگرچہ دور ہے مگر سامنے نظر آرہا ہے۔ اگر ہم اندرونی اختلافات میں پھنس کر اپنی توانائیوں کو ضائع نہ ہونے دیں تو ہمیں اپنے روشن مستقبل پر پورا ایمان رکھنا چاہیے۔ ہمیں اتحاد و اتفاق اور نظم و ضبط کی اِس وقت سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ ہم صرف یگانگت و اتحاد اور اعتقاد و اعتماد ہی کے سہارے ایسا پاکستان تعمیر کرسکیں گے جو ہمارے تصورات میں کروٹیں لیتا رہا ہے۔

آپ لوگ ماہِ رمضان کے بعد عید منارہے ہیں۔ مسلمانوں پر روزہ اِس لئے فرض کردیا گیا ہے تاکہ اُن میں نظم وضبط پیدا ہو۔ یہ ایسی صفات ہیں جنہیں ہمیں اپنے آپ میں پیدا کرنا چاہیے۔ کیونکہ اسی میں ہماری قوم کی نجات و بقا مضمر ہے۔ میں تمام اسلامی ممالک کو دوستی اور بھائی چارے کا پیغام دیتا ہوں۔ ہم اِس وقت ایک خطرناک دور سے گزر رہے ہیں۔ فلسطین، انڈونیشیا اور کشمیر میں حصول اقتدار کیلئے جو جنگ و جدل برپا ہے اِس سے اب ہماری

آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔۔۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ بین الاقوامی انجمنوں اور کونسلوں میں ہماری آواز گونج اُٹھے تو یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب ہم یکجان دو قالب بن جائیں۔۔۔ اِس لئے میں ہر زبان و ملک کے مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ اُن کو پاکستان کی خدمت پوری ایمانداری، خلوص اور بے غرضی سے کرنی چاہیے۔" [44]

عید کی شام کو ڈاکٹر عالم نے برقی شعاعی علاج شروع کر دیا اور سب سے پہلے ایک ٹانگ پر چند منٹ کیلئے اِس ارادے سے آزمایا کہ اگر مریض برداشت کرے تو اُسے زیادہ وقفے کیلئے دونوں ٹانگوں پر جاری رکھا جائے۔ اُس کے ابتدائی نتائج بہت اچھے ثابت ہوئے۔ لیکن 9 اگست کو قائداعظمؒ کے پاؤں پر ورم آ گیا اور پیشاب کی مقدار بھی کم ہوگئی۔ یہ بات خطرے سے خالی نہ تھی۔ چنانچہ تجویز یہ ہوا کہ فی الفور اُنہیں کوئٹہ لے جایا جائے۔ خیال یہ تھا کہ اِس کم بلند مقام پر اُنہیں یقیناً فائدہ ہوگا۔ چنانچہ محترمہ فاطمہ جناح سے مشورہ کر کے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اُن کو مطلع کیا۔ وہ 15 اگست سے قبل کوئٹہ جانے کو تیار نہ تھے۔ لیکن ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے اصرار پر وہ 13 اگست کو کوئٹہ جانے پر رضامند ہوگئے۔ [45]

زیارت سے کوئٹہ تک کا سفر اُنہوں نے بڑے اہتمام سے کیا۔ نیا کوٹ پہنا جو اُنہوں نے کراچی میں سلوایا تھا۔ اپنے پمپ جوتے پہنے اُس کے بعد اپنے اِک (Monocle) کی سُرمئی ریشمی ڈوری اپنے گلے میں ڈالی۔ اُنہوں نے یک چشمہ لگانا پچاس سال قبل شروع کیا تھا۔ جب وہ لندن میں زیرِ تعلیم تھے۔ آج موت کے سائے میں بھی وہ اپنا یک چشمہ نہ بھولے تھے۔ نوجوانی میں پہلی دفعہ اُسے لگا کر جو خوشی ہوئی اُس کی یاد شاید آج پھر تازہ ہوگئی تھی۔ اُنہوں نے ایک سفید رومال اپنی اُنگلیوں میں دبایا اور لیفٹیننٹ مظہر احمد نے فوجی اے۔ ڈی سی اور دو پٹھان خدمت گاروں کی مدد سے اُن کا نحیف جسم اُٹھا کر سٹریچر پر رکھا اور نیچے لائے۔ [46] زیارت ریذیڈنسی کا سارا عملہ اپنے مہمان کو رُخصت کرنے کیلئے جمع تھا۔ صالح محمد مالی بھی اُن میں موجود تھا

جو روزانہ اُن کے کمرے میں پھول لے کر جاتا تھا۔ صالح محمد کو دیکھ کر قائداعظمؒ مُسکرائے اور اُس کے سلام کے جواب میں کہا۔۔۔ صالح محمد۔۔۔ تم ہمارے ساتھ کوئٹہ چلو وہاں سے واپس آ جانا۔ [47]

صالح محمد اِس اعزاز پر ساری عمر نازاں رہا۔

☆☆☆

باب نمبر 6

کوئٹہ سے کراچی

13 اگست کو زیارت سے کوئٹہ کا سفر انتہائی خاموشی اور رازداری سے کیا گیا۔ کوئٹہ سے ایمبولینس منگوانے کا اہتمام بھی نہ کیا گیا موٹر کار کی پچھلی نشست کھول کر قائداعظم محمد علی جناحؒ کو نیم دراز لٹا دیا گیا۔ اُن کو جھٹکوں اور ہچکولوں سے بچانے کیلئے کار کی رفتار انتہائی سُست رکھی گئی۔ زیارت سے کوئٹہ 133 کلومیٹر کے فاصلے پر تھا۔ اگرچہ ارادہ تھا کہ راستے میں ریسٹ ہاؤس میں کچھ دیر قیام کیا جائے، لیکن اُن کی حالت کو بہتر دیکھتے ہوئے یہ فیصلہ منسوخ کر دیا گیا۔ تاہم ایک جگہ رُک کر اُنہیں چائے اور بسکٹ دیئے گئے۔ زیارت سے کوئٹہ تک کا فاصلہ چار گھنٹوں میں طے ہوا، پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی تھی۔ اُن کی خیریت سے کوئٹہ پہنچ جانے پر تمام لوگ خوش تھے۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اُن کی نبض دیکھی جو دس یا پندرہ بار چلنے کے بعد دب رہی تھی، یہ سفر کی تھکان کی وجہ سے تھی۔ اُن کے خون کا دباؤ ٹھیک تھا۔ مجموعی طور پر وہ تازگی محسوس کر رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح شکر ادا کر رہیں تھیں کہ اُن کا سفر خیریت سے ہوا تھا۔ خود وہ بھی اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہے تھے اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کہہ رہے تھے۔

میں یہاں بہتر محسوس کر رہا ہوں۔۔۔ زیارت میں مجھے سانس لیتے ہوئے دُشواری محسوس ہوتی تھی۔ 1

اگلی صبح صورتِ حال نہایت اطمینان بخش تھی۔ رات کا کھانا اُنہوں نے رغبت سے کھایا تھا اور وہ ساری رات آرام سے سوتے رہے تھے۔ اُنہیں کھانسی کی شکایت بھی نہیں ہوئی تھی اور نبض بھی ٹھیک چل رہی تھی۔ خون کا دباؤ بہت بہتر تھا، بلغم بھی نہیں آیا تھا۔ یہ دیکھ کر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اُن سے کہا۔

"خُدا کا شکر ہے کہ ہم زیارت سے بخیریت تمام آ پہنچے۔ اِس کمزوری

کی حالت میں آپ کو سفر کی زحمت دینا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لیکن اِس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ زیارت کی بلندی آپ کیلئے مُضر تھی۔ اِس لئے ابتدائی فائدے کے بعد صحت کی ترقی رُک گئی اور آپ کے پاؤں کے ورم سے ہمیں تردد تھا اور اگر آپ یہاں نہ آتے تو حالت شاید زیادہ خراب ہوجاتی۔"

اُن کا تجزیہ سُن کر قائداعظمؒ مُسکرائے اور کہا۔

"بہت اچھا کیا آپ مجھے یہاں لے آئے۔ زیارت میں مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پنجرے میں بند ہوں۔"

زیارت کے متعلق اُن کا یہ بیان بالکل بجا تھا۔ وہ وہاں اِس لیے گئے تھے کہ ایک پُر فضا اور خوشگوار مقام پر رہ کر کھوئی ہوئی صحت کو دوبارہ حاصل کریں لیکن بدقسمتی سے وہاں جاتے ہی بیمار پڑ گئے اور کمزور ہوتے چلے گئے۔ 2

زیارت میں اُن کی صحت سے اُن کے ڈاکٹر مطمئن نہ تھے۔ وہ سخت تشویش محسوس کرتے تھے۔ اِس حوالے سے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے لکھا۔

زیارت میں میری اور ڈاکٹر شاہ (ریاض علی شاہ) کی حالت عجیب تھی۔ کئی راتیں اور دن تشویش ناک عالم میں گزارے تھے۔ باوجود اِس کے کہ قائداعظمؒ کا بخار اُتر چکا تھا۔ اور وہ رو بصحت تھے۔ ہمیں ہر لحظہ خطرہ محسوس ہوتا تھا۔ جیسے کوئی آتش فشاں پہاڑ کے دہانے پر بیٹھا ہو۔ خیال کیجئے ایک بوڑھا، بہتر سالہ ناتواں مریض، پھیپھڑوں کی بیماری، خون کا دباؤ کم، لاغری اور نقاہت، زیارت کا مقام، ساڑھے آٹھ ہزار فٹ کی بلندی پر، اُدھر مریض بھی وہ مریض جو آقائے مملکت اور بابائے ملت ہو۔ کتنا نازک

مرحلہ تھا، کتنی بڑی ذمہ داری تھی۔ 3

اُس دن چودہ اگست تھا۔۔۔ پاکستان کے قیام کی پہلی سالگرہ، وہ بہت خوش تھے۔ اُنہوں نے اپنے عملے اور معالجوں سے آزادی کے دن کی مبارک باد کا تبادلہ کیا اور اُنہوں نے سب کو اُس کے جشن کی تقریبات میں شرکت کی فراخدلانہ اجازت دی۔ اگر وہ بیمار نہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی اِس دن دارالحکومت میں کسی شاندار تقریب میں شامل ہوتے، اِس کی حسرت اُن کو ہوگی۔

اُن کی بیماری کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کہاں تھے؟ اور کن حالات میں تھے؟ اُن کی بیماری کیا تھی؟ اور اُس کا کیسا علاج ہو رہا تھا؟ اُن کا معالج کون تھا؟۔۔۔ اُن کی علالت اور اُس کی تفصیلات کو صیغہ راز میں رکھنا اور عوام تک اُس کی اطلاع نہ پہنچنے دینا شاید مملکت کے وسیع تر مفاد میں تھا۔ خود وہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ عوام اور خواص کو اُن کی علالت اور تشویش ناک حد تک کمزوری کا علم ہو۔ چنانچہ اِس اہم تقریب سے غیر حاضری کے جواز کیلئے 7 اگست کو کراچی سے ایک پریس نوٹ حکومت کو جاری کرنا پڑا۔ جس میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی طرف سے معذرت جاری کی گئی تھی کہ "وہ ملک کے قیام اور آزادی کے حصول کی پہلی سالگرہ کی تقریبات میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔" 4

اِس پریس ریلیز سے عوام الناس میں تشویش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ ملک کا بانی، لوگوں کا محبوب قائد، اِس اہم تقریب میں کیوں کر شرکت نہیں کر رہا تھا؟ یہ بات لوگوں کیلئے انتہائی تشویش کا باعث تھی۔ اُن کی ذات اور صحت کے حوالے سے مختلف چہ میگوئیاں ہونا شروع ہو گئیں۔ حکومتی حلقے لوگوں کے ردِعمل سے بہت پریشان ہوئے۔ لوگوں کو مطمئن کرنے کیلئے قائد اعظمؒ کے حوالے سے وزارتِ داخلہ کو ایک اور خصوصی پریس نوٹ شائع کرنا پڑا جس میں وضاحت کی گئی کہ

"پچھلے دنوں سے بعض خود غرض لوگوں نے قائد اعظمؒ کی صحت کے متعلق غلط افواہیں پھیلا دی ہیں۔ جس کے باعث لوگوں میں

تشویش اور پریشانی پھیل گئی ہے۔ مخالفین نے قائد اعظمؒ کے جشنِ آزادی میں شرکت نہ کر سکنے کی خبر کو بھی غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔ حکومت پاکستان نہایت قطعی طور پر اعلان کرتی ہے کہ قائد اعظمؒ ماشاءاللہ بالکل اچھے ہیں۔ البتہ اُنہیں مشورہ دیا گیا ہے کہ وہ اِس مہینے کے آخر تک غیر ضروری محنت سے پرہیز کریں اور زیارت میں قیام فرمائیں۔ 5

حکومت اور اُس کے اراکین کی طرف سے یہی تاثر دیا گیا کہ وہ ٹھیک اور بہتر تھے۔ اور صرف آرام کی غرض سے زیارت میں قیام پذیر تھے۔ اِن وضاحتوں سے نہ عوام کی تشویش کم ہوئی اور نہ اضطراب۔۔۔ 14 اگست کے جشنِ استقلال مین وہ کہیں نہ تھے۔ صرف اُس موقع پر اُن کا ریکارڈ شدہ پیغام ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔ اُنہوں نے اِس موقع کی مناسبت سے کہا۔

اہلِ پاکستان!

آج ہم آزادی کی پہلی سالگرہ منا رہے ہیں ایک سال ہوا اہلِ پاکستان کو کامل اختیارات سونپے گئے تھے اور موجودہ ترمیم شدہ دستور کے تحت حکومت پاکستان نے ملکی معاملات کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ ہم نے سال بھر کے حوادث کا مقابلہ ہمت، عزم اور تدبر سے کیا ہے اور دُشمن کے حملوں کا جن کا ذکر اِس سے پہلے بار بار کیا جا چکا ہے خصوصاً مسلمانوں کو بہ حیثیت قوم کے ختم کر دینے اور پہلے سے طے کئے ہوئے پروگرام کی روک تھام اور ملکی تعمیرات کا اصل کام کر کے ایک حیرت انگیز کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ہمارے تعمیری اور اصلاحی کام کا نتیجہ ہمارے بہترین دوستوں کی توقعات سے بڑھ چڑھ کر نکلا۔ میں آپ سب کو وزیر اعظم کی قیادت میں

اپنے وزراء کو دستور ساز اسمبلی اور مجالس قانون ساز کے ارکان کو مختلف انتظامی محکموں کے افسروں اور دفاعی فوجوں کے ارکان کو اِن کارناموں پر جو اُنہوں نے اِس تھوڑے سے عرصہ میں انجام دیئے ہیں، مبارک باد دیتا ہوں اور میں اہلِ پاکستان کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ہماری کوششوں میں ہمارا ساتھ دیا اور صبر وتحمل کا ثبوت دیا۔ جو ہم نے پہلے سال کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کیں۔

لیکن یہی کافی نہیں! یاد رکھیئے کہ پاکستان کا قیام دُنیا کی تاریخ میں ایک بے نظیر واقعہ ہے یہ دُنیا کی عظیم ترین اسلامی ریاستوں میں سے ہے اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا مملکت پاکستان سال بہ سال اپنے عظیم الشان فرائض انجام دیتی رہے گی۔ بشرطیکہ ہم ایمانداری، تن دہی اور بے غرضی سے اُس کی خدمت کرتے رہیں۔ مجھے اپنے عوام پر پورا پورا بھروسہ ہے کہ وہ ہر صورت حال سے اِسی طرح عہدہ برآ ہوں گے جو ہماری گذشتہ اسلامی تاریخ کی شان و شوکت اور روایات کے شایان شان ہوگا۔

اُن لاکھوں مہاجرین کی داستان جنہیں ہماری سرحد کے اُس پار اپنے گھروں کو چھوڑ کر پاکستان میں پناہ لینی پڑی سب کو معلوم ہے کہ یہ المناک حادثہ اُس وقت پیش آیا کہ ابھی ہماری نئی مملکت کو اپنے پاؤں جمانے کا مشکل سے وقت ملا تھا اور فی الواقعہ اُس کی لپیٹ میں بہت سے وہ لوگ بھی آ گئے جنہیں سرکاری ملازمتوں کی حیثیت سے خود حکومت کی انتظامی مشینری کو قائم کرنا تھا۔ میں جانتا

ہوں کہ اپنے اُن بے گھر اور ستم رسیدہ بھائیوں کے لئے جو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ نہیں کیا جا سکا۔ اُن میں سے بہت سے لوگ ابھی تک بہت مشکلات سے دوچار ہیں۔ محض یہ واقعہ کہ مہاجرین کی ایک بڑی تعداد اپنے نئے گھروں میں ایک نئی مسرور زندگی کی اُمید کے ساتھ آباد کر دی گئی ہے۔ یہ معمولی کارنامہ نہیں ہے اگر اہلِ پاکستان اُخوت کے اِس جذبہ کا اظہار نہ کرتے جو اُنہوں نے کیا، پاکستان کے وجود میں آتے ہی دیگر ذرائع سے اُس کا گلا گھونٹنے کی تدبیروں میں ناکام ہو کر ہمارے دُشمنوں کو یہ آس تھی کہ اُن کا دلی منشاء اقتصادی چالبازیوں سے پورا ہو جائے گا۔ اُن تمام دلائل سے کام لے کر جن کی تہہ میں محض عداوت اور کینہ پروری کام کر رہی تھی، اُنہوں نے یہ پیش گوئی کی کہ پاکستان کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ لیکن یہ جھوٹے نجومی اپنی چالوں میں ناکام رہے۔ ہمارے پہلے بجٹ میں بچت ہوئی اور توازن تجارت ہمارے حق میں ہے۔ اِس کے ساتھ اقتصادی میدان میں بھی ہم نے ہمہ گیر اور مسلسل ترقی کی ہے۔ کسی مملکت کی تاریخ میں ایک سال کا عرصہ اُس کے کارناموں کا جائزہ لینے اور اُس کے مستقبل کا اندازہ لگانے کیلئے مختصر ہے۔ لیکن جس طرح ہم نے زبردست مشکلات پر قابو پایا ہے اور گذشتہ بارہ مہینوں میں جو ٹھوس ترقی کی ہے۔ اُس کی بناء پر ہم یہ اُمید کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمارا مستقبل شاندار ہوگا۔ جہاں تک مرکزی حکومت کا تعلق ہے، ہمیں انتظامی معاملات بالکل نئے سرے سے شروع کرنے پڑے۔

مغربی پنجاب میں یہ صورتِ حال پیش آئی کہ پاکستان قائم ہوتے ہی وہاں کا نظام حکومت تقریباً درہم برہم ہونے والا تھا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ ہم نے ان تمام اُمور کا، جو ہماری یک جہتی کیلئے خطرہ بنے ہوئے تھے، کامیابی سے مقابلہ کیا اور وقت کے بعض بڑے بڑے مسائل کے بارے میں حکومت پاکستان نے نہ صرف اپنا عزم بالجزم ظاہر کیا بلکہ اِس اَمر کا ثبوت دیا کہ وہ اِن مختلف عالمگیر مسائل سے بھی کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہے ہیں۔

قدرت نے آپ کو سب کچھ بخشا ہے آپ کے وسائل لامحدود ہیں، آپ کے ملک کی بنیاد رکھی جا چکی ہے، اب یہ آپ کا کام ہے کہ اِس بنیاد پر جلد سے جلد اور بہتر سے بہتر عمارت تعمیر کریں۔ لہٰذا بڑھتے چلے جائیے، خُدا آپ کا حامی و ناصر ہو۔ پاکستان زندہ باد 6

اِس پیغام کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ قوم کے نام اُن کا آخری پیغام تھا۔

یہاں ایک جھلک سازشیوں کی دیکھئے، جو بیمار قائد کے سرہانے بیٹھ کر تانے بانے بُن رہے تھے۔ یومِ پاکستان کے کچھ دن بعد پاکستان کے وزیر خزانہ غلام محمد قائد اعظمؒ سے ملنے کو کوئٹہ تشریف لائے۔ اُنہوں نے محترمہ فاطمہ جناح کو بتایا کہ "یومِ پاکستان پر قائد اعظمؒ نے قوم کے نام جو پیغام دیا تھا، اُسے خاطر خواہ اہمیت اور تشہیر نہیں دی گئی۔ اُس کے برعکس وزیر اعظم کے پیغام کے پوسٹر چھاپ کر اُنہیں شہر شہر دیواروں پر چسپاں کیا گیا۔ بلکہ ہوائی جہازوں کے ذریعے بڑے بڑے شہروں پر پھینک کر مُنتشر بھی کیا گیا ہے۔"

محترمہ فاطمہ جناح نے یہ بات خاموشی سے سُن لی۔ کیونکہ اُس وقت اُنہیں اپنے بھائی کی صحت کی فکر تھی، پبلسٹی کی نہیں۔

وزیر خزانہ غلام محمد کی اِس حرکت میں کھلم کھلا شرارت اور سازش کی آمیزش تھی۔ قائد اعظمؒ بستر علالت پر پڑے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح اُن کی تیمارداری میں پریشان تھیں۔ ایسے حالات میں لگائی بجھائی کرنا بڑی مذموم حرکت تھی۔ اگر محترم وزیر غلام محمد کو واقعی ایسی شکایت تھی تو اُن کا فرض تھا کہ اِس بات کو کابینہ میں اُٹھاتے۔ اگر اُس کے باوجود اُن کا گِلہ قائم رہتا تو اُصولی طور پر اُنہیں مستعفی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن اُصولوں پر استعفیٰ دینا ہمارے حکمرانوں کی کمزوری نہیں۔ غلط فہمیاں پیدا کر کے اختلافات کو ہوا دینا اُنہیں زیادہ راس آتا ہے۔ یہ واقعہ ایک طرف تو جناب غلام محمد کے اُن ذاتی رجحانات کی غمازی کرتا ہے جنہوں نے آگے چل کر ملک کے کاروبار میں کئی اور گل کھلانے تھے۔ دوسری طرف اِس سے یہ بھی عیاں ہوتا تھا کہ پاکستان کی زندگی کے پہلے سال ہی مرکزی کابینہ میں ایسے عناصر نے سر اُٹھا لیا تھا جو وزیر اعظم اور پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف عمل تھے۔ 7

کوئٹہ کی آب و ہوا، قائد اعظمؒ کی صحت کیلئے زیارت سے زیادہ موافق ثابت ہوئی تھی۔ اب وہ رغبت سے کھانا کھاتے تھے۔ اُنہیں نیند بہتر آتی تھی۔ کھانسی کی شدت میں کمی آ گئی تھی۔ خون کا دباؤ اطمینان بخش ہو گیا تھا۔ بلغم آنا بھی کم ہو گیا تھا۔ ایکس ریز کے نتائج بھی بہت بہتر تھے۔ اِن تمام حوصلہ افزاء صورت حال کے باوجود اُن کے ڈاکٹر زیادہ پُر اُمید نہ تھے۔ کیونکہ مسلسل بیمار رہ کر اور مستقل علاج سے گریز سے اُن کی صحت بہت متاثر ہوئی تھی۔ اُن کے مکمل طور پر تندرست ہونے کی کوئی اُمید نہ تھی۔۔۔ اگر حالات موافق ہو جاتے، دوائیاں اپنا جادوئی اثر دکھا دیتیں تو اُن کی بیماری دو تین سال کیلئے رُک سکتی تھی۔۔۔ لیکن وہ کسی قسم کا سفر کرنے کے قابل نہ رہتے۔۔۔ دائم المریض بن کر رہ جاتے۔ اُن کیلئے کسی قسم کی مصروفیات یا تقریبات میں شرکت کرنا ممکن نہ رہتا۔۔۔ اصل صورتِ حال یہ تھی لیکن اُن کے ڈاکٹر اُن کا حوصلہ بڑھا رہے تھے اور کسی معجزے کے انتظار میں تھے۔ 8

اُن کا معدہ جس کی خرابی کی وہ اکثر شکایت کیا کرتے تھے اب بہت بہتر کام کر رہا تھا

اور خوراک ہضم کر رہا تھا۔ ایک رات اُنہوں نے حلوہ پوری کھانے کی فرمائش کر دی۔ ڈاکٹروں کو اِس کی اجازت دیتے ہوئے تامل تھا۔ کیونکہ یہ بہت بوجھل اور ثقیل غذا تھی۔ مگر اُنہوں نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ وہ جن پوریوں کی بات کر رہے تھے، وہ بازار جیسی نہیں ہوتیں۔ پھر اُنہوں نے بتایا کہ وہ کیسے تیار کی جاتی تھیں۔ ڈاکٹروں نے اُن کا شوق دیکھتے ہوئے مجبوراً اجازت دے دی۔ کمشنر کوئٹہ کی اہلیہ بیگم اے۔ آر خان نے اُن کے لئے خصوصی طور پر حلوہ پوری تیار کیا۔ اُنہوں نے اُسے بڑی رغبت سے کھایا اور بیگم اے۔ آر خان کو اُن کی پکوائی کی بڑی داد دی اور اُنہیں بڑے شوق سے بتایا کہ اُنہوں نے جو حلوہ تیار کیا وہ اِتنے مزے کا تھا کہ وہ سارا کھا گئے تھے۔ [9] ڈاکٹروں کو اُن کے حلوہ پوری کھانے پر بڑی تشویش تھی لیکن جب وہ اُسے بہ آسانی ہضم کر گئے تو ڈاکٹروں نے یقیناً اطمینان کا سانس لیا ہوگا۔

وہ اب بہت بہتر تھے اور بلا سہارے بستر پر اُٹھ کر کسی قسم کی تھکان کے بغیر بیٹھ جاتے تھے۔ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ کر میز سامنے رکھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ اُن کی صحت کو بہتر دیکھتے ہوئے ڈاکٹروں نے اُنہیں ایک گھنٹہ روزانہ کام کرنے کی اجازت دے دی۔ یہ اُن کا انتہائی پسندیدہ مشغلہ تھا۔ اِس میں وہ قطعاً تھکان کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ اُنہی دنوں پاکستان کے اُس وقت کے وزیر خارجہ چوہدری ظفر اللہ خان کشمیر کے بارے میں پاکستان کا مؤقف اقوامِ متحدہ میں پیش کرنے کیلئے ایک مسودہ لے کر اُن کے مشورے کیلئے اُن کی خدمت میں پیش ہوئے۔ قائداعظم نے اُس کا انتہائی انہماک سے مطالعہ کیا اور اُس پر عدم اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اُس کے بعد اُنہوں نے اپنے سیکرٹری کو بلا کر فی البدیہہ مسودہ لکھانا شروع کیا۔ درمیان میں کہیں کہیں وہ کمزوری کے باعث تھوڑی دیر کیلئے رُک جاتے تھے۔ مسودہ لکھانے کا عمل پانچ گھنٹے جاری رہا، اُسی مسودے کی روشنی میں چوہدری ظفر اللہ خان نے اقوامِ متحدہ میں کشمیر کے حوالے سے پاکستان کا بہترین زاویہ نگاہ پیش کیا تھا۔ [10] وہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے بہت تشویش مند تھے۔ اپنی علالت کے باوجود وہ اپنی آخری سانسوں میں بھی اِس کا حل تلاش کر رہے تھے۔

تین ہفتوں سے قائداعظم کو بخار نہیں ہوا تھا۔ ڈاکٹروں کی خواہش تھی کہ وہ بستر سے نکل کر کچھ چلیں پھریں۔ کیونکہ اُن کی عمر کے مریضوں کو بخار اُترنے کے بعد اگر بستر میں رکھا جائے تو صحت بہتر ہونے کی بجائے اور خراب ہو جاتی ہے۔ دوران خون کمزور ہو جاتا ہے، رگ اور پٹھے سُست ہو جاتے ہیں۔ ہاضمے کی قوت انتڑیوں کی حالت مریض کے چلنے پھرنے ہی سے بہتر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اُنہیں اُن کے کمرے ہی میں پکڑ کر چند قدم چلانے کی ورزش شروع کرا دی۔ سب لوگ خوش تھے وہ کئی ہفتوں کی بیماری کے بعد اُٹھ کھڑے ہونے کے قابل ہوئے تھے۔ لیکن چند قدم چل کر اِس ورزش سے اُن کا سانس پھول جاتا تھا۔ یہ بہت تشویش کی بات تھی۔ یہ اِس بات کا ثبوت تھا کہ اُن کے پھیپھڑوں کے ریشوں میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ کوئٹہ میں ہوا کا دباؤ کم تھا یہ اُن کے لئے مفید نہ تھا۔ چنانچہ ڈاکٹروں کا اب مشورہ یہی تھا کہ وہ کراچی منتقل ہو جائیں جہاں آکسیجن کا دباؤ کوئٹہ کی نسبت زیادہ تھا۔

ڈاکٹروں کے مشورے پر قائداعظمؒ نے فرمایا۔

> "جلدی نہ کیجئے۔ مجھے یوں نہ دھکیلئے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ اُٹھ کر چلوں پھروں۔ لیکن کیا کروں مجھے ابھی تک کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ آپ یہ نہ سمجھئے کہ میں بستر سے نکلنے کا مشتاق نہیں۔ اِس لئے آپ مجھ پر وہ علاج نہ آزمایئے جو ایک معالج نے ایک بوڑھی عورت پر آزمایا تھا۔ یہ عورت کئی ماہ سے بستر پر پڑی ایڑھیاں رگڑتی تھی۔ جب وہ کسی قدر سنبھلی تو ڈاکٹر نے اُسے اُٹھ کر چلنے پھرنے کا مشورہ دیا۔ وہ بولی، میں ابھی اِس قابل نہیں۔ ایک ہفتہ بعد ڈاکٹر نے پھر یہی رائے دی۔ وہ پھر بھی نہ مانی اور برابر تامل کرتی رہی۔ آخر کار ہار کر وہ ڈاکٹر چلا گیا اور ایک دوسرے معالج کا علاج شروع ہوا۔ اُس نے سر سے لیکر پاؤں تک بڑھیا کا معائنہ کیا

اور کہا کہ آپ کو واقعی کوئی تکلیف لاحق نہیں بہتر ہے کہ آپ بستر سے نکل آئیں۔ بڑھیا تھی ضدی، ڈاکٹر کے مشورے کو خاطر میں نہ لائی اور برابر بستر میں گھسی رہی۔ پھر ایک تیسرا ڈاکٹر بلایا گیا جو آپ (ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) کی طرح جلد باز تھا۔ اُس نے کیا کیا کہ ایک روز چپکے سے بڑھیا کے بستر کو آگ لگا دی۔ چنانچہ بڑھیا بوکھلا کر چارپائی سے اُچھلی اور تیزی سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگی۔

واقعہ سُنانے کے بعد اُنہوں نے کہا کہ آپ میرے ساتھ یہی سلوک نہ کیجئے گا۔ 11

قائداعظمؒ کے معالج صرف مریض کی حیثیت سے نہیں ایک گونہ عقیدت سے اُن کی خدمت میں مصروف تھے۔ وہ بھی اُنہیں صرف ایک معالج ہی نہ سمجھتے تھے وہ اکثر اُن کے ساتھ مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے رہتے۔ موضوعات میں اُن کا پسندیدہ موضوع پاکستان ہوتا تھا۔ وہ جب بھی پاکستان کے بارے میں بات کرتے تھے تو اُن کے ہونٹوں پر ایک فخر آمیز تبسم کھیلنے لگتا۔ ایک روز جب اُن کی طبیعت ہشاش بشاش تھی، وہ کہنے لگے۔

"پاکستان کو خُدا نے ہر چیز دے رکھی ہے۔ معدنیات اور زراعت کے وسیع وسائل، اقتصادیات کی ترقی کے روشن امکانات، ملک کو صنعتی بنانے کے ذرائع غرضیکہ ہر چیز پاکستان میں موجود ہے۔ قدرت کی فیاضی نے اِس ملک کو دولت سے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن ضرورت محنت، خلوص اور دیانت داری کی ہے۔ اگر پاکستانی مسلمان اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر سکے۔۔۔ انشاءاللہ میری قوم میں یہ اوصاف پیدا ہو کر رہیں گے۔ میں مسلمانوں سے کبھی مایوس نہیں ہوا۔ میرے ھادی اور آقا کی تعلیمات میں مایوسی کا لفظ تک

نہیں۔ زندہ قوموں کو انتہائی مصائب اور مشکلات میں بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب وہ مصیبتوں، مشکلوں، طوفانوں، آندھیوں میں گھر جائے تو غیراللہ سے رشتہ توڑ کر اپنے خُدا کی طرف رجوع کرے۔ کیونکہ وہی مصیبتوں کو راحتوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ تو پھر مسلمان کسی مصیبت سے کیوں خوف زدہ ہوں۔ مسلمانوں کو دُشمن کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں سے گھبرانا نہیں چاہیے بلکہ پوری طاقت سے اُن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ 12

قائداعظمؒ کو اپنی بیماری میں سب سے زیادہ مہاجرین کا خیال رہتا تھا۔ یہ مہاجرین نوزائیدہ پاکستان کا بہت بڑا مسئلہ تھے۔ ایک دن باتیں کرتے ہوئے اُنہوں نے ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے کہا۔

"قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کے مسئلے نے مجھے سخت پریشان کیا۔ مجھے اِس کا خیال ضرور تھا کہ ہندوستان اور پاکستان میں تبادلہ آبادی ہو گا اور یہ تبادلہ آہستہ آہستہ عمل میں آئے گا۔ لیکن ہندوستان میں طے شدہ پروگرام اور سازش کے تحت مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ یہ قتل عام اِس قدر وسیع پیمانے پر ہوا کہ کسی مذہب، قوم اور ملک کے تصور میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی کہ دُنیا کے کسی گوشے اور خطے میں اِس قدر درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا جا سکتا ہے۔ قتل عام کے بعد ہمارے دُشمنوں نے ہمیں ختم کرنے کیلئے ستر لاکھ مسلمانوں کو اُن کی ہر چیز چھین کر پاکستان کی طرف دھکیل دیا۔ میں پورے یقین اور دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اِس

سیلاب کے سامنے مضبوط سے مضبوط اور مستحکم سے مستحکم حکومت کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جاتیں اور ایوان حکومت دھڑام سے زمین پر آ رہتا۔ ہماری مملکت تو تھی ہی نوزائیدہ۔ ایسی مملکت جسے نہ ابھی فوج پر اختیار ملا تھا، نہ وہ پورے طور پر نظم و نسق سنبھال سکی تھی، خزانہ خالی تھا، اسلحہ دُشمن کے قبضے میں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی، مسلمانوں نے جس عزم وایثار، قربانی اور جوش کا اظہار اِس موقع پر کیا، میں اُسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا، اُس سے مجھے روحانی اذیت پہنچی، میرے قلب پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ جس کا درد میں زندگی کے آخری سانس تک بھی محسوس کرتا رہوں گا۔ مسلمانوں کی تباہی پر میرا دل دن رات خون کے آنسو روتا رہا۔ لیکن خُدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ مہاجرین کی آبادکاری کا سلسلہ تسلی بخش طریق پر طے پا رہا ہے۔ پاکستان کے سامنے مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ مجھے یقین ہے حکومت پاکستان اِس مسئلے کو جلدی حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ جب تک مہاجرین آباد نہیں ہو جاتے اور کام کاج پر نہیں لگ جاتے میری روح کو قرار نہیں آ سکتا۔" 13

قائداعظمؒ سگریٹ کے پُرانے عادی تھے۔ بیماری نے جہاں کھانے پینے سے بے رغبت کر دیا تھا، وہاں سگریٹ بھی اپنی لذت اور مزہ کھو بیٹھے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے سگریٹ پینے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ بڑی صحت مند علامت تھی کیونکہ سگریٹ کا عادی مریض جب صحت مند ہونے لگتا ہے تو اُسے سب سے پہلے طلب سگریٹ ہی کی ہوتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹروں نے اُنہیں ایک سگریٹ پینے کی اجازت دے دی۔ اُنہوں نے اسٹیٹ ایکسپریس 555 کے ڈبے میں سے

ایک سگریٹ نکال کر سلگا لیا اور کافی دیر تک اُسے اُنگلیوں میں پکڑ کر اُس کی لذت محسوس کرتے رہے۔ اگلے دن جب ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اُن کے کمرے میں گئے تو اُن کے راکھ دان میں چار سگریٹوں کے ٹکڑے موجود تھے۔ یہ تعداد اُن کی صحت کے لئے مضر تھی۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے راکھ دان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے، آپ نے سگریٹوں کا خوب لطف اُٹھایا۔"

وہ اُن کا اشارہ سمجھ گئے فوراً ایک ذہین وکیل کی طرح اپنا دفاع کرتے ہوئے اُنہوں نے کہا۔

"آپ ہی نے تو کہا تھا کہ دھواں اندر نہ کھینچا جائے تو سگریٹ میرے لئے بے ضرر ہیں۔" 14

قائداعظمؒ کو کریون اے (Craven-A) سگریٹ پسند تھے۔ سگریٹ کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے کہا کہ

"کیا ہی اچھا ہو کہ ہم پاکستان میں سگریٹوں کی فیکٹری کھول لیں اور بہترین تمباکو امریکہ سے درآمد کر کے پاکستان میں سگریٹ تیار کریں۔"

قائداعظمؒ نے جوش میں کہا۔

"پاکستان میں دُنیا کے سب ممالک سے اچھا اور بہترین تمباکو ہوتا ہے۔ ہم امریکہ کے محتاج نہیں۔ ہم اپنے ملک ہی میں بہترین تمباکو پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں اسے ترقی دے کر دوسرے ممالک میں برآمد کر سکتے ہیں۔ میری تمنا ہے پاکستان ضروریاتِ زندگی کیلئے دوسرے ملکوں کا محتاج نہ رہے بلکہ پاکستان میں ہر چیز پیدا ہو۔ ملک کی دولت ملک ہی میں رہے۔" 15

ڈاکٹروں کا مشورہ یہ تھا کہ قائداعظمؒ کو فوری طور پر کراچی منتقل کر دیا جائے۔ کیونکہ کوئٹہ کی بلندی اُن کی صحت کیلئے مضر ثابت ہو رہی تھی۔ وہ ذرا سی تھکان پر ہانپنا شروع کر دیتے تھے۔ ویسے بھی اگست میں کراچی کا موسم خوشگوار ہو جاتا تھا۔ وہ کراچی جانے کی مخالفت کرتے تھے اور کراچی کی بجائے "سبی" کا نام تجویز کرتے تھے۔ "سبی" دور افتادہ جگہ تھی وہاں بہت شدید گرمی پڑتی تھی اور جھکڑ چلتے تھے۔ اس وجہ سے اُن کا مشورہ ڈاکٹروں نے مسترد کر دیا۔ وہ عصا کے سہارے کراچی جانے کے حق میں نہ تھے۔ وہ کار سے لیکر اپنے کمرے تک خود چل کر جانے کے خواہش مند تھے۔ اُنہیں اے۔ ڈی۔ سی اور ملٹری سیکرٹری کے کمروں کے سامنے سے اسٹریچر پر لیٹ کر اپنے کمرے تک پہنچنا گوارا نہ تھا۔ وہ "ملیر" جانے پر رضامند تھے۔ لیکن وہاں ایک ہی مکان اُن کی رہائش کیلئے موزوں تھا وہ نواب بہاولپور کی ملکیت تھا۔ نواب آف بہاولپور انگلستان میں تھے۔ طے یہ پایا کہ نواب آف بہاولپور کو تار (ٹیلی گرام) دے دیا جائے۔ قائداعظمؒ نے اِس موقع پر فرمایا۔

"آپ نے شاید سُنا ہو گا کہ پہلے زمانے میں جب کوئی وکیل ہائیکورٹ کا جج مقرر ہو جاتا تھا تو وہ کلبوں اور محفلوں میں جانا بند کر دیتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو مقامی اخبارات پڑھنے سے بھی گریز کرتا تھا کہ کہیں اُن سے اُس کی غیر جانبداری میں خلل نہ پڑے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے گورنر جنرل کی حیثیت سے میرا ہز ہائی نیس، نواب بہاولپور سے کہنا، مناسب نہیں یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہو گا۔" 16

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے دبے دبے الفاظ میں اپنے معالجین کو ایک گہرے فلسفے سے آگاہ کیا۔ لیکن اُن کی کوشش یہ تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے وہ کراچی منتقل ہو جائیں۔۔۔ ڈاکٹروں کا اصرار شدت سے تھا۔۔۔ دوسری طرف اُن کی ہچکچاہٹ جو غیرت، خودداری اور اَنا ر

مبنی تھی، مضرِ جاں ہو رہی تھی اور جب محترمہ فاطمہ جناح نے نواب بہاولپور کو تار دیا، اُس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ اُنہوں نے یہ تار 30 اگست کو دیا تھا۔ جس کا جواب آتے آتے تین دن لگ گئے۔ اگر وہ اگست کے آخر میں کوئٹہ سے کراچی آ گئے ہوتے تو شاید زیادہ دن زندہ رہ جاتے۔۔۔ لیکن وہ بے دست و پا مریض کی حیثیت سے کراچی جانا پسند نہ کرتے تھے۔ اِسی دوران اُن کی حالت ایسی بگڑی کہ وہ گیارہ ستمبر کو تقریباً نیم زندہ، نیم مُردہ حالت میں کراچی لائے گئے۔

اُن دنوں اُن کی بھوک کم ہو رہی تھی۔ اُن کی بیماری میں سب سے پریشان کن چیز اُن کی صحت تھی۔ اُن کا وزن صرف 80 پونڈ رہ گیا ہوا تھا۔ خوراک سے بے رغبتی کا اثر اُن کی صحت پر تھا۔ باورچی نے طرح طرح کے کھانے بنائے مگر اُن کی بھوک بحال نہ ہوئی۔ ایک روز جب ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اُنہیں زیادہ کھانے کی ضرورت کا احساس دلایا تو وہ کہنے لگے۔

"ڈاکٹر میں نے اچھی حالت میں کبھی اِتنا نہیں کھایا جتنا آپ کھلانا چاہتے ہیں، کیا آپ نہیں سمجھتے کہ زیادہ کھانا مفید ہونے کی جگہ مضر ثابت ہوتا ہے۔"

پھر اُنہیں ایک پرانا واقعہ یاد آ گیا۔ اُنہوں نے کہا۔

چند سال ہوئے جب میں بمبئی میں تھا ہمارے ہاں ایک یوروپین ڈپلومیٹ مدعو تھے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کچھ نہیں کھا رہے تھے۔ سوپ آیا اُسے نہ چکھا، مچھلی پیش کی گئی اُسے نہ چھوا، گوشت کا بھنا ہوا ٹکڑا پیش کیا گیا تو بھی دست کش رہے۔ میں بڑا حیران ہوا۔ لیکن خاموش بیٹھا دیکھتا رہا۔ آخر نہ رہا گیا اور مہمان سے کھانے میں یوں تامل کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں کاہو کے سوا کچھ نہیں کھایا کرتا۔ چنانچہ جب سلاد آئی تو آپ نے خوب ہاتھ کھول کر لی اور سیر ہو کر کھائی اور ہمیں بتایا کہ گذشتہ چھ

ماہ سے محض کاہو پر ہی گزارہ ہے۔ اب بتایئے ڈاکٹر صاحب کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص اِتنے عرصے تک صرف سلاد کھا کراپنی صحت برقرار رکھ سکتا ہے۔"

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے لئے یہ قصہ ناقابل یقین تھا اور اُنہوں نے قائداعظمؒ کو ایک زمیندار کا واقعہ جواباً سنایا۔

"اُس شخص کا وزن کوئی 20 سٹون سے کم نہ تھا۔ ایک بار وہ میرے پاس موٹاپے کے علاج کے لئے آیا۔ میں نے پوچھا، آپ روزانہ کتنی خوراک کھاتے ہیں۔ بولے! دن میں صرف ایک مرتبہ کھاتا ہوں۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ کوئی شخص اِتنی احتیاط برتنے پر کیسے موٹا ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر شاہ نے اِس احتیاط کی حقیقت بیان کی تو عقدہ کھلا۔ وہ اِس زمیندار سے واقف تھے اور بتایا کہ موصوف کی ایک وقت کی خوراک بھُنے ہوئے گوشت کے ایک بہت بڑے پارچے اور انواع واقسام کی شرینی پر مشتمل ہوتی تھی۔" 17

قائداعظمؒ یہ واقعہ سُن کر بہت محظوظ ہوئے۔

قائداعظمؒ کی بھوک ختم ہوگئی تھی۔ اُن کی زندہ دلی اور شگفتگی بھی ختم ہوتی جارہی تھی۔ عموماً وہ اپنے معالجوں اور عملے کے لوگوں کے ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ کرتے تھے۔ اُنہیں اپنی زندگی کی کتاب سے نصیحت آموز اور دلچسپ واقعات سُناتے۔ 29 اگست کو معائنہ کرنے کے بعد ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اپنے مریض کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا کہ "جس ریاست کو آپ وجود میں لائے ہیں اُسے پوری طرح مستحکم کرنے اور اُستوار کرنے کیلئے آپ ابھی دیر تک زندہ رہیں گے۔

قائداعظمؒ نے اُن کے جواب میں نہایت افسردہ اور یاس انگیز لہجے میں کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ آپ پہلی بار زیارت پہنچے تو میں زندہ رہنا

چاہتا تھا لیکن اب میرا مرنا جینا برابر ہے۔"

اُس وقت اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ بالعموم جذبات سے یکسر عاری اور فولاد کی طرح سخت سمجھے جاتے تھے۔ اُن کی یہ پژمردگی بڑی حیران کن تھی۔ پھر خود اُس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا کام پورا کر چکا ہوں۔" 18

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اِس واقعے کو یوں لکھتے ہیں کہ ایک دن ہنستے ہنستے باتوں میں ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے کہا کہ ہم دونوں کی یہ انتہائی کوشش ہے کہ آپ کی صحت اِتنی اچھی ہو جائے جتنی آج سے سات آٹھ سال پہلے تھی۔ قائداعظمؒ مسکرائے اور کہنے لگے۔

"چند سال قبل یہ یقیناً میری آرزو تھی کہ میں زندہ رہوں۔ میں اس لئے زندہ رہنا چاہتا تھا کہ قوم نے جو کام میرے سپرد کیا ہے اور قدرت نے جس کے لئے مجھے مقرر کیا ہے۔۔۔ میں اُسے پایہ تکمیل تک پہنچا سکوں۔ وہ کام پورا ہو گیا ہے۔ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ پاکستان بن گیا ہے۔ اُس کی بنیادیں مضبوط ہیں۔ اب چند ماہ سے مجھے ایسے خیالات آتے رہتے ہیں کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ قوم کو جس چیز کی ضرورت تھی وہ قوم کو مل گئی۔ اب یہ قوم کا کام ہے کہ وہ اِس کی تعمیر کرے۔ اُسے ناقابلِ تسخیر اور ترقی یافتہ ملک بنا دے۔ حکومت کا نظم ونسق دیانت داری اور محنت سے چلائے۔ میں طویل سفر کے بعد تھک گیا ہوں۔ آٹھ سال تک مجھے قوم کے اعتماد وتعاون پر تنہا دوعیار اور مضبوط دُشمنوں سے لڑنا پڑا ہے میں نے خُدا کے بھروسے پر اَن تھک کوشش اور محنت کی ہے اور اپنے جسم کے خون کا آخری قطرہ تک حصولِ پاکستان کے لئے

صرف کر دیا ہے۔ میں تھک گیا ہوں۔ آرام چاہتا ہوں۔ اب مجھے زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں۔" 19

ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے بیک زبان ہو کر کہا کہ

"آپ کے بعد کون ہے جو کشتی ملت کو بھنور سے نکال کر ساحل فتح و نصرت تک لے جا سکتا ہے؟"

یہ سُن کر اُنہوں نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور کہا۔

"قدرت حالات کے مطابق ایسا آدمی پیدا کر دیا کرتی ہے جس کی وقت اور حالات کو ضرورت ہوتی ہے۔"

اُنہوں نے مزید کہا۔

"گھبراؤ نہیں خُدا پر اعتماد رکھو۔ اپنی صفوں میں کجی نہ آنے دو اور انتشار پیدا نہ ہونے دو۔ ملت کے مفاد پر ذاتی مفاد کو ترجیح نہ دو۔ انشاء اللہ قدرت تمہیں مجھ سے زیادہ عقیل اور ذہین رہنما عطا کرے گی۔ جو کشتی ملت کو مشکلات کے بھنور سے نکال کر ساحل مراد تک کامیابی سے پہنچا دے گا۔"

اُن کی آنکھیں اشک ریز ہو گئیں۔ ایک موٹا سا چمک دار آنسو مسہری پر گرا اور اُنہوں نے کمبل سے منہ ڈھانپ لیا۔ اُن کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور وہ آہستہ آہستہ فرما رہے تھے۔

"اے خُدا تو نے ہی مسلمانوں کو آزادی عطا کی ہے۔ اب تو ہی اس کی حفاظت کرنے والا ہے۔ میری قوم ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، کمزور ہے، ابھی اس کی صفوں کا کج بھی دور نہیں ہوا۔ تو ہی مدد کرنے والا ہے اور تو ہی اس کا حامی و ناصر ہے۔" 20

قائداعظمؒ اپنے دوست احباب، عزیز و اقارب اور اپنی قوم کو یہی تاثر دے رہے تھے

کہ وہ خیریت سے ہیں۔ اُن کی بہت محدود اور مخصوص لوگوں کے ساتھ خط و کتابت تھی۔ لیکن وہ اپنے نام آئے ہوئے خطوط کا ہر ممکن جواب دینے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ خواہ وہ جواب چند مختصر الفاظ پر ہی مشتمل کیوں نہ ہوتا۔ خان آف قلات سے اُن کے بہت ہی دیرینہ تعلقات تھے۔ کافی عرصہ سے دونوں کے مابین خط و کتابت تھی۔ وہ اُن کی صحت و زندگی کے بارے میں بہت تشویش مند رہتے تھے۔ 18 اگست 1947ء کو اُنہیں تسلی دیتے ہوئے اُنہوں نے لکھا۔

"مجھے کوئی زیادہ تشویش والا مسئلہ نہیں ہے اور میں روبصحت ہوں۔" 21

اُنہوں نے اِسی قسم کا ایک خط بھوپال کی محترمہ زہرہ جمال کو بھی املاء کروایا۔ یہ خط اُن کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری محمد امین کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں۔

مجھے آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بہت خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ قائداعظمؒ کی صحت بہتر ہو رہی ہے اور اخبارات کی اُن خبروں میں کوئی سچائی نہیں ہے کہ وہ شدید بیمار ہیں اور آرام کی غرض سے بیرون ملک مقیم ہیں۔ 22

ملک جس قسم کے حالات سے گزر رہا تھا اس میں ضروری تھا کہ عوام الناس کا حوصلہ پست نہ ہو۔ اُن کی بیماری کی خبر ایسی تھی جس سے لوگ شکستہ دل ہو سکتے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے عملے کے اراکین کو سختی سے ہدایت کی ہوئی تھی کہ وہ ہر اُس خبر کی تردید کریں جس میں اُن کی بیماری کا ذکر ہو۔ اُنہی کی زیرِ ہدایت سرکاری میڈیا (سرکاری اخبارات اور ریڈیو۔۔۔ اُس زمانے میں ٹیلی ویژن متعارف نہیں ہوا تھا) اُن کی صحت کے بارے میں مسلسل یہی تاثر دے رہا تھا کہ وہ بہتر ہیں اور صرف آرام کی غرض سے کوئٹہ میں مقیم ہیں۔ سرکاری مشینری کی جائز و ناجائز تسلیوں سے عوام کی تشویش بڑھ رہی تھی۔

اس ضمن میں 30 اگست 1948ء کو وزیرِ مالیات جناب غلام محمد کی ایک تقریر ریڈیو سے

نشر ہوئی۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں چند روز قبل کوئٹہ میں قائداعظمؒ سے ملاقات کے بارے میں سامعین کو بتایا۔

"غیر ملکی اخبارات میں قائداعظمؒ کی شدید علالت کی جو خبریں شائع ہو رہی ہیں وہ اُس جھوٹے اور مکروہ پراپیگنڈے کا نتیجہ ہے جو پاکستان کو بدنام کرنے کیلئے کیا جارہا ہے۔ میں نے قائداعظمؒ سے کوئٹہ میں طویل بات چیت کی ہے اور خُدا کے فضل سے اُن کی صحت بہت اچھی ہے۔" 23

امریکہ میں پاکستان کے سفیر قائداعظم محمد علی جناحؒ کے دیرینہ اور رفیق جناب مرزا ابوالحسن اصفہانی اُن کی صحت کے بارے میں بہت پریشان تھے۔ وہ تین ہفتے قبل اُن سے مل کر گئے تھے۔ اُنہوں نے 17 اگست کو اُنہیں ایک خصوصی خط لکھا وہ لکھتے ہیں۔

اگر میں نے آپ کی صحت کے بارے میں وزارت کا وہ بیان نہ پڑھا ہوتا جو دو روز بیشتر شائع کیا گیا تھا تو میں آپ کو یہ خط لکھ کر پریشان نہ کرتا۔ بیان میں بتایا گیا ہے کہ آپ کا ارادہ اِس ہفتے کے آخر تک کراچی واپس آنے کا ہے۔ یہ خبر بہت پریشان کن ہے۔

میں آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ ستمبر کے ختم ہونے سے پہلے کراچی واپس نہ جائیں۔ اگر زیارت میں آپ کو سردی محسوس ہوتی ہے تو آپ کوئٹہ جا سکتے ہیں۔ بہر حال آپ کو مکمل آرام کرنا چاہیے اور کام، ملاقاتوں اور ہر قسم کے فکر سے دور رہنا چاہیے خواہ اُس کے فوری یا طویل المدت نتائج کچھ بھی ہوں۔ آپ کیلئے آرام اور جب تک آپ وہ طاقت جو آپ نے زیادہ تھکن اور کام کی زیادتی کی وجہ سے کھودی ہے، دوبارہ حاصل نہ کرلیں، ستانا

ضروری ہے۔ میں آپ کو یہ بتانے سے کبھی نہیں تھکوں گا۔ آپ نے جس ریاست کو بنایا ہے اُس کے لئے یہ کتنا ضروری ہے کہ آپ آئندہ بہت سالوں تک اُس کے صدر اور سربراہ رہیں۔ آپ بیش بہا گوہر ہیں۔

آج سہ پہر کو تار کے ذریعے مجھے بہ صیغہ راز یہ اطلاع پاکر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی صحت اُس سے اب بہت بہتر ہے جیسی کہ اُس وقت تھی۔ جب گذشتہ مہینے آخر میں آپ سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ تھوڑے سے اور آرام وسکون سے آپ ایسے تندرست اور طاقتور ہو جائیں گے جیسا کہ آپ کو ہونا چاہیے۔ خدا تعالیٰ آپ کو برکت دے اور آپ کو زندہ سلامت رکھے۔ 24

آمین

آپ کا مخلص

حسن

قائداعظمؒ نے یکم ستمبر کو اُنہیں بھی جواب میں یہی لکھا کہ وہ صحت و تندرست ہیں۔ اُنہوں نے لکھا۔

"آپ کے خط کا بہت شکریہ، جس میں آپ نے میری صحت کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی ہے۔"

اپنے کراچی جانے کے بارے میں اُنہوں نے لکھا۔

"ابھی میری کراچی واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے اور آپ اِس خیال سے متفکر نہ ہوں کہ میں اپنی واپسی کی تعجیل کروں گا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر بھی مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔

آپ کی توجہ اور خیال کا بہت شکریہ۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ 25

یہ خط مرزا ابوالحسن اصفہانی کو اُن کی وفات کے دو دن بعد موصول ہوا۔ یہ اُن کے نام اُن کی آخری تحریر تھی۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ جس روز اپنے دوست اور ساتھی ابوالحسن اصفہانی کو تسلی کا خط لکھوا رہے تھے اُسی روز یعنی یکم ستمبر کو اُن کی ٹانگوں کے نچلے حصے اور پاؤں پر ہیمرج (Haemorrhagic spots) کے آثار محسوس کئے گئے۔ 26 ڈاکٹروں نے فوری دواؤں میں ردوبدل کیا۔ تین ستمبر کو اُنہوں نے شدید سردی محسوس کی۔ ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے اُن کا درجہ حرارت نوٹ کیا وہ 99 تھا۔ اُن کا ٹمپریچر معمولاً صبح 96 اور شام کو 97.5 درجے سے شاذ ہی بڑھتا تھا۔ پانچ ہفتوں کی تسلی بخش صحت کے بعد درجہ حرارت کا یوں بڑھ جانا تشویش ناک تھا۔ ڈاکٹر اُن کے یکا یک بخار کا سبب نہ سمجھ سکے۔ اگلی صبح اُن کا درجہ حرارت 98.8 تھا۔ 5 ستمبر کو اُن کا ٹمپریچر نارمل تھا۔ اُن کو کھانسی نہ تھی لیکن بلغم میں اضافہ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر عالم کو لاہور پیغام بھیجا گیا کہ وہ ایکسرے کے آلات سمیت کوئٹہ پہنچیں۔ ڈاکٹر غلام محمد وہیں تھے۔ اُنہوں نے لیبارٹری ٹیسٹ لئے۔ اُن کے تھوک اور بلغم سے نمونیے کے آثار ملے۔ اِس مرحلے پر نمونیے کا حملہ بہت تشویش ناک بات تھی۔ نمونیے کیلئے نئی دواؤں نے اثر دکھایا۔ 7 ستمبر کی صبح اُن کا درجہ حرارت نارمل ہو گیا۔ لیکن شام کو پھر بخار ہو گیا۔ اُسی دن بلغم کا معائنہ بھی ہوا۔ اُس میں نمونیے کے جراثیم مفقود تھے۔ یہ ڈاکٹروں کیلئے خوشی کی بات تھی۔ لیکن شام کو ایک اور پیچیدگی ہو گئی کہ اُنہیں تھوڑا تھوڑا پیشاب آنے لگا، جسم کی کپکپی شروع ہو گئی اور تنفس کی تکلیف نے اُنہیں پریشان کرنا شروع کر دیا۔ 27

7 ستمبر ہی کو محترمہ فاطمہ جناح نے اپنے بھائی کی حالت پر پریشان ہو کر واشنگٹن (امریکہ) میں پاکستان کے سفیر اور قائد کے انتہائی معتمد ساتھی جناب مرزا ابوالحسن اصفہانی کو تار بھیجا کہ ڈاکٹر رگنز (Dr. Riggins) کو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے علاج کے لئے پاکستان جلد از جلد بھجوا دیا جائے۔ اُس ڈاکٹر کا نام ڈاکٹر ریاض علی شاہ اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے تجویز کیا تھا

ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ ٹیلی گرام ملنے کے بعد ڈاکٹر امریکہ سے براستہ کراچی زیادہ سے زیادہ 10 ستمبر تک پہنچ جائے گا۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے بھرپور کوشش کی کہ وہ مطلوبہ ڈاکٹر کو جلد از جلد پاکستان روانہ کر دیں۔ وہ اِس سلسلے میں خود نیویارک گئے اور ڈاکٹر رگنز سے اُنہوں نے ذاتی طور پر درخواست کی کہ وہ پاکستان جا کر قائداعظم محمد علی جناحؒ کے علاج کی ذمہ داری سنبھالیں۔ وہ اِس کے لیے راضی ہو گئے تھے۔ مرزا اصفہانی کی خواہش تھی کہ وہ اُسی دن یعنی منگل 7 ستمبر ہی کو پاکستان روانہ ہو جاتے لیکن ڈاکٹر رگنز کی اچانک کچھ ایسی مصروفیات آڑے آ گئیں کہ اُنہیں ایک ہفتے کے لئے اپنا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔ 28 لیکن اُس وقت تک قائداعظمؒ علاج اور معالجوں سے بے نیاز ہو چکے تھے۔

8 ستمبر کو قائداعظمؒ کی حالت کو تشویش ناک دیکھتے ہوئے ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے کراچی سے ایک ماہر ڈاکٹر ایم اے مستری کو بلوانے کا مشورہ دیا۔ ڈاکٹر ایم اے مستری سال گائیز ہسپتال میں ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے کلاس فیلو رہ چکے تھے اور ڈو میڈیکل کالج کراچی میں اعزازی پروفیسر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ 9 ستمبر کو ڈاکٹر ایم اے مستری کوئٹہ پہنچ گئے۔ ڈاکٹر مستری نے اُن کے علاج پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اُن کے خیال میں جو کچھ مناسب اور ممکن تھا وہ ہو رہا تھا اِس میں مزید کارروائی کی گنجائش نہیں تھی۔ 29

وہ اپنی بیماری۔۔۔ شدید بیماری کے دوران بھی مملکت کے فرائض سے غافل نہ رہتے تھے۔ اُنہوں نے آخری دستخط یو این او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کیلئے سر محمد ظفراللہ خان کو پورے اختیارات دینے کیلئے کئے تھے۔ قائداعظمؒ اُس وقت اپنی مسہری پر لیٹے ہوئے تھے۔ اُن کے سیکرٹری فرخ امین نے کاغذات اُن کے سامنے رکھے۔ قائداعظمؒ نے اپنے سیکرٹری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"امین! کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

اُنہوں نے سمجھا کہ شاید روشنی کم ہے۔ اُنہوں نے بجلی روشن کر دی۔ لیکن پڑھنے میں

ابھی بھی اُنہیں دقت محسوس ہو رہی تھی۔ مزید روشنی کیلئے کھڑکی کے پردے بھی سرکا دیئے گئے لیکن قائداعظمؒ کاغذ کی عبارت اچھی طرح پڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اُنہوں نے سیکرٹری فرخ امین کو حکم دیا کہ اُنہیں بٹھایا جائے۔ اُن کی کمر کے پیچھے دو تکیے رکھ کر اُنہیں بٹھانے کی کوشش کی گئی۔ کوشش ناکام رہی۔ فرخ امین نے ہمت اور حوصلہ سے اُنہیں پیچھے سے پکڑ کر بٹھانے کی کوشش کی وہ لکھتے ہیں۔

"اُس وقت میرے دل کی یہ کیفیت تھی کہ جیسے میں نے شیشے کی بہت نازک چیز پکڑ رکھی ہے اور میری ذرا سی کوتاہی سے اِس نازک شیشے میں بال پڑ جائے گا۔"

وہ بڑی مشقت سے قائداعظمؒ کو بٹھا سکے اور قائداعظمؒ نے بھی انتہائی مشکل سے ا تکلیف سے اپنی زندگی کے آخری دستخط کیئے۔ 30

اُن کی حالت بہت نازک تھی۔ ایسے لمحات میں بھی مملکت کے کاموں کیلئے وہ حوصلہ ا ہمت باندھ لیتے تھے۔ اُن کی یہ حالت دیکھ کر عام طور پر اُن کا سٹاف اور بالخصوص اُن کے سیکر اُن کی خدمت میں نہ جاتے تھے۔ کیونکہ اُنہیں دیکھتے ہی اُنہیں کوئی نہ کوئی سرکاری کام ا آ جاتا تھا۔ 31

قائداعظمؒ کے آخری ملاقاتی چوہدری محمد علی سیکرٹری جنرل حکومت پاکستان تھے اُنہیں اُنہوں نے خود بلوایا تھا۔ وہ 9 ستمبر کو اُن سے ملے۔ قائداعظمؒ نے اُن سے کشمیر کی تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہی حاصل کی اور آئندہ پالیسی کیلئے ہدایات دیں۔ اُنہوں نے اپنی ملاقات کے بارے میں محترم جی الانا کو بتایا کہ

"اُنہیں سانس لینے میں دقت ہو رہی تھی۔ اُن کا چہرہ زرد تھا۔ وہ بُری طرح نڈھال تھے۔ لیکن اپنی علالت اور شدید نقاہت کے باوجود اُن کا ذہن حسبِ معمول بجلی کی طرح کام کر رہا تھا۔" 32

وہ اپنی تصنیف ظہورِ پاکستان میں اِس ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

"وہ بسترِ علالت پر تھے۔ اُن کا عزم اُسی طرح بلند تھا۔ اُن کی آنکھوں میں وہی چمک تھی اور اپنی قوم کے مقدر میں اُنہیں پہلے کی طرح یقین تھا۔ جو ہمیشہ اُن کا منفرد وصف رہا تھا۔ 33

قائداعظمؒ کی انتہائی علالت کے دوران حیدر آباد دکن کے مشہور صنعت کار وزیرِ اعظم میر لائق علی (1971ء۔1903ء) حیدر آباد دکن پر ہندوستان کی متوقع فوج کشی پر حکومت پاکستان کا ردِعمل معلوم کرنے کیلئے انتہائی رازداری سے پاکستان آئے، وہ قائداعظمؒ سے ہدایات لینے کیلئے کوئٹہ بھی گئے۔ قائداعظمؒ اُس وقت شدید بیمار تھے۔ اُن میں کسی سے بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ ڈاکٹروں نے میر لائق علی کو اُن سے ملنے کی اجازت نہ دی اور وہ بے نیل و مرام واپس لوٹ آئے۔ 34

یہ وہی شخصیت تھی جس کے بارے میں قائداعظمؒ کے سیکرٹری فرخ امین نے انتہائی رازداری رکھی تھی اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو بھی اُن کے مقام و مرتبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ اُس کا ذکر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے اپنی یادداشت میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ایک دن مسٹر امین نے آ کر ایک بہت اہم شخص کے قائداعظمؒ سے ملنے کی اجازت مانگی جو اُس وقت خاص ہوائی جہاز سے پہنچے تھے۔ میں نے جواب دیا کہ میرے نزدیک قائداعظمؒ کی جان سے زیادہ کوئی بات اہم نہیں اور میں کسی کو اُن سے ملاقات کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا، مسٹر امین ایک بار پھر بھی درخواست لے کر آئے اور کہنے لگے کہ اِس ملاقاتی کو ایک بہت بڑے معاملے میں قائداعظمؒ سے گفتگو کرنی ہے۔ میں نے نام پوچھا تو امین صاحب نے کہا کہ یہ راز کی بات ہے، میں اُسے اَفشاء نہیں کرسکتا۔ میں نے

اِس دفعہ بھی انکار کر دیا۔ قائداعظمؒ کی وفات کے بعد جب مجھے اُن صاحب کا نام معلوم ہوا، تو میں نے بڑا شکر کیا کہ ملاقات نہ ہونے دی ورنہ اِس گفتگو سے قائداعظمؒ کی صحت پر بہت بُرا اثر پڑتا اور وہ شاید اُس کے صدمے سے جانبر نہ ہوتے، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اُس ملاقات سے سیاسی حالات کی رفتار پر کیا اثر پڑتا۔ کیوں کہ کسی کو علم نہیں کہ قائداعظمؒ اُس ملاقاتی کو کیا مشورہ دیتے۔ میرا تو اُس واقعے سے صرف ڈاکٹر کی حیثیت سے سروکار تھا اور میں نے وہی کیا جو اپنے مریض کے حق میں مناسب سمجھا۔" 35

حیدرآباد دکن کو قائداعظمؒ کی ذات سے بڑی تقویت تھی۔ جب تک وہ زندہ رہے ہندوستان کو اُس پر جارحیت کی ہمت نہ ہوئی تھی مگر اُن کی وفات کے فوری بعد ہندوستان نے فوج کشی کر کے 17 ستمبر کو حیدرآباد دکن پر قبضہ کرلیا۔ اُن دنوں پاکستان اپنے مسائل کے ساتھ ساتھ اپنے قائد کی موت کے صدمے سے دوچار تھا اور اِس حیثیت میں نہ تھا کہ وہ جواباً فوج کے ذریعے حیدرآباد دکن کی مدد کرسکتا۔ یہ اِس لئے بھی ممکن نہ تھا کہ حیدرآباد دکن کی سرحد کسی طور بھی پاکستان کے ساتھ نہیں ملتی تھی۔

10 ستمبر کو ڈاکٹروں نے باہمی صلاح و مشورے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح کے ساتھ قائداعظمؒ کی تیزی سے بگڑتی ہوئی حالت کے متعلق تبادلہ خیال کیا۔ اُن کے کمزور دل کے لئے کوئٹہ کی بلندی نامناسب تھی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اُنہیں جلد سے جلد کراچی لے جانے کا بندوبست کیا جائے۔ 36 اِس سے قبل بھی اِن قباحتوں کے پیشِ نظر جو اُن کے کوئٹہ میں وفات پا جانے سے رونما ہوتیں، سوچا گیا تھا کہ اُنہیں کراچی پہنچا دیا جائے، لیکن اُن کی حالت کو سنبھلتا دیکھ کر یہ ارادہ ترک کر دیا گیا۔۔۔ لیکن اب اِس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

11 ستمبر کو صبح گورنر جنرل پاکستان کا خصوصی طیارہ وائی کنگ کوئٹہ پہنچ گیا۔ کراچی روانگی

سے قبل ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے جہاز کا معائنہ کرنا ضروری سمجھا۔ اُن کے مشورے سے ہوائی جہاز کی دو نشستوں کو بستر کی شکل دے دی گئی۔ جہاز میں آکسیجن کی مقدار ذرا کم تھی۔ چنانچہ ملٹری ہسپتال سے ایک اور سیلنڈر کا بندوبست کرلیا گیا۔ قائداعظمؒ کو جہاز کے ہچکولوں سے کیسے بچایا جائے۔ اِس سلسلے میں جہاز کے انگریز پائلٹ سکواڈرن لیڈر آر۔ ہیری سن سے مشورہ کیا گیا۔ 37 اور روانگی کی تیاریوں کے بعد قائداعظمؒ کو مطلع کیا گیا۔

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش لکھتے ہیں کہ جیسے ہی میں کمرے میں داخل ہوا اور اُنہیں سلام کیا اُنہوں نے میری طرف دیکھا اور نحیف سا تبسم اُن کے چہرے پر ظاہر ہوا۔ وہ بہت ہی نحیف و نزار نظر آرہے تھے۔ اُن کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی۔ مجھے کھڑا دیکھ کر اُنہوں نے ایک کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اُن سے میری یہ باتیں ہوئی۔

" کیا آپ کراچی تشریف لے جانا چاہتے ہیں؟"

"ہاں"

" کیا آپ آج ہی روانہ ہونا پسند فرمائیں گے؟"

" مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"جہاز تیار کھڑا ہے اجازت ہو تو ابھی روانہ ہو جائیں۔"

قائداعظمؒ نے نحیف آواز میں جواب دیا۔

"بہت اچھا۔"

اُن کی رضامندی سے مجھے بڑا اطمینان ہوا۔ لیکن ساتھ ہی حیرت ہوئی کہ اتنی جلدی وہ کیسے کراچی جانے کے لیے رضامند ہوگئے۔ ہم نے اُنہیں نہیں بتایا تھا کہ اُن کی حالت کتنی نازک ہے مگر معلوم ہوتا تھا کہ اُنہیں اپنے بچنے کی اُمید نہیں رہی تھی اور اِسی لیے وہ آخری وقت اپنی جائے پیدائش کا رُخ کر رہے تھے۔ 38

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں کہ جب میں نے اپنے بھائی کو ڈاکٹروں کے اس

مشورے کے متعلق بتایا تو اُنہوں نے کہا۔

"ہاں۔۔۔مجھے کراچی لے چلئے۔"

"میں وہاں پیدا ہوا۔۔۔میں وہیں۔۔۔دفن ہونا چاہتا ہوں۔"

اُن کی آنکھیں بند تھیں، وہ نیند میں سرگوشی کر رہے تھے۔

کشمیر۔۔۔اُنہیں فیصلہ کرنے کا حق دیجئے۔

آئین۔۔۔میں اُسے جلد ہی مکمل کروں گا۔

مہاجرین۔۔۔انہیں ہر ممکن امداد دیجئے۔

پاکستان۔۔۔ 39

اُس دن اُن کا سانس صبح ہی سے اُکھڑا ہوا تھا۔ اُنہوں نے خوراک بھی نہیں کھائی تھی۔ اُن کی نقاہت میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا اور حالت بہت نازک تھی۔ تمام تیاریاں مکمل کرنے کے بعد محترمہ فاطمہ جناح، ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر ایم اے مستری، ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش، سسٹر فلیس ڈنہم، دونوں اے ڈی سی اور اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری فرخ امین قائداعظمؒ کو ریذیڈنسی کوئٹہ سے لے کر دو بجے سہ پہر ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔ وائی کنگ کے پائلٹ اور دوسرے عملے نے اُنہیں سلامی دی۔ قائداعظمؒ نے انتہائی نقاہت کے باوجود لیٹے لیٹے اُن کے سلوٹ کا جس طرح جواب دیا وہ معالجوں کیلئے بڑی حیرت کی بات تھی۔ کیونکہ اُن کی کیفیت یہ تھی کہ وہ بستر پر کروٹ لیتے ہوئے دقت محسوس کرتے تھے اور بڑی کوشش کے باوجود کھانسی بھی نہ کر سکتے تھے اور یہ بات حیرت کی تھی کہ ناتوانی میں سلامی کا اِس سرگرمی سے جواب دینے کی طاقت اُن میں کہاں سے آئی تھی۔ اُن کے ہاتھ کی اِس قابلِ یادگار جنبش سے صاف ٹپکتا تھا کہ بسترِ مرگ پر بھی وہ نظم وضبط کے تقاضے سے غافل نہ تھے۔ 40

کوئٹہ سے کراچی تک کا یہ سفر قائداعظمؒ کیلئے اذیت سے کم نہ تھا۔ جہاز کے اندر کافی گرمی تھی۔ راستے میں اُنہیں بار بار آکسیجن کی ضرورت پڑتی رہی۔ یہ فریضہ کبھی محترمہ فاطمہ جناح

اور کبھی ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سرانجام دیتے رہے۔ اُنہیں سانس لینے میں دُشواری محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھبراہٹ سے اپنے اوپر کمبل کو بار بار پھینک رہے تھے۔ محترمہ فاطمہ جناح کہتی ہیں کہ اُنہوں نے سانس میں دُشواری محسوس کرتے ہوئے اُن کے گیس ماسک لگایا تو اُنہوں نے ہاتھ سے پرے ہٹا دیا اور اُنہیں یوں محسوس ہوا جیسے وہ اُن سے کہہ رہے ہوں۔

"اِس کی ضرورت نہیں۔۔۔سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔" 41

☆☆☆

باب نمبر 7

ماڑی پور سے گورنر جنرل ہاؤس تک

وائی کنگ تیسرے پہر چار بج کر پندرہ منٹ پر ماڑی پور ایئر پورٹ (موجودہ مسرور بیس) پر اُترا۔ 1 ملٹری سیکرٹری کرنل جیفرے نولز عملے کے چند افراد کے ہمراہ گورنر جنرل پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ اور اُن کے معالجوں کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ایئر پورٹ سنسان اور ویران تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح کو یاد آ رہا تھا کہ صرف ایک برس قبل جب وہ آزادی کی نوید لے کر یہاں اُترے تو اس دن اُن کے استقبال کو پورا کراچی اُمڈ آیا تھا اور فلک شگاف نعروں سے فضا گونج رہی تھی۔ سب چھوٹے بڑے، اعلیٰ و ادنیٰ اُن کی راہ میں دیدہ و دل فرش راہ کئے ہوئے تھے۔ وہ (قائداعظمؒ) انتہائی پُر امید اور پُر اعتماد قدموں سے چلتے ہوئے انتہائی خوشی میں سرشار ہجوم کے قریب آئے تھے، وہ جانتے تھے کہ اُن خوشیوں کی کتنی قیمت چکانی پڑی تھی۔ اُن کے دل میں عزم تھا کہ اس قوم کو عظیم قوم بنانا ہے۔

آج بھی اُن کی آخری سانسوں میں یہی عزم تھا۔ آج اُن کے استقبال کے لئے کوئی ہجوم ایئر پورٹ پر موجود نہ تھا۔ کوئی وزیر، مشیر، سفیر حتیٰ کہ اُن کے پرانے رفیق اور وزیراعظم پاکستان خان لیاقت علی خان اُن کے استقبال کو موجود نہ تھے۔ اُنہوں نے سختی سے منع کر رکھا تھا کہ کسی کو مطلع نہ کیا جائے۔ 2 اُن کی آمد کی اتنی رازداری رکھی گئی تھی کہ وزیراعظم سمیت، ایڈمنسٹریٹر کراچی اور انسپکٹر جنرل پولیس جیسے حساس اداروں کو بھی اُن کی آمد کی خبر نہ تھی۔

اُس دن کے منظر کو یاد کرتے ہوئے لیفٹیننٹ کرنل جیفرے نولز (ملٹری سیکرٹری) لکھتے ہیں۔

"میں نے قائداعظمؒ کے سٹریچر کو ہوائی جہاز سے باہر آتے دیکھا۔ جب سٹریچر کا رُخ سورج کی طرف ہوا تو قائداعظمؒ نے اپنا

ہاتھ چادر میں سے نکالا اور آہستہ سے اُٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔ تاکہ سورج کی روشنی اُن پر نہ پڑے۔" 3

وہ اتنے لاغر ہو چکے تھے کہ انہیں سورج کی روشنی بھی بوجھل لگتی تھی۔ انہیں سٹریچر کے ذریعے ایمبولینس میں منتقل کیا گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح اور سسٹر فلس ڈنہم ایمبولینس میں اُن کے ہمراہ سوار ہوئیں۔ ڈاکٹر مستری، ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اور ملٹری سیکرٹری گورنر جنرل کی کار میں سوار ہوئے۔ ملازم سامان کے ساتھ ٹرک میں بیٹھ گئے۔ ایئر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک تقریباً نو میل کا فاصلہ تھا۔ اس وقت یہ سارا راستہ غیر آباد تھا۔ تاہم سڑک کے آس پاس بھارت سے کراچی منتقل ہونے والے مہاجرین کی جھگیاں اور کچھ بستیاں تھیں۔ ایمبولینس نے تقریباً چار میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اس کا انجن ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہو گیا۔ قائداعظمؒ کی اس وقت حالت اس قابل نہ تھی کہ راستے میں بلاوجہ رُکا جاتا۔ محترمہ فاطمہ جناح بتاتی ہیں کہ وہ پانچ منٹ ایمبولینس میں انتظار کرنے کے بعد باہر نکلیں تو انہیں بتایا گیا کہ گاڑی میں پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ 4 ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کے مطابق انجن خراب ہو گیا تھا۔ 5 ایمبولینس کا ڈرائیور بیس منٹ تک انجن کو درست کرنے کی ناکام کوشش کرتا رہا۔ تنگ آ کر محترمہ فاطمہ جناح نے ملٹری سیکرٹری کو ایک دوسری ایمبولینس لانے کے لئے روانہ کیا۔ ڈاکٹر ایم۔ اے مستری بھی اُن کے ساتھ گئے۔

انہیں کار میں منتقل کرنا مشکل تھا کیونکہ اُن کا سٹریچر کار کے دروازے سے بڑا تھا۔ وہ اتنے کمزور تھے کہ کار کی پچھلی سیٹ پر نہیں لیٹ سکتے تھے۔ اس کے علاوہ اُن کے کپڑے پسینے میں شرابور تھے اور باہر اُنہیں ہوا لگنے کا خطرہ تھا۔ 6 عام طور پر کراچی میں تیز سمندری ہوائیں چلتی رہتی ہیں جن کے باعث درجہ حرارت کم رہتا ہے اور گرم موسم کی شدت کم ہو جاتی ہے۔ مگر اس روز سمندری ہوائیں نہیں چل رہی تھیں۔ اس تکلیف دہ موسمی صورت پر مستزاد وہ بیسیوں مکھیاں تھیں جو اُن کے چہرے کے اردگرد منڈلا رہی تھیں ان میں اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ اپنا ہاتھ اُن کے

حملے سے بچنے کے لئے اٹھا سکیں۔ 7 مسٹر فلس ڈنہم نے اپنی ذات کے حوالے سے جو روداد بیان کی ہے وہ بڑی دلگداز ہے۔

"ہم مہاجروں کی بستی اور اُس کی کیچڑ سے زیادہ دور نہ تھے اور مکھیوں نے ہمیں گھیر لیا تھا۔ میں نے ایک دفتی (گتہ) کا ٹکڑا ڈھونڈ نکالا۔ اُس سے مسٹر جناح کے منہ پر پنکھا جھلنے لگی اور اس اثناء میں اُنہوں نے میری دلجوئی اِس انداز سے کی کہ میں ساری عمر نہیں بھول سکتی۔ اُنہوں نے اپنا بازو چادر میں سے نکالا اور اپنا ہاتھ میرے بازو پر رکھ دیا۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ لیکن اُن کی آنکھوں میں اُن کے جذبۂ تشکر کا پوری طرح اظہار ہو رہا تھا۔ میں اُن کی جو خدمت کر سکی تھی یہ ایک نگاہ اُس کا مکمل صلہ تھی۔ اِس سے بہتر صلہ مجھے کیا مل سکتا تھا۔ اُس وقت یوں معلوم ہوتا تھا کہ قائد اعظمؒ کی ساری رُوح اُن کی آنکھوں میں اُتر آئی ہے۔" 8

جس جگہ ایمبولینس خراب ہوئی وہاں قریب ہی مہاجرین کی سینکڑوں جھونپڑیاں تھیں۔ وہ لوگ اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ اُنہیں کیا خبر تھی کہ اُن کا قائد جس نے اپنے وعدے کے مطابق ایک وطن دلایا تھا۔ اس وقت ایک ایمبولینس میں لیٹا ہوا تھا۔ آتی جاتی کاریں ہارن بجاتی گزر رہی تھیں۔ بسیں اور ٹرک آ جا رہے تھے۔ لیکن قائد اعظمؒ بے بسی کے عالم میں ایمبولینس میں لیٹے ہوئے تھے۔ ایک قیمتی زندگی کا انجام قریب تر آ رہا تھا۔ ہر سانس کے ساتھ زندگی گھٹتی جا رہی تھی۔ 9 خود قائد کو بھی اِس حقیقت کا احساس نہ تھا کہ وہ کھارادر کے نزدیک تھے۔ جہاں بچپن میں وہ کبھی اپنے لمبے اور پتلے ہاتھوں سے بڑی پھرتی سے گولیاں کھیلتے تھے۔ کرکٹ کھیلتے تھے اور لٹو گھماتے تھے۔ مسز ڈنہم اور محترمہ فاطمہ جناح باری باری اُن کے چہرے پر سے مکھیاں اُڑا رہی تھیں۔ انتظار کا ایک ایک لمحہ کرب میں گزر رہا تھا۔ اور وہ راضی بارضا ہو کر دوسری

گاڑی کا انتظار کرنے پر مجبور تھیں۔ 10 کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش یہ سوچ کر کانپ رہے تھے کہ یہ کتنی ستم ظریفی ہو گی کہ وہ فضائی سفر میں تو سلامت رہے لیکن سڑک کے کنارے دَم توڑ گئے۔ 11

کراچی آنے سے قبل اُنہوں نے تھوڑا سا پھلوں کا رس پیا تھا۔ محترمہ فاطمہ جناح نے فلاسک میں سے گرم چائے نکال کر اُنہیں چمچے سے پلائی۔ چائے پی کر اُن کی طبیعت بحال ہو گئی۔ بڑے صبر آزما انتظار کے بعد ایمبولینس نمودار ہوئی۔ انتظار کا یہ ایک گھنٹہ قیامت سے کم نہ تھا۔ اُنہیں دوسری ایمبولینس میں منتقل کیا گیا۔ یہ قافلہ تقریباً چھ بج کر دس منٹ پر گورنر جنرل ہاؤس پہنچا۔ ائیر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس کا فاصلہ چھ منٹ کا تھا جو کہ تقریباً دو گھنٹے میں طے ہوا۔ یعنی دو گھنٹے کوئٹہ سے کراچی اور دو گھنٹے ماڑی پور ائیر پورٹ سے گورنر جنرل ہاؤس تک۔ اگر خدانخواستہ قائد اعظمؒ نے ہوائی سفر بخیر و خوبی طے کرنے کے بعد سڑک کے کنارے جان دے دی ہوتی تو کتنا بڑا سانحہ ہوتا اور یہ قوم کتنی شرمسار رہتی۔ 12

ایمبولینس کی خرابی کے اتفاق پر بہت سی کہانیاں اور افسانے بنے، قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی کراچی واپسی کا انتظام، اُن کے ملٹری سیکرٹری کرنل جیفرے نولز کر رہے تھے۔ اُنہوں نے قائد اعظمؒ اور محترمہ فاطمہ جناح کی ہدایت پر اِس سفر کو خفیہ رکھا تھا اور بیمار قائد کو ائیر پورٹ سے لانے کیلئے کسی سرکاری یا حکومتی ادارے کی ایمبولینس کی بجائے کراچی ریڈ کراس کی ایمبولینس کا انتظام کیا تھا۔ اُن کی دانستہ یا اتفاقی غلطی یہ تھی کہ اُنہوں نے بریک ڈاؤن (فالتو) ایمبولینس کا انتظام نہیں کیا تھا۔ جو کہ بالعموم اعلیٰ شخصیات کیلئے خصوصی طور پر کیا جاتا ہے۔ لیکن فوج کے تربیت یافتہ افراد بہت با تدبیر سمجھے جاتے ہیں۔ اُنہیں ہنگامی حالات سے نپٹنے کی خصوصی تربیت ہوتی ہے۔ یہ بات بڑی حیرت کی ہے کہ اِس سنگین صورتِ حال میں اُنہوں نے قائد اعظمؒ کو دوسری گاڑی میں منتقل کیوں نہ کیا۔ اگر چہ وہ بہت کمزور تھے اور اُن کا جسم پسینے سے شرابور تھا لیکن وہ موقع ایسا تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح کو اعتراض نہ ہوتا اور محترم قائد بھی یقیناً انکار نہ کرتے اور تو اور گاڑی کو کسی دوسری گاڑی کے ساتھ منسلک (ٹوچین) کر کے لے جایا جا سکتا تھا۔ اِس میں ممکن تھا کہ بیمار

قائد کو ایک آدھ جھٹکا محسوس ہوتا لیکن یہ اُس اذیت سے کہیں کم ہوتا جو اُنہوں نے وہاں دوسری ایمبولینس کے انتظار میں برداشت کی تھی۔

یہ بات الگ حیران کن ہے کہ گورنر جنرل جو کہ بابائے قوم بھی تھے۔ سوا چار بجے ائیر پورٹ پہنچ چکے تھے۔ چند منٹوں کے فاصلے پر اُن کی رہائش گاہ تھی۔ یقیناً اُن کا عملہ وہاں اُن کا منتظر تھا۔ وہ بروقت اپنی رہائش گاہ پر نہیں پہنچ رہے تھے۔ کسی کو کوئی تشویش نہ تھی۔ کوئی پریشان ہو کر تحقیقات کیلئے نہ نکلا۔ کسی کا بھی ٹیلی فون یا وائرلیس پر ائیر پورٹ سے کوئی رابطہ نہ تھا۔

اِس واقعے کا تمام تر الزام لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کے سر آیا۔ بالخصوص لیاقت علی خان مخالف عناصر اِس معاملے میں پیش پیش تھے۔ وہ تحریر تقریر قائد اعظمؒ کی طبعی موت کو ممکنہ قتل کا رنگ دیتے رہے اور اِس سلسلے میں ایمبولینس کی خرابی والے واقعے کو خصوصی طور پر اُچھالتے رہے۔ وہ اِس کے پسِ منظر میں نام نہاد اختلافات کو پیش کرتے تھے جو بقول اِن لوگوں کے دونوں لیڈروں کے درمیان پاکستان کے قیام ہی سے شروع ہو گئے تھے۔ اُن کی فراہم کردہ مشکوک بنیادوں پر ہمارے ملکی اور غیر ملکی مؤرخ اور محقق بھی رائی کا پہاڑ بنانے میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ اگر خدانخواستہ قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی زندگی میں لیاقت علی خان کے قتل کا سانحہ وقوع پذیر ہو جاتا تو یقیناً یہی احباب انتہائی "خصوع و خشوع" کے ساتھ اِس کا الزام اُن پر لگا دیتے اور دونوں کے درمیان اختلافات کی بھی کوئی فرضی کہانی ثبوت کے طور پر مہیا کر دیتے۔

یہاں چند ذمہ دار لوگوں کا حال دیکھئے جو اس واقعے کے تقریباً 31 سال بعد تنقید کر رہے تھے۔ مثلاً سابق وزیر قانون و اٹارنی جنرل پاکستان جناب شریف الدین پیرزادہ نے 12 ستمبر 1979ء کو ہفت روزہ "ملت اسلام آباد" کو ایک انٹرویو میں کہا کہ

> قائد اعظمؒ کے ساتھ اُن کی علالت کے آخری دور میں واقعی انتہائی افسوس ناک سلوک کیا گیا۔ اُنہیں وہ سہولتیں بہم نہیں پہنچائی گئیں جو اِس ملک کے قومی ہیرو کو مہیا کی جانی چاہیے تھیں۔ جب وہ کوئٹہ سے

> کراچی آئے تو اُن کے لئے دانستہ طور پر ایک انتہائی ناکارہ ایمبولینس بھیجی گئی جو راستے میں خراب ہو گئی۔ قائد اعظمؒ نے ڈرائیور سے کہا کہ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ جس پر اُنہیں ایمبولینس سے نکال کر باہر دھوپ میں، فٹ پاتھ پر ایک سٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ میں کہوں گا کہ وہ اپنی طبعی موت نہیں مرے بلکہ اُنہیں مروایا گیا۔۔۔ کس نے مروایا؟ نام لینا کیا ضروری ہے۔ [13]

وہ قائد اعظمؒ کو "مقتول" ثابت کرنے کے جوش میں تاریخی حقائق فراموش کر گئے۔ نہ محترمہ فاطمہ جناح نے اور نہ ہی ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش نے (دونوں احباب اِس سفر میں شریک تھے) اپنی یادداشتوں میں فٹ پاتھ پر لٹائے جانے کا ذکر کیا ہے۔

جناب شریف الدین پیرزادہ صاحب نے مزید فرمایا۔

> ایک پورا ٹولہ تھا جو قائد اعظمؒ کو زندہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ لوگ شروع ہی سے قائد اعظمؒ کے خلاف سازشیں کر رہے تھے اور قائد اعظمؒ بھی سب کچھ جانتے تھے۔ مثال کے طور پر لیاقت علی خان قیامِ پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ڈیسائی (بھولا بھائی ڈیسائی، م۔ 6 مئی 1946ء) سے کچھ اُمور پر باتیں کیں۔ تو ڈیسائی نے لیاقت علی خان سے کہا تم تو مان رہے ہو مگر محمد علی جناحؒ کو کون راضی کرے گا؟ لیاقت علی خان نے جواب دیا کہ جناب۔ جناح مزید ڈیڑھ سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے۔ [14]

اُنہوں نے اپنے انٹرویو میں دعویٰ کیا تھا کہ اُن کے پاس حقائق کے دستاویزی ثبوت موجود ہیں اور وہ مناسب موقع پر ان سب کے بارے میں ضرور لکھیں گے۔ لیکن تا حال اُن کی طرف سے دستاویزی ثبوت منظر عام پر نہیں آئے۔۔۔ یا شاید اُن کی پسند کا مناسب موقع اُنہیں

میسر نہیں آیا ہے۔

اُن کی تقلید میں سابق ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ بھی پیچھے نہ رہے۔ چند ہی دن بعد 19 اکتوبر 1979ء کو کراچی کے ایک کثیر الاشاعت اخبار روز نامہ جنگ میں اُن کا بیان شریف الدین پیرزادہ کو تقویت دے رہا تھا۔ اُنہوں نے اخبار کو بتایا کہ

> وہ قائداعظمؒ کی وفات کے روز یعنی 11 ستمبر 1948ء کو بحیثیت پاک فضائیہ کے قائم مقام کمانڈر انچیف کے وزیراعظم نواب زادہ لیاقت علی خان کی رہائش گاہ پر ایک کانفرنس میں شامل تھے جو تمام دن جاری رہی، وہاں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اور ونگ کمانڈر اصغر خان (ریٹائرڈ ائیر مارشل) دونوں سٹاف کار میں ماڑی پور ایئر ہیڈ کوارٹرز روانہ ہو گئے۔ جب وہ آبادی کے باہر مچھیروں کے گاؤں کے سامنے سے گزرے تو اُنہیں سڑک کے کنارے ایک ایمبولینس خستہ حال میں نظر آئی۔ اُن کا ارادہ تھا کہ وہ رُک کر پوچھتے کہ اُنہیں کوئی ضرورت ہے، لیکن ایمبولینس کے سامنے کھڑے آدمی نے اُنہیں گزر جانے کا اشارہ دیا۔ کار کی رفتار بہت سُست ہو چکی تھی۔ گزرتے وقت ونگ کمانڈر اصغر خان نے مڑ کر دیکھا اور اُنہیں بتایا کہ "اِس میں قائداعظمؒ ہیں اور اُن کا سر فاطمہ جناح کی گود میں ہے اور یوں لگتا ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں" اُنہوں نے جھانک کر دیکھا تو اُنہیں بھی ایسا ہی لگا۔ لیکن اُنہیں جانے کا اشارہ دیا جا رہا تھا۔ 15

ایئر کموڈور جنجوعہ اور اُس وقت کے ونگ کمانڈر اصغر خان دونوں ہی ذمہ دار لوگ تھے۔ یہ بات بڑی حیرت کن ہے کہ بابائے قوم کو شناخت کر لینے کے باوجود۔۔۔ یہ قیاس کر لینے کے

بعد بھی کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔۔۔ اُنہوں نے رُکنا گوارا نہ کیا اور صورتِ حال کی تصدیق نہیں کی۔ ایئر کموڈور جنجوعہ کا 13 اگست 1982ء کو دل کا دورہ پڑنے سے لندن میں انتقال ہو گیا۔ لیکن ایئر مارشل اصغر خان اُس وقت کے ونگ کمانڈر تا حال زندہ ہیں وہ اِس واقعے کی تائید یا تردید کا حق رکھتے ہیں۔ اُن کی وضاحت سے صورتِ حال بہت حد تک واضح ہو سکتی ہے۔

ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ لیاقت علی خان کے دور میں راولپنڈی سازش میں ملوث تھے۔ وہ اِس الزام میں گرفتار ہوئے اور اُنہیں عدالت کی طرف سے سزا بھی ہوئی۔ رہائی کے بعد وہ لیاقت علی خان کی کردار کشی کرتے رہتے تھے۔ راولپنڈی سازش کیس کے آئینے میں اگر اُن کے الزامات کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے تو وہ بہتان سے زیادہ نہیں ہیں۔ تاہم اِس قسم کے الزامات سے وہ لوگ آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں جو کسی الزام کو واقعاتی کسوٹی پر پرکھنے کا ہنر نہیں جانتے۔

قائداعظمؒ کی وفات کے بعد محترمہ فاطمہ جناح اور لیاقت علی خان کے تعلقات میں سرد مہری کی وجہ نام نہاد لیاقت جناح اختلافات نہ تھے۔ بلکہ اِس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت پاکستان نے قائداعظمؒ کے چہلم سے قبل اُن سے گورنمنٹ ہاؤس (گورنر جنرل ہاؤس) خالی کرنے کا تقاضا کیا تھا۔ کیونکہ نئے گورنر جنرل کو اِس کی ضرورت تھی۔ یہاں ایک واقعہ کا ذکر کرنا مناسب ہو گا کہ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی پہلی دو برسیوں کے موقع پر محترمہ فاطمہ جناح کا ریڈیو پر کسی قسم کا خطاب نشر نہ ہوا۔ کیونکہ اُنہوں نے یہ شرط رکھی ہوئی تھی کہ وہ براڈ کاسٹ سے پہلے اپنی تقریر کا متن کسی کو نہیں دکھائیں گی۔ حکومت یہ شرط ماننے پر آمادہ نہ تھی۔ تاہم تیسری برسی کے موقع پر اُنہیں اجازت مل گئی۔ کہ وہ تقریر پہلے سے سنسر کیے بغیر ریڈیو سے براہِ راست نشر کر سکتی ہیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ دورانِ تقریر ٹرانسمشن خراب ہو گئی اور اُن کی تقریر کے کچھ فقرے صحیح نشر نہ ہو سکے۔ اِس بات پر بڑا شور شرابا ہوا۔ اخبارات میں بڑے احتجاجی بیانات بھی آئے۔ اگرچہ ریڈیو پاکستان کے حکام کا مؤقف یہی تھا کہ ٹرانسمشن کی رُکاوٹ کی وجہ یہ تھی کہ اچانک بجلی فیل ہو گئی تھی۔ لیکن اس بات کا یقین کرنے کو کوئی تیار نہ تھا۔ سب کا یہی خیال تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح کی تقریر میں ضرور ایسی بات

تھی جسے حذف کرنے کیلئے یہ سارا ڈھونگ رچایا گیا تھا۔ اِس واقعہ کو بھی لیاقت جناح اختلافات سے منسوب کیا گیا۔ نشریہ کی خرابی کو جس طرح لیاقت حکومت کے خلاف استعمال کیا گیا۔ شاید اتنا نقصان محترمہ فاطمہ جناح کے تنقیدی جملوں سے نہ ہوتا۔ 16

اگر کہیں لیاقت جناح اختلافات اِس نوعیت کے ہوتے جو قائد کی موت پر منتج ہوئے ہوتے تو یقیناً محترمہ فاطمہ جناح اُسے کبھی نہ کبھی ضرور آشکار کرتیں۔ وہ لیاقت علی خان کی وفات کے بعد 16 سال حیات رہیں اُنہوں نے کبھی تحریر یا تقریر اِس بات کا اشارہ نہیں دیا کہ لیاقت علی خان اُن کے بھائی کی بے وقت موت کے ذمہ دار تھے۔ وہ چاہتیں تو اس بات کو 1964ء کے اپنے صدارتی انتخابات میں اُچھال کر فوائد حاصل کرسکتی تھیں۔ لیکن اُنہوں نے ایسا نہیں کیا اور نہ ہی اُنہوں نے اپنے کاغذات اور اپنے مسودے "میرا بھائی My Brother" میں جو اُنہوں نے محترم جی الانا کے تعاون سے مرتب کیا تھا، کہیں الزام نہیں لگایا ہے۔ صرف ایک واقعہ زیارت میں قائداعظمؒ کی بیماری کے دوران کا ہے۔ جب لیاقت علی خان، چوہدری محمد علی کے ہمراہ عیادت کیلئے آئے۔ تو وہ اُن کے حوالے سے لکھتیں ہیں کہ قائداعظمؒ نے مُسکرا کر اُن سے کہا تھا۔

"تم جانتی ہو وہ کیوں آئے ہیں؟ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ میری علالت کتنی شدید ہے، میں کتنا عرصہ زندہ رہ سکتا ہوں۔ تم نیچے جاؤ اور پرائم منسٹر سے کہدو کہ میں اُنہیں ابھی ملوں گا"۔

اُن دنوں قائداعظمؒ مسلسل بیماری کی وجہ سے زود رنج تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اُنہیں بیماری میں معذور اور لاچار دیکھے، اُنہوں نے خصوصی ہدایت کی ہوئی تھی کہ اُن کی بیماری کو پوشیدہ رکھا جائے۔ اِسی وجہ سے وہ زیارت میں مقیم تھے اور صرف محدود لوگوں سے مل رہے تھے۔ اُس دن جب وزیراعظم پاکستان اُن سے ملنے کیلئے گئے وہ اِسی زود رنجی کی کیفیت کا شکار تھے۔

گورنر جنرل ہاؤس پہنچ کر ڈاکٹروں نے قائد کی حالت کا جائزہ لیا۔ اُن کا ٹمپریچر نارمل تھا۔ نبض اعتدال پر تھی۔ وہ سکون سے سوئے ہوئے تھے۔ اُن کی حالت کو بہتر دیکھ کر ڈاکٹر مستری

اجازت لے کر ایک گھنٹہ کیلئے اپنے گھر چلے گئے اور ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش اینما (Enema) کا سامان اور رات کیلئے نرس کا بندوبست کرنے کیلئے، جناح سنٹرل ہسپتال کراچی چلے گئے۔ قائداعظمؒ کو کراچی لانے کا فیصلہ اتنا فوری اور جلدی ہوا تھا کہ کراچی میں اُن کے لئے کسی قسم کی طبی سہولت کیلئے ہدایات نہ دی جاسکیں تھیں۔ یہ توقع تھی کہ نرس کا بندوبست بڑی آسانی سے ہوجائے گا لیکن وہ دن قائداعظمؒ سے محبت کرنے والوں کے لئے موافق ثابت نہیں ہورہا تھا۔ ان کا جناح سنٹرل ہسپتال کے سرجن کرنل سعید احمد سے رابطہ ممکن نہ ہوسکا کیونکہ وہ اس وقت آپریشن میں مصروف تھے اور نرسز ہوم میں کوئی تجربہ کار نرس موجود نہ تھی اور نہ ہی وہاں وارڈن موجود تھی جو اُن کے لئے کسی تجربہ کار نرس کی تلاش میں معاون ثابت ہوتی۔ کراچی میں اُن کے تعلقات اور واقفیت بہت محدود تھے۔ اُنہیں رہ رہ کر یہ احساس ستا رہا تھا کہ وہ اِس کا بندوبست کوئٹہ سے کیوں نہ کر کے چلے تھے۔

اُن کی غیر حاضری میں کرنل جیفرے نولز ملٹری سیکرٹری نے نرس کا بندوبست کرلیا۔ جس کے بارے میں جان کر ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کو خاصا اطمینان ہوا۔ پونے نو بجے تک ہر چیز ٹھیک ٹھاک محسوس ہورہی تھی۔ کسی بھی ایمرجنسی کا اظہار نہیں ہورہا تھا۔ البتہ اُن کے ڈاکٹر یہ محسوس کر رہے تھے کہ آج کی رات بھاری ہے۔ حالات کو بظاہر اطمینان بخش دیکھ کر کرنل ڈاکٹر الٰہی بخش قریب ہوٹل میں کھانا کھانے چلے گئے۔ اُس دن اُنہوں نے قائداعظمؒ کی پریشانی میں ناشتے کے بعد کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہیں ہوٹل میں اُنہیں یہ تشویشناک خبر ملی کہ بابائے قوم کی حالت بگڑ گئی ہے۔ وہ فوراً گورنمنٹ ہاؤس پہنچے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کی نبض کمزور تھی اور بے قاعدہ چل رہی تھی اور اُنہیں ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ یہ دیکھتے ہوئے اُنہوں نے فوراً اُنہیں دل کی دوا کا ٹیکہ لگایا اور خون کے دوران کو طاقت دینے والی دوائی پلائی۔ مگر دوائی اُن کے حلق سے نیچے نہ گئی اور منہ سے باہر آگئی۔ وہ خون کے دل و دماغ کی طرف دورہ کی تدبیر کرنا چاہتے تھے۔ اس کیلئے بستر کو پائنتی کی طرف سے اونچا کیا جاتا ہے۔ بالعموم ایسے مریضوں کیلئے "Fowler Bed" خاص قسم

کی چار پائی ہوتی ہے۔لیکن اتفاق سے گورنمنٹ ہاؤس میں اِس کا بندوبست نہ تھا۔کیونکہ وہ وہاں سے ایسی حالت میں کوئٹہ وزیارت نہیں گئے تھے کہ اِن چیزوں کا اہتمام ہوتا۔دوسرا اُن کی آمد اور بیماری کو پوشیدہ رکھنے کی خاطر اُن کی آمد پر کسی قسم کی طبی سہولت کا پیشگی بندوبست نہیں کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش عقیدت اور جذبات میں خود پائنتی اُٹھانے لگے۔ [17] محترمہ فاطمہ جناح بھی لپک کر آئیں۔ وہ جانتے تھے کہ وہ حد درجہ کمزور تھیں وہ یہ برداشت نہ کر سکیں گی۔اُنہوں نے اُنہیں منع کر دیا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ کچھ اینٹوں یا لکڑی کے ٹکڑوں کا بندوبست کر دیں جو پائنتی کے نیچے رکھ دیئے جائیں۔ایسی چیزوں کا وہاں ملنا بہت مشکل تھا۔اُنہوں نے فوراً وہاں سے کچھ کتابیں اُٹھا کر دیں تا کہ وہ پلنگ کے نیچے رکھ دی جائیں۔

اِن ساری کوششوں کے باوجود نبض کی حالت درست نہ ہو سکی۔

اِس اثناء میں ڈاکٹر مستری اور ڈاکٹر ریاض علی شاہ بھی آ گئے۔

ڈاکٹر الٰہی بخش نے ایک اور ٹیکہ لگایا اور قائداعظمؒ سے کہا۔

"جناب ہم نے آپ کو تقویت پہنچانے کیلئے ٹیکہ لگایا ہے اور جلد ہی اِس کا اثر ظاہر ہوگا۔ خُدا کو منظور ہوا تو آپ زندہ سلامت رہیں گے۔"

قائداعظمؒ نے سر ہلاتے ہوئے بڑی نحیف آواز میں کہا۔

"نہیں۔۔۔میں نہیں بچوں گا۔"

یہ اُن کے آخری الفاظ تھے جو اُنہوں نے اپنی وفات سے آدھ گھنٹہ قبل ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش سے کہے۔دس بجے اُن کی نبض کی حالت بہتر ہوئی۔کچھ موہوم سی اُمید پیدا ہوئی۔لیکن دس ہی منٹ میں اُن کی نبض کمزور ہوتے ہوتے غائب ہوگئی۔دس بج کر بیس منٹ پر اُن کی نبض ڈوب چکی تھی۔اسٹیتھسکوپ اُن کی دھڑکنیں ڈھونڈنے میں ناکام ہو چکا تھا۔ [18]

ڈاکٹر ریاض علی شاہ قائداعظمؒ کی وفات کا وقت دس بج کر پچیس منٹ لکھتے ہیں۔

بقول اُن کے قائداعظمؒ کے آخری الفاظ۔

اللہ۔۔۔۔پاکستان، تھے۔

چونکہ اُن کے مصنوعی دانت پہلے ہی نکال دیئے گئے تھے اِس لئے اُن کے دو لفظوں کے سوا کچھ سمجھ میں نہ آ سکا۔ [19]

آخری لمحات میں اُن کے قریب ڈاکٹر مستری، ڈاکٹر ریاض علی شاہ، ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش، محترمہ فاطمہ جناح اور ایک نرس فلس ڈنہم موجود تھے۔

محترمہ فاطمہ جناح لکھتی ہیں۔کہ قائداعظمؒ نے سر اور آنکھوں کے اشارے سے اُنہیں اپنے قریب بلایا اور پھر بات کرنے کی آخری کوشش کی اور سرگوشی کے انداز میں کہا۔

فاطی۔۔۔۔خدا حافظ۔

لا الہ الا اللہ۔۔۔۔محمد۔۔۔۔الرسول اللہ۔ [20]

محترم جی الانا قائداعظمؒ کی موت کی خبر سُن کر پہلے پہنچنے والوں میں سے تھے۔وہ لکھتے ہیں۔

"میں بوجھل قدموں سے اُس کمرے میں داخل ہوا جہاں قائداعظمؒ اَبدی نیند سو رہے تھے۔وہاں مجھے مولانا شبیر احمد عثمانی، وزارتِ خارجہ کے سیکرٹری اکرام اللہ، یوسف ہارون، ایم۔اے رنگون والا اور اے۔ایم قریشی نظر آئے۔میں نے بستر کی جانب دیکھا۔اُن کی میت پر سفید چادر پڑی ہوئی تھی۔جس نے مجھے سب کچھ سمجھا دیا۔میری گویائی سلب ہو چکی تھی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔میں نے محسوس کیا کہ میرا ملک، جس کی عمر صرف ایک سال تھی، یتیم ہوگیا ہے۔

اِسی اثناء میں ایک ضعیف خاتون ہچکیاں لیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔اُنہوں

نے دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھائے اور رنج والم میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولیں۔

اناللہ وانا الیہ راجعون۔ [21]

☆☆☆

باب نمبر 8

قائداعظم محمد علی جناحؒ۔ قوم کے کاندھوں پر

قائداعظمؒ کے انتقال کی خبر رات گیارہ بجے ریڈیو پاکستان نے اپنی معمول کی نشریات روک کر نشر کی۔ اناؤنسر شکیل احمد تھے۔ اُنہوں نے آہوں اور سسکیوں کو ضبط کرتے ہوئے یہ اعلان پڑھا۔

> "حکومت پاکستان انتہائی رنج والم، غم واندوہ سے اس کا اعلان کرتی ہے کہ موت نے ہمارے محبوب راہنما قائداعظم محمد علی جناحؒ کو چھین لیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون
>
> حکومت پاکستان ہر مسلمان سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اس جانکاہ صدمے پر صبر وتحمل، بردباری اور نظم ونسق سے کام لے۔ اس پُر آشوب دور میں جب کہ قائداعظمؒ کی راہنمائی کی اشد ضرورت تھی۔ قائداعظمؒ ہمیں داغ مفارقت دے کر جنت الفردوس کو چل دیئے۔
>
> کابینہ پاکستان اِس حادثہ جانکاہ پر محترمہ فاطمہ جناح، قائداعظمؒ کے دیگر رشتہ داروں اور ساری قوم سے گہری ہم دردی کا اظہار کرتی ہے۔" [1]

قائداعظمؒ کی رحلت کی خبر نشر ہوتے ہی پاکستان کا چپہ چپہ آہ وبکا سے گونج اُٹھا۔ وہ رات پاکستان پر ایک قیامت بن کر اُتری۔ پورا ملک ایک ماتم کدے میں تبدیل ہوگیا۔ [2] لوگوں کو اُن کی وفات کا یقین نہ آتا تھا۔ لوگ سوچتے تھے وہ مردِ مجاہد جو موت سے زیادہ بے رحم اور سنگدل دشمنوں کا سالہا سال تنہا مقابلہ کرتا رہا۔ کیا وہ آج سچ مچ ہمارے درمیان نہیں رہا اور مستقبل

میں بھی کبھی نہیں ہوگا۔

لوگوں کے لئے اُن کی موت کی خبر ایک بہت بڑا اچنبھا تھا۔ اُن کو تو اُن کی بیماری کے احوال کا بھی پتا نہ تھا۔ حکومت اُن کی بیماری کو صیغہ راز میں رکھتی آئی تھی۔ اگر اُن کی بیماری کا معلوم ہوتا تو وہ شاید ذہنی طور پر اُن کی موت کے لئے تیار بھی ہوتے۔ پاکستان قائم ہوئے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا؟ پاکستان کی حمایت اُنہوں نے قائداعظمؒ کے اعتماد پر ہی کی تھی۔ انہی کے اعتبار پر اُنہوں نے آگ و خون کا دریا پار کیا تھا۔ ملک کی خوشحالی و ترقی کی توقعات اُن کی ذات سے تھیں۔ اُن کی موت، ارمانوں کی موت تھی۔ توقعات کی موت تھی۔ پاکستان کا مستقبل ڈانوڈول دکھائی دیتا تھا۔ اُن کی موت کی خبر اُن کا یقین چھین رہی تھی۔ کراچی کے لوگ ہجوم کی صورت میں گورنمنٹ ہاؤس کی طرف بڑھنے لگے، گورنر جنرل ہاؤس کے بڑے بڑے آہنی گیٹ جن پر عام حالات میں سخت پہرہ ہوتا تھا، آج وہ گیٹ پُرسا مانگنے کے انداز میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہر طرف سے لوگوں کے نہ ختم ہونے والے ریلے گورنر جنرل ہاؤس کے اندر بہتے چلے آرہے تھے۔ ہر آنکھ میں آنسو جاری تھے۔ ہر پاکستانی یوں رو رہا تھا جیسے اُس کے سر سے شفیق باپ کا سایہ اُٹھ گیا ہو۔ وہ سب پاکستانیوں کا باپ ہی تو تھے۔ 3

کوئی بھی قائداعظمؒ کی موت کی خبر کا یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ نیشنل کالج کے پروفیسر مکرم علی خان شیروانی جو قائداعظمؒ کے انتقال کے وقت طالب علم تھے، وہ 11 ستمبر کی رات کا تذکرہ کچھ ایسے کرتے ہیں کہ

"بولٹن مارکیٹ کے قریب اس زمانے میں اندرون سندھ جانے والی بسوں کا اڈہ تھا اور میرے والد میرپور خاص جا رہے تھے۔ رات چونکہ زیادہ ہو چکی تھی۔ اس لئے میں اُن کو چھوڑنے بس کے اڈہ پر گیا۔ اور کافی دیر بس کے انتظار میں وہاں کھڑے رہے۔ لاونج کے قریب ایک شخص بس کا انتظار کرنے والے ہجوم کے قریب آیا۔

اور غم زدہ آواز میں ہجوم کو اطلاع دی کہ قائداعظمؒ کا انتقال ہو گیا۔ یہ خبر ہم سب کے لیے بڑی دلدوز تھی۔ اس سے قبل ہم اس سے مزید تفصیل معلوم کرتے کہ ہم میں سے ایک شخص نے آگے بڑھ کر اس اجنبی کے چہرے پر ایک زوردار طمانچہ رسید کرتے ہوئے کہا" کیا بکتا ہے" ایک لمحہ کے لیے وہ اجنبی حیران رہ گیا اور پھر اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے۔ اُس نے طمانچہ مارنے والے کی جانب اپنا دوسرا گال بڑھاتے ہوئے کہا بھائی اس پر بھی طمانچہ مارو اور مجھے یقین دلا دو کہ قائداعظمؒ زندہ ہیں۔" 4

جی الانا لکھتے ہیں کہ وہ اوّل اوّل پہنچنے والوں میں سے تھے۔ ہر ایک کا چہرہ غم میں ڈوبا ہوا تھا۔ ہر آنکھ میں آنسو تھے۔ وہ بوجھل قدموں سے اِس کمرے میں داخل ہوئے جس میں قائداعظمؒ کی میت پڑی ہوئی تھی۔ کمرے میں محترمہ فاطمہ جناح، مولانا شبیر احمد عثمانی، اکرام اللہ سیکرٹری وزارتِ خارجہ، یوسف ہارون، ایم۔ اے رنگون والا، اے۔ ایم قریشی موجود تھے۔ اُنہوں نے بستر کی جانب دیکھا۔ قائداعظمؒ کے جسم پر ڈالی ہوئی سفید چادر نے بغیر کسی لفظ اور صورت کے تمام داستان سنا دی۔ سب کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اُنہوں نے سوچا کہ اُن کی قوم جس کی عمر صرف ایک سال تھی آج یتیم ہو گئی تھی۔ 5

اُن کے دیرینہ رفیق اور دست راست لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان بھی آخری لمحات میں اُن کے قریب نہ تھے۔ انہیں اُن کے کراچی پہنچنے اور اُن کی وفات کی خبر اکٹھی ملیں تھیں۔ وہ آہوں اور سسکیوں کو ضبط کرتے ہوئے گورنر جنرل ہاؤس پہنچے۔ قائد کی میت دیکھ کر یقیناً اُن کے ضبط کے بندھن ٹوٹے ہوں گے۔ مگر انہیں ہوش میں رہنا تھا۔ یتیم قوم کو حوصلہ و تسلی دینا تھی۔ قائد کی آخری رسوم کا اہتمام کرنا تھا۔ انہوں نے فوراً ٹیلی فون کے ذریعے کراچی کے ایڈمنسٹریٹر ہاشم رضا کو گورنر جنرل ہاؤس بلوایا اور انہیں قائداعظمؒ کی آخری آرام گاہ کے لیے مناسب جگہ کا

بندوبست کر کے سیکرٹری خارجہ اکرام اللہ کو مطلع کرنے کی ہدایت دی تا کہ وہ غیر ملکی سفارت کاروں کو نماز جنازہ کی جگہ اور وقت کے بارے میں مطلع کر دیں۔ انہوں نے انہیں یہ بھی مشورہ دیا کہ وہ قائداعظمؒ کا جنازہ پڑھانے کے لئے ممتاز عالم دین علامہ شبیر احمد عثمانی سے درخواست کریں۔ [6]

یہ کراچی کے ایڈمنسٹریٹر کے کاندھوں کے اُوپر بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ اُن کے ذہن میں پرانی نمائش گاہ کا خیال موجود تھا۔ جہاں اُن کی تدفین کے بعد اُن کی شخصیت کے شایانِ شان مقبرہ بنایا جا سکتا تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس سے جنازہ گاہ کے راستے کا تعین اور سوگوار ہجوم کی دیکھ بھال بھی ایک بڑی ذمہ داری تھی۔ کیونکہ اس میں ملک کی اہم شخصیات کے علاوہ غیر ملکی سفارت کاروں نے بھی شرکت کرنی تھی اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ کوئی ملک دشمن تخریب کاری نہ کر دے۔

کراچی کے ایڈمنسٹریٹر کو بھی اوروں کی طرح یہ خبر نہیں ہوئی تھی کہ قائداعظمؒ کراچی تشریف لا چکے ہیں۔ اس نے تھوڑے سے مؤدبانہ شکوے کے ساتھ لیاقت علی خان سے کہا کہ اگر انہیں مطلع کر دیا جاتا تو وہ اپنے بھائی سیّد کاظم رضا (انسپکٹر جنرل پولیس) سے اُن کی مناسب سیکیورٹی کا بندوبست کرواتے۔ لیاقت علی خان نے انہیں بتایا کہ اُن کی آمد کا سوائے کرنل نولز کے کسی کو علم نہ تھا۔ اُن کی اور محترمہ فاطمہ جناح کی سختی سے ہدایت تھی کہ اُن کی آمد کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے۔ [7]

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی اکلوتی بیٹی دینا (Dina) بھی 12 ستمبر کو بمبئی سے کراچی پہنچیں۔ یہ کراچی میں اُن کی پہلی اور آخری آمد تھی۔ دینا نے اپنے باپ کی مرضی کے بغیر پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا سے شادی کی تھی۔ اس کا انہیں بہت دکھ تھا۔ اُنہوں نے ایک مسلمان باپ کی حیثیت سے انہیں غیر مذہب میں شادی سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اور جب اُنہوں نے ایک باپ کے تحکم سے انہیں کہا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکے ہیں، وہ جسے چاہیں اپنا شریکِ حیات چن لیں۔ اُن کی بیٹی بھی اُن کی طرح مدلل گفتگو کرنا جانتی تھی۔ اُس نے انہیں یہ کہہ کر لاجواب کر دیا تھا کہ ہندوستان میں لاکھوں مسلمان لڑکیاں تھیں،

اُنہوں نے اُن میں سے کسی ایک سے شادی کیوں نہ کی۔ [8] "اُن کا اشارہ اپنی والدہ کی جانب تھا جو پارسی نژاد تھیں اور اُنہوں نے غیر مذہب میں شادی کی تھی۔" وہ اُن کی شادی میں شریک نہ ہوئے اور اس شادی کے بعد باپ بیٹی کے تعلقات میں پہلی سی گرمجوشی نہ رہی۔ لیکن لاتعلقی قطعاً نہ تھی۔ اس کا ثبوت اُن کی وصیت تھی۔ جو انہوں نے اُن کی شادی (1938ء) کے بعد 30 مئی 1939ء میں مرتب کی تھی جس میں اُنہوں نے اپنی بیٹی کے نام دو لاکھ روپے کی خطیر رقم وصیت کی تھی۔

وصیت۔

اُنہوں نے اپنی وصیت میں مسٹر محمد علی چائے والا وکیل (بمبئی) اور نواب زادہ لیاقت علی خان کو عاملین وصیت مقرر کیا تھا۔ وصیت کی رو سے وہ تمام حصص، تمسکات اور حسابات جو محترمہ فاطمہ جناح کے نام تھے، انہی کے نام کر دیئے تھے۔ اِس کے علاوہ مالا بارہل بمبئی میں اپنا مکان اس کی تمام زمین، ملحقہ عمارتیں، تمام فرنیچر، چاندی کے ظروف اور موٹر کار سمیت محترمہ فاطمہ جناح کے نام کر دیا۔ اُنہوں نے عاملین وصیت کو یہ ہدایت کی کہ گزارے اور دیگر ضروریات کے لئے انہیں دو ہزار روپے ماہانہ ادا کئے جائیں اور انہوں نے اپنی بہن مریم، شیریں اور اپنے بھائی احمد علی کے لیے ایک ایک سو روپیہ ماہانہ تاحیات مقرر کیا اور اپنی بیٹی (دینا) کے لیے دو لاکھ روپے کی رقم مختص کی اور اُس کی آمدنی سے ایک ہزار مہینہ تاحیات مقرر کیا اور ان کی موت کی صورت میں ان کا حصہ ان کی اولاد میں تقسیم کرنے کی ہدایت کی۔ ایسی صورت میں کہ ان کی اولاد نہ ہو۔ وصیت کی کہ اس رقم کو باقی جائیداد قرار دے دیا جائے۔ تعلیمی اداروں میں سے اُنہوں نے پچیس ہزار روپیہ انجمن اسلام اسکول بمبئی، پچاس ہزار روپیہ بمبئی یونیورسٹی اور پچیس ہزار روپیہ اینگلو عربک کالج دہلی کے لیے مختص کیا۔

ان خصوصی رقوم کے بعد اُن کا جو بھی ترکہ یا جائیداد اس وقت موجود تھی یا آئندہ بنے اُس کے متعلق ہدایت کی کہ تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ سندھ مدرستہ الاسلام کراچی، ایک

حصہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ایک حصہ اسلامیہ کالج پشاور کو دیا جائے۔ 9

(قائداعظمؒ کی وفات کے بعد جب اُن کی جائیداد کی قیمت لگائی گئی تو تقریباً نوے لاکھ کی رقم تھی۔ چنانچہ ہر ادارے کے حصے میں تقریباً تیس لاکھ روپیہ آیا) 10

تحریک پاکستان کی بے پناہ مصروفیات نے قائداعظمؒ کو اپنی بیٹی سے دُور رکھا۔ دینا کی بھی اپنی خانگی مصروفیات تھیں۔ لیکن لگتا ہے کہ اُن کی ملاقاتیں رہتیں تھیں۔ باپ بیٹی کے درمیان خطوط کے رابطے موجود تھے۔ اپنے خطوط میں وہ اپنے باپ کی مختلف سیاسی کامیابیوں کو سراہتی اور اُن کی صحت کے بارے میں تشویش مند دکھائی دیتی ہیں۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے جب ہندوستان کی تقسیم کے اُصول کو تسلیم کیا تو دینا نے اپنے باپ کو مبارکباد کا خط لکھا۔ اُنہوں نے لکھا۔

> سب سے پہلے میں آپ کو ضرور مبارک باد دوں گی۔ ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے۔ یہ کہنا ہوگا کہ اُصول مان لیا گیا ہے۔ مجھے آپ پر بہت فخر اور ناز ہے۔ آپ نے اس کے لیے بہت محنت کی ہے۔ 11

اپنے اس خط میں وہ اُن سے توقع رکھ رہیں تھیں کہ جب وہ بمبئی آئیں گے تو وہ ایک دن کے لئے جو ہو (جہاں وہ بچوں کے ہمراہ ایک ماہ کے قیام کے لیے جا رہیں تھیں) بھی آئیں گے اور ایک دن اُن کے ساتھ گزاریں گے۔

اُن کا ایک اور خط 5 جون کا ہے جس میں اُنہوں نے اپنے باپ کی 3 جون والی تقریر کی تعریف کی۔ 3 جون 1947ء کو ہندوستان کے سرکردہ لیڈروں نے برطانوی سرکار کو تقسیم کے منصوبے کی باقاعدہ منظوری دی تھی۔ اِسی شام لارڈ ماؤنٹ بیٹن، پنڈت جواہر لال نہرو، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور سردار بلدیو سنگھ کی تقاریر ریڈیو پر نشر ہوئیں۔ پنڈت نہرو اور سردار بلدیو سنگھ کی تقاریر معذرت خواہانہ انداز لئے ہوئے تھیں۔ جبکہ قائداعظمؒ کی تقریر اُس کامیاب و کامران سیاستدان کی

تقریر تھی جو مشکل مرحلوں سے سرخرو ہو نکلا تھا۔ دینا نے یہ تقریر سُنی اور ایک بیٹی سے زیادہ ایک عقیدت مند کی طرح اُن کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھا۔

> آپ سب سے اچھا اور بہت برمحل بولے۔ اگرچہ آپ ہر وہ چیز حاصل نہ کر پائے جو آپ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے۔ اب کانگرس کو اپنا غرور چاٹنا ہوگا۔ ہندو پاکستان کو تسلیم کئے جانے اور دو علیحدہ مملکتوں کے قیام پر خوش نہیں ہیں۔ اب آپ کے سامنے سب سے بڑا مقصد پاکستان کو عمل میں لانے کا ہے۔ میں جانتی ہوں آپ کامیاب ہوں گے۔ 12

وہ اپنے بارے میں اُن کو بڑی تفصیل سے لکھا کرتیں تھیں۔ اُنہوں نے لکھا کہ وہ تیراکی کی وجہ سے گندمی رنگ کی ہوگئی ہیں۔ اُن کے خط کا اختتام پُرخوش پیار اور چاہت پر ہوا کرتا تھا۔

محترمہ فاطمہ جناح کی خواہش تھی کہ وہ اپنے بھائی کی آخری رسومات اپنے مسلک و عقیدہ کے مطابق ادا کریں۔ اس کے لئے انہوں نے اثنا عشری مسلک کے مولوی انیس الحسنین کو بلوایا۔ 13 بعد ازاں مولوی انیس الحسنین ہی نے اپنی نگرانی میں رات تین بجے اپنے ہی مسلک کے غسال شیخ ہدایت حسین المعروف حاجی کلو ولد عظیم اللہ سے رات تین بجے گورنر ہاؤس کے ایک غسل خانے میں قائداعظمؒ کی میت کو غسل دلوایا۔ جس کمرے میں اُن کی میت رکھی گئی، اُسی میں مولوی انیس الحسنین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس نماز جنازہ میں بمشکل نو یا دس افراد شریک تھے جن میں یوسف ہارون، ہاشم رضا، کاظم رضا، آفتاب حاتم علوی، حاجی کلو اور دوسرے غسال شامل تھے۔ کمرے سے باہر ملک کی نمایاں شخصیات سمیت وزیراعظم پاکستان لیاقت علی خان بھی موجود تھے۔ لیکن کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی کو بھی معلوم تھا کہ مولوی انیس الحسنین اثنا عشری مسلک سے نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں۔ اُنہوں نے بھی اس پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ 14

محترمہ فاطمہ جناح بھی جب فوت ہوئیں تو انہیں بھی اثنا عشری خواتین جن میں

"فاطمہ باجیو اور فاطمہ سیّد نمایاں تھیں" نے غسل دیا تھا اور اثنا عشری مولوی ابن حسن جارچوی نے نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ بعد میں اُن کا جنازہ پولو گراؤنڈ میں مفتی شفیع نے پڑھایا تھا۔ 15

اگلی صبح پاکستان کا جھنڈا ملک کی تمام عمارات پر سرنگوں تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس کے باہر ایک جم غفیر جمع تھا۔ گورنر جنرل ہاؤس کے دروازے رات ہی کھول دیئے گئے تھے۔ لوگ اپنے قائد، اپنے رہبر کا آخری دیدار کرنے ہجوم کی صورت میں آ رہے تھے۔ قائداعظمؒ کے جسد کا تابوت بڑے ہال میں رکھ دیا گیا۔ سفید کفن میں ملبوس جسم پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ چہرے پر ابدی سکون جھلکتا تھا۔ لاکھوں انسانوں نے دو دو چار چار کے دستوں سے گذرتے ہوئے اُن کے حضور آخری سلام پیش کیا۔ لوگوں کے چہرے رنج والم میں ڈوبے ہوئے تھے۔ نالہ شیون کے ساتھ صبح سے پچھلے پہر تک لوگ اپنے محبوب راہنما کے جسد کے پاس سے گذرتے رہے۔ قبر کی کھدائی کی ذمہ داری جناب یوسف ہارون کی تھی۔ 16 عبدالغنی نامی گورکن نے قبر کی کھدائی کی۔

(اسی گورکن کو لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور محترمہ فاطمہ جناح کی بھی قبریں تیار کرنے کا موقع ملا۔)

ریڈیو پاکستان سے قائداعظمؒ کے جنازے کے وقت اور تدفین کی جگہ کے بارے میں بار بار اعلان ہوتا رہا۔ سرکاری اعلان یوں تھا۔

> قائداعظمؒ کا جنازہ 12 ستمبر 1948ء کو تین بجے بعد از دوپہر فوجی اعزاز سے گورنمنٹ ہاؤس سے اُٹھایا جائے گا اور پانچ بجے نمائش گراؤنڈ میں جامع مسجد کے قریب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ جامع مسجد کے احاطے میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کو سپرد خاک کیا جائے گا۔ حکومت پاکستان مسلمانوں کو اپیل کرتی ہے کہ وہ جنازہ کے ہمراہ نظم و نسق کو قائم رکھیں اور صبر و تحمل سے کام لیں۔ 17

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ناگہانی وفات پر اب صبر کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن پاکستانی عوام کی ان سے محبت ایسی تھی کہ صبر کا کوئی یارہ نہ تھا۔ لوگ بدحال اور غم میں ڈوبے ہوئے سڑکوں پر نوحہ کناں تھے۔ اہلیان کراچی کی یہ خواہش تھی کہ وہ اب اپنے اس محسن کا آخری دیدار کر لیں۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس موقع پر کسی قسم کا نظم و نسق انہیں کسی ضابطے کا پابند کرے۔ گورنر جنرل ہاؤس کی کشادگی کم پڑ گئی۔ یہاں کسی اعلیٰ ادنی کی تمیز نہ رہی تھی۔ لوگ دھاڑیں مار کر رو رہے تھے۔ دوپہر کے قریب جنازہ اُٹھانے سے تھوڑی دیر قبل ایک ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا۔ ہوا یوں کہ گورنر جنرل ہاؤس کے قریب سنٹرل ہوٹل کی بلڈنگ تھی۔ چند نوجوان لڑکے ہوٹل کے لان سے گزر کر گورنر جنرل ہاؤس میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوٹل کے چوکیدار نے انہیں روکنے کی کوشش کی جس پر جھگڑا ہو گیا۔ لڑکوں نے طیش میں آ کر آگ لگا دی۔ تاہم فائر بریگیڈ والوں نے جلد ہی آگ پر قابو پا لیا۔ پولیس اور دیگر سرکاری ایجنسیاں اس دن کسی بھی غیر متوقع صورت حال سے نپٹنے کے لئے پوری طرح چوکس تھیں۔ 18

پروفیسر سیّد وقار عظیم قائداعظمؒ کے جنازے کے شاہد تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

شہر کی ساری دوکانیں بند ہو گئیں اور شہر کے ہر گوشے سے گورنر جنرل ہاؤس کی طرف جانے والی سڑکوں پر لوگوں کی قطاریں نظر آنے لگیں۔ ان قطاروں میں بے جان، بے سکت بوڑھے بھی تھے اور کمزور اور ناتواں عورتیں بھی۔ ان میں سے ہر ایک اپنے محبوب قائد کی یاد پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتا اس کے آخری دیدار کے اشتیاق میں اس طرف جا رہا تھا۔ جہاں انہیں آزادی دلانے والا اُن کے حال سے بے خبر ابدی سکون کی نیند سو رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں یہ قطاریں ہجوم میں بدل گئیں اور رفتہ رفتہ ہجوم ایک سیلاب میں بدل گیا۔ جسے کسی کی یاد کی کشش اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے گورنمنٹ ہاؤس کے وسیع و عریض میدانوں کے چپہ چپہ پر اس کے صدر دروازے کے سامنے کی سڑک پر آدمی ہی آدمی اکٹھے ہو گئے۔ گورنمنٹ ہاؤس میں موٹروں اور گاڑیوں کا تانتا بندھ گیا۔ پاکستان کی مرکزی حکومت کے وزیر، غیر ملکی حکومتوں کے سفیر،

شہر کے شریف وامیر سب یکے بعد دیگرے آ رہے تھے۔ اور پاکستان کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت کی خدمت میں اپنے غم کا خراج پیش کر رہے تھے۔ باہر کھڑے ہوئے تقریباً دو لاکھ عقیدت مندوں میں سے ہر ایک قائداعظمؒ مرحوم کا آخری دیدار کرنے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ اس کا انتظام کیا گیا۔ قائداعظمؒ کے محبوب جسم کو گورنر جنرل ہاؤس کے صدر ہال میں رکھ دیا گیا اور لوگوں کو اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ قطار در قطار اس کے قریب سے گذر کر آخری دیدار کی حسرت پوری کرلیں۔ لوگ ہال میں داخل ہوئے اور ایک کے پیچھے ایک میت کے قریب سے گزرنے لگے۔ میت کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور اس کے سکون اور نور کو دیکھ کر صرف یہ خیال ہو سکتا تھا کہ قوم کے غم میں زندہ رہنے والا، کام کرتے کرتے تھک کر سو گیا ہے۔ نیند بھر جائے گی تو اُٹھے گا اور پھر اپنے کاموں میں لگ جائے گا۔ کتنی قابل رشک تھی یہ موت۔

دیکھنے والے پورے دو گھنٹے تک اسی طرح گزرتے رہے۔ آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتے رہے۔ دوسروں کے لیے جگہ خالی کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے۔ حکومت کے وہ وزیر جو 13 مہینے تک حکومت کا بھاری بوجھ اُٹھانے میں اپنے راہنما کے شریک رہے تھے، اِدھر اُدھر کھڑے یہ غم ناک منظر دیکھ رہے تھے اور بغیر اس لحاظ کہ گزرنے والے انہیں اشک بار دیکھ کر کیا کہیں گے، رو رہے تھے۔ اس لیے کہ سوائے رونے کے اس وقت اور کوئی چارہ نہ تھا۔

میت کے جلوس کی روانگی کے لیے 3 بجے دن کا وقت مقرر کیا گیا تھا۔ 3 بجے سے کچھ پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان، سر محمد ظفر اللہ خاں، سردار عبدالرب نشتر، آنریبل جوگندر ناتھ منڈل، پیرزادہ عبدالستار اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے جنازہ کو صدر ہال سے اُٹھا کر اپنے کاندھوں پر رکھا اور ہر زبان نے کلمہ طیبہ کا ورد شروع کر دیا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے اور محمدؐ اسکے رسول ہیں۔) صلی اللہ علیہ وسلم

قوم کے اکابر جب اس امانت کو اپنے کاندھوں پر رکھے ہوئے باہر نکلے تو باہر کھڑے ہوئے ہزاروں انسانوں کو ضبط کا یارا نہ رہا۔ اور ہر ایک بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگا۔

جنازہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازے تک پہنچا۔ سرکاری رسوم کو پورا کرنے کی خاطر جنازے کو توپ کے اوپر رکھ دیا گیا۔ اور دو تین لاکھ آوازوں نے پوری قوت سے "قائداعظمؒ زندہ باد" کا نعرہ لگایا۔ سچ مچ قائداعظمؒ مرے نہیں، وہ زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ان کی چھوڑی ہوئی یادگار سدا اُن کا نام زندہ رکھے گی۔ پاکستان زندہ باد! قائداعظمؒ زندہ باد!

جنازہ توپ پر رکھا جا چکا تو پاکستان کی بحریہ کے سفید پوش سپاہیوں نے آہستہ آہستہ اسے آگے بڑھانا شروع کیا۔ جنازے کے آگے سب سے پہلے وردیوں میں پولیس کے پچاس سپاہی تھے۔ ان کے پیچھے بحریہ کے پچاس جوان اور اس کے بعد علی الترتیب بری اور ہوائی فوجوں کے پچاس سپاہی اور اس کے پیچھے گورنر جنرل کے باڈی گارڈ کے سواروں کا دستہ، جنازے کے دائیں بائیں حکومت کے وزراء اس کے پیچھے قائداعظمؒ مرحوم کی دل شکستہ بہن، محترمہ فاطمہ جناح اور مرحوم کی صاحبزادی مسز وادیا (دینا) کی موٹر۔ اس کے بعد کی موٹر میں بیگم ہدایت اللہ اور اُن کے پیچھے دو لاکھ آدمیوں کا ہجوم، یہ سارا جلوس بڑی خاموشی سے سوا تین بجے کے قریب گورنر جنرل ہاؤس کے صدر دروازہ سے روانہ ہوا۔ وکٹوریہ روڈ، الفنسٹن اسٹریٹ، گارڈن روڈ اور بندر روڈ ہوتا ہوا نمائش کے میدان میں پہنچا۔ کوئی ڈھائی میل کے اس راستہ کے دونوں طرف سڑکوں پر، بالا خانوں کی کھڑکیوں اور چھتوں پر اور درختوں پر لاکھوں آدمی اپنے مرحوم و مغفور راہنما کا آخری دیدار کرنے اور اس کے محبوب جسم کو آخری سلام کرنے کے لیے گھنٹوں پہلے اکٹھے ہو گئے تھے۔ دو لاکھ آدمیوں کا یہ ماتمی اور سوگوار جلوس جن جن سڑکوں سے گذرتا جاتا، سڑکوں کے کناروں پر کھڑے ہوئے لوگ اِس جلوس کے پیچھے شریک ہوتے جاتے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دو لاکھ آدمی چار لاکھ ہو گئے۔ ان چار لاکھ سوگواروں میں ہر عمر، ہر جنس، ہر طبقہ اور ہر ملت کے لوگ شامل تھے۔ عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، غریب سے غریب اور امیر سے امیر، مسلمان، ہندو، یہودی، عیسائی اور پارسی سب کے دل قوم کے اس عظیم غم کو اپنا غم سمجھ رہے تھے۔ ہر دل سوگوار تھا اور ہر آنکھ اشکبار

تھی اور اُن کا محبوب دلوں کی کیفیت سے بے خبر اپنے گہوارہ میں پڑا سو رہا تھا اور اس کا یہ شاندار جلوس اسے اس کی آرام گاہ کی طرف لے جا رہا تھا۔ ساڑھے چار بجے جلوس نمائش کے میدان میں پہنچا اور یہاں سے دو حصوں میں بٹ گیا۔ آگے آگے چلنے والے سپاہیوں اور فوجیوں کے دستے اور گورنر جنرل باڈی گارڈ کے سوار قوم کی قیمتی دولت انہیں سونپ کر آگے بڑھ گئے اور جنازہ داہنی طرف مڑ کر نمائش کے میدان میں پہنچ گیا۔ جہاں ایک لاکھ آدمی پہلے سے اپنے محبوب قائد کے آخری استقبال کے لیے جمع تھے۔ ایک لاکھ کے اس ہجوم نے جنازہ دیکھتے ہی اللہ اکبر کا فلک شگاف نعرہ لگایا اور کانوں میں اس روح کو گرما دینے والے نعرہ کے ساتھ دل ہلا دینے والی چیخیں بھی سنیں۔ لوگوں کے دل کسی طرح یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ قائداعظمؒ اُن سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئے ہیں۔

جنازہ لا کر بانس اور کاغذ کے بنے ہوئے سیاہ مینار کے برابر سیمنٹ کے چبوترے پر رکھ دیا گیا اور اعلان ہوا کہ پندرہ منٹ بعد نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ اس اعلان پر 5 لاکھ آدمیوں نے صف بندی شروع کی اور دیکھتے دیکھتے انسانوں کا یہ سیلاب جنازے کے دائیں بائیں اور بہت دُور پیچھے تک باقاعدہ صفوں میں تبدیل ہو گیا۔

اگلی صفوں میں حکومت پاکستان، سندھ، پنجاب اور بنگال کی حکومتوں کے وزیر اور اسلامی ممالک کے سفیروں اور نمائندوں کے علاوہ بھی جسے جگہ ملی وہ بلا امتیاز صف میں شامل ہو گیا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے بعد ایک تقریر فرمائی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

> '' قائداعظمؒ رحلت فرما گئے لیکن جس قوم کو اُن کی ذات نے منظم و مرتب کیا وہ زندہ ہے اور انشاء اللہ اسی طرح زندہ رہے گی اور عزت کے ساتھ اپنی قوت اور مرتبے میں اضافہ کرے گی۔ ہماری قوم کے مستقبل کا انحصار اتحاد اور تنظیم پر ہے۔ ''

مولانا کی تقریر ختم ہوئی تو لوگ جنازے کو مدفن کی طرف لے چلے۔ وہ جگہ وہاں سے کوئی ایک فرلانگ آگے اس اُونچے ٹیلے پر تھی۔ جو قائداعظمؒ نے کراچی کی جامع مسجد کے لئے منتخب فرمائی تھی۔ جنازہ آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ اس کے دائیں بائیں پاکستان کی بحری، بری اور ہوائی فوجوں کے اعلیٰ افسر تھے اور پیچھے پیچھے وزیراعظم لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، آنریبل جوگندر ناتھ منڈل، خواجہ ناظم الدین، پیر الٰہی بخش اور میراں محمد شاہ وزرائے سندھ کے علاوہ عراق، افغانستان، برما اور انڈونیشیا کے سفیر تھے اور سب باری باری جنازے کو کاندھا دے رہے تھے۔ وزیروں اور امیروں کے کاندھوں پر جنازہ مدفن کے قریب پہنچا اور اُتار کر زمین پر رکھ دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد قبر تیار ہو گئی اور 6 بج کر 24 منٹ پر جناب لیاقت علی خان، سر ظفر اللہ خان، سردار عبدالرب نشتر، پیر الٰہی بخش اور سیٹھ یوسف ہارون نے اپنے مرحوم راہنما کو قبر میں اُتار کر آخری خدمت سرانجام دی۔ [19]

ریڈیو پاکستان کراچی نے قائداعظمؒ کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال پورے ملک میں نشر کرنے کا خصوصی طور پر اہتمام کیا تھا۔ وسائل کی کمی کے باوجود یہ بڑی کامیاب کوشش تھی۔ تین مختلف جگہوں پر مائیکروفون نصب کیے گئے تھے۔ پہلا گورنر جنرل ہاؤس کے باہر دوسرا ریڈیو پاکستان ہیڈ کوارٹر میں، تیسرا نمائش کے میدان میں (یہاں قائداعظمؒ کو سپرد خاک کرنا تھا)۔ لاہور اور پشاور کے لیے خصوصی ٹیلیفون کی لائنیں لی گئیں۔ گورنر جنرل ہاؤس سے جنازے کا رواں تبصرہ ذوالفقار بخاری نے پیش کیا۔ ریڈیو ہیڈ کوارٹر سے جناب وقار عظیم اور صدیق احمد صدیقی نے جنازے اور لوگوں کے جذبات کا نقشہ کھینچا۔ نمائش کے میدان سے تینوں یعنی ذوالفقار بخاری، وقار عظیم اور صدیق احمد صدیقی نے آنکھوں دیکھا حال نشر کیا۔ یوں ریڈیو کی بدولت پورا پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے جنازے میں بالواسطہ شریک تھا۔ [20]

قائداعظمؒ کی ناگہانی موت پاکستانی قوم کے لیے بہت بڑا صدمہ تھا۔ لوگ ذہنی طور پر اسکے لیے تیار نہ تھے۔ انہیں اُن کی بیماری سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ اُن کے لیے یہ اچانک سانحہ تھا۔

یہ انتہائی مشکل گھڑی تھی لوگوں کا عزم بکھر سکتا تھا۔ وہ سب فردِ واحد کی قیادت میں آگ وخون کا دریا پار کر کے آئے تھے۔ اُن کی اچانک موت سے اُن کا جذبہ سرد ہو سکتا تھا۔ لیاقت علی خان کو انہیں اس موقع پر دلاسہ دینا تھا۔ اپنے خلوص اور نیک نیتی سے انہیں مایوسی کے حصار سے نکالنا تھا اور از سرِ نو ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے تیار کرنا تھا۔ انہوں نے اسی شام قوم کے ساتھ دکھ بانٹتے ہوئے کہا۔

> ہماری ملت کے رہبر ہماری مملکت کے سردار اور پاکستان کے معمار آج ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ ہمارے محترم اور محبوب قائد اعظمؒ ملت اسلامیہ کو داغ مفارقت دے گئے ہیں " انا للہ وانا الیہ راجعون " خدا تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ اس وقت پاکستان بلکہ دُنیا کے مسلمانوں کو قائداعظمؒ کی رہبری اور دانش کی ضرورت تھی۔ لیکن وہ ہم سے علیحدہ ہو گئے۔
>
> قدرتی بات ہے کہ یہ صدمہ ہم پر انتہائی غم طاری کر دے۔ لیکن اس رنج و الم کی گھڑی میں ہر پاکستانی سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اس درد سے متاثر ہو کر اپنے اوپر مایوسی کو مسلط نہ ہونے دے۔ بلکہ اپنے دل کو مضبوط اور اپنے ارادے کو مستحکم کر کے اپنی زندگی کو پاکستان کی خدمت کے لئے وقف کر دے۔
>
> مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ تاریخ قائداعظمؒ کا شمار دُنیا کی عظیم ترین ہستیوں میں کرے گی۔ دُنیا میں کم آدمیوں کو یہ نصیب ہوا ہے کہ وہ ایک عظیم الشان کام کو اپنے ہاتھ لیں۔ اور اپنی ہمت، عزم اور دانش سے اس کو اپنی زندگی میں بھی پروان چڑھتے دیکھیں۔ قائداعظمؒ نے نہ صرف پاکستان کا نصب العین مسلمانوں

> کے سامنے پیش کیا بلکہ اس کے لیے جدوجہد کر کے دُنیا میں سب سے بڑی اسلامی ریاست قائم کر دی۔ قائداعظمؒ ان برگزیدہ ہستیوں میں سے تھے جو دُنیا میں کبھی کبھی پیدا ہوتی ہیں۔ اپنی تمام زندگی میں انہیں ملت اسلامیہ کی بہبودی منظور تھی۔ اور وہ اس کے لیے کوشاں رہے۔
>
> قائداعظمؒ کی رہنمائی سے پہلے بھی مسلمان اپنی خامیوں سے خوب واقف تھے اور وہ یہ چاہتے تھے کہ جس انحطاط کو وہ پہنچ چکے ہیں اس سے نکل کر ترقی کی راہ پر گامزن ہوں لیکن وہ واضح طور پر نہیں جانتے تھے کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔
>
> چنانچہ انہوں نے جتنی جدوجہد اور جو قربانیاں کیں وہ بااثر ثابت ہوئیں لیکن اس حد تک نہیں کہ وہ اپنے مقصد کو پالیں۔
>
> قائداعظمؒ نے اپنی جہاں بیں اور دوررس نظروں سے دیکھ لیا کہ جب تک قوم کے سامنے منزل مقصود واضح طور پر نہ رکھ دی جائے اور جب تک انہیں ایک مرکز پر اور ایک ہی پرچم کے نیچے جمع نہ کیا جائے کسی چیز کے حصول کی اُمید بے کار ہے۔ قائداعظمؒ اس عظیم الشان کام کو سرانجام دینے کے لیے کئی خداداد قوتیں رکھتے تھے۔ اوّل تو ان میں ایک ایسا تخیل اور سیاست پر ایک ایسا عبور تھا جو باریک بیں ہونے کے باوجود گزشتہ اور آئندہ پر ایک ہی حیثیت میں حاوی ہو جاتا تھا۔ مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لینے کے بعد انہیں اچھی طرح سے معلوم ہو گیا تھا کہ ہماری منزل کونسی ہے؟ اور ہمارا نصب العین کیا ہے؟

اس کے ساتھ ہی اُن کو خدا نے ایک ایسا آہنی عزم عطا کیا تھا جو کسی مشکل یا رکاوٹ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں اور قوم کو آگے لیے چلا جاتا تھا۔ وہ اپنے ارادے پر ایسے ہی مستقل مزاجی سے قائم رہتے تھے جو ہر مسلمان کے دل میں جوش اور نفرت کے جذبات کو اُبھارتا تھا۔ اُن کی قیادت میں ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ کوئی مشکل ایسی نہیں جس پر ملّت قابو نہ پا سکے۔

اس فہم اور سیاست، اس عزم اور ارادوں کے ساتھ ساتھ قائد اعظمؒ میں یہ خوبی بھی تھی کہ وہ دن رات کام کر سکتے تھے اور کوئی فروعی چیز اُن کی توجہ مبذول نہیں کرا سکتی تھی۔ قائد اعظمؒ ابوالعزمی سے آخر تک دن رات ملت کے لیے کام کرتے رہے، وہ ملت اسلامیہ کے لیے ہمیشہ ایک مثال کا کام دے گی اور ہر فرد کے لیے مشعل ہدایت بنے گی۔ قائد اعظمؒ کی ذات کے ہی کمالات تھے جنہوں نے ملت اسلامیہ میں ایک نئی روح پھونک دی۔ اور ہر مرد، عورت اور بچے کے دل میں پاکستان کے حصول کے لیے ایک گہرا جوش پیدا کر دیا۔ اس جوش سے متاثر ہو کر مسلمانوں نے ایسی قربانیاں کیں جن کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔ اور پاکستان کو حاصل کیا۔ اب جب قائد اعظمؒ ہم میں نہیں ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ راستے پر اس صراطِ مستقیم پر چلیں جو وہ دل میں رکھا گئے ہیں۔ تا کہ ایک دن اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکیں۔ جو لوگ ہمت اور ابوالعزمی سے کام لیتے ہیں خدا کی مدد ہمیشہ اُن کے شاملِ حال رہتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ جس عظیم الشان عمارت کی بنیاد قائد اعظمؒ نے

اُخوت، برابری اور آزادی کے اسلامی اُصولوں پر رکھی ہے اس کو ہم آسمان تک لے جائیں۔ نہ صرف پاکستان قائم کرنے میں ہمیں بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا بلکہ اس کے قیام کے بعد ایک کے بعد دوسری مصیبت کا زیر بار ہونا پڑ رہا ہے۔ بلکہ تمام عالم کے مسلمان مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔

اس وقت ہمیں قائد اعظمؒ کی راہبری کی بہت ضرورت تھی کہ ان کی فراست، اُن کا تجربہ، اُن کا عزم قدم قدم پر ہمارے ساتھ ہوتا۔ لیکن اس صدمے سے ہمیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو قائد اعظمؒ چاہتے تھے یعنی پاکستان کی حفاظت اور ترقی کے لیے دن رات کوشش اور محنت۔ آج ہم پر فرض ہے کہ اپنے تمام تفرقے مٹا کر ایک ہو جائیں اور اپنی جانیں پاکستان کے لیے وقف کر دیں۔ میں اور حکومت کے دوسرے وزراء نے آج پھر اپنی زندگیوں کو پاکستان کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ہمت اور عزم کے ساتھ اس کام کو جاری رکھیں گے جس کے لیے قائد اعظمؒ نے پاکستان کے قیام کے بعد اپنی زندگی کو وقف کر دیا۔

قوم کو قائد اعظمؒ کی وفات سے جو صدمہ پہنچا ہے اور جو رنج سب پر طاری ہے اس کا میں خوب اندازہ کر سکتا ہوں۔ لیکن خود مجھے جو صدمہ ہوا ہے اور میں جس کرب میں مبتلا ہوں اس کا پورا اندازہ شاید اور کوئی نہیں کر سکتا۔ پچھلے بارہ سال سے جب کہ مسلم لیگ کا نیا دور شروع ہوا ہے۔ مجھے قائد اعظمؒ کا رفیق کار ہونے کا فخر

حاصل ہے۔ ہمیں نشیب و فراز سے گزرنا پڑا اور کئی طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس رفاقت کے عرصہ میں جو التفات وہ مجھ سے برتتے تھے اور جس اعتماد کا ہمیشہ اظہار کرتے تھے اس کی یاد میری زندگی کا بہترین خزانہ ہے۔ قائداعظمؒ کی وفات سے میں اپنی زندگی میں ایک بڑی کمی کا احساس کرتا ہوں۔ لیکن اس فانی دُنیا میں بسنا صرف اللہ ہی کو ہے اور ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ تمام فروعی اور غیر ضروری چیزیں جو اُسے سیدھے راستے سے بھٹکا سکتی ہیں یا جو اُس کی توجہ اور انہماک کو مٹا سکتی ہیں، نظر انداز کر دے تا کہ ایسا نہ ہو کہ ہمارے بدخواہ یہ کہہ سکیں کہ ہم اس قابل نہ تھے کہ قائداعظمؒ ہمارے لیے اتنی قربانیاں کرتے۔

اپنے محبوب اور محترم قائداعظمؒ کے لیے اپنی عقیدت اور محبت کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں کہ ہم اس نصب العین کو ایک لمحہ کے لیے بھی نظر انداز نہ کریں۔ جو قائداعظمؒ نے ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اور پاکستان کو ایسی شاندار مملکت بنا دیں جیسی کہ وہ چاہتے تھے۔ قائداعظمؒ کی شخصیت ہمارے قومی استقلال کا بہترین مظہر تھی اور اسی قومی استقلال کے زیر اثر جو تعمیری کام حکومت پاکستان یا پاکستان کے افراد کریں گے، وہ قوم کی طرف سے ہمارے محبوب راہنما کی یادگار ہوگا۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہ جان لینا چاہیے کہ آج ملت پر امتحان کا وقت ہے اور یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ یہ امتحان نہایت کڑا ہے۔

اس امتحان میں ہم ایسی حالت میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک جان و مال سے دریغ نہ کرتے ہوئے پاکستان کے تحفظ کے لیے اپنی انتہائی کوشش کرے۔ ہم اس امتحان میں ناکام نہیں رہ سکتے کیونکہ اس کے نتائج بہت ہولناک ہوں گے۔ اِس کے علاوہ ہماری کامیابی تمام اسلامی دُنیا کے لیے اشد ضروری ہے۔

اپنی غم زدہ ملت کے نام میرا یہی پیغام ہے اور میں سب سے پھر درخواست کرتا ہوں کہ وہ مایوسی کو اپنے اوپر مسلط نہ ہونے دیں اور اپنی کوشش کو دوگنا کر کے ایک عظیم الشان اور شاندار پاکستان کے اس خواب کو جو قائداعظمؒ نے دیکھا ہے، حقیقت میں بدل دیں۔ 21

محترمہ فاطمہ جناح (1967ء-1893ء) قائداعظم محمد علی جناحؒ کی محبوب بہن تھیں۔ وہ اُن کے ساتھ زندگی کی آخری سانسوں تک رہیں تھیں۔ تحریکِ پاکستان میں ہمیشہ اپنے بھائی کو حوصلہ اور توانائی فراہم کرتی رہیں تھیں۔ قائد کی قوم کے غم کو وہ بہت بہتر جانتیں اور سمجھتیں تھیں۔ اُنہوں نے 28 ستمبر کو اپنی ایک نشری تقریر میں غم زدہ قوم کو حوصلہ اور ہمت کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

> برادرِ ملت کی وفات سے نہ صرف مجھ پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا بلکہ قوم کو بھی نقصان پہنچا۔ اس زبردست المناک حادثہ پر قوم نے جس خلوص سے اظہارِ ہمدردی کیا ہے اس کے پیشِ نظر میں نے ضروری سمجھا کہ میں قوم سے مخاطب ہو کر تہہ دل سے اُن کا شکریہ ادا کروں۔ ہر مرد، ہر عورت، ہر بچے کے دل سے ہمدردی کے جو کلمات نکلے ہیں، اُنہوں نے مجھے سراپا تشکر بنا دیا ہے۔ دُور دراز

ممالک سے کیا اعلیٰ، کیا ادنیٰ، کیا امیر، کیا غریب ہر طبقے کے لوگوں نے ہمدردی کے پیغامات بھیجے ہیں۔ میں خاص طور پر اُن بے شمار عوام کی شکر گزار ہوں جن کے آنسو ابھی تک خشک نہیں ہوئے اور جنہوں نے انفرادی طور پر نہیں بلکہ اجتماعی طور پر اپنے دلی رنج والم کا اظہار کیا۔ انہی کی ہمدردی نے غم کی اس تاریک ساعت میں میرا بارِ گراں ہلکا کر دیا۔ رضائے الٰہی یہ نہ تھی کہ قیامِ پاکستان کے بعد قائداعظمؒ کا سایہ ایک سال سے زیادہ ہمارے سروں پر رہتا۔ تاہم پاکستان کی بنیادیں اس طرح اُستوار ہو چکی ہیں کہ دُنیا کی کوئی طاقت انہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔ میں آپ کو قائداعظمؒ کا وہ آخری پیغام یاد دلانا چاہتی ہوں جو انہوں نے جشنِ استقلال کے موقع پر آپ کو بھیجا تھا اور جس میں اُنہوں نے کہا تھا کہ

"فطرت نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ کے وسائل غیر محدود ہیں۔ پاکستان کی بنیادیں مستحکم ہو چکی ہیں۔ اب تعمیر آپ کے ہاتھ میں ہے۔ قدم بڑھاتے چلیے اور اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔"

وقت کے تقاضے فوری اور اہم ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ پاکستان کو صنعتی اور اقتصادی اعتبار سے زیادہ سے زیادہ مضبوط بنائیں۔ پاکستان ابھی عہدِ طفلی میں ہے لیکن یہ ہمیں بانی و معمار اعظم کی جانب سے بطور ورثہ اور امانت ملا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اِسے اسلامی عظمت اور روایات کے شایانِ شان بنائیں گے۔ اور اُن کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھنے کے لیے پائندہ یادگار قائم

کریں گے۔ اور اُن کی زندگی ہمیشہ مشعلِ راہ کا کام دیتی رہے گی۔ میری خدمات اب بھی قوم کی خدمت کے لیے اسی طرح وقف ہیں جس طرح پہلے تھیں۔

میری کوشش یہی رہے گی کہ پاکستان کی تعمیر کا وہ مقصد ہمیشہ اپنے سامنے رکھوں جو میرے بھائی کو اس قدر عزیز تھا اور مجھے اُمید ہے کہ آپ سب میری اس کوشش میں میرے مددگار اور معاون ہوں گے۔ [22]

مرزا ابوالحسن اصفہانی (1902ء۔1981ء) قائداعظمؒ کے دیرینہ دوستوں میں سے تھے۔ اُن کی قائداعظمؒ سے 1936ء سے لیکر 1948ء تک خط و کتابت رہی۔ [23] یہ قائداعظمؒ کی سب سے طویل خط و کتابت تھی۔ وہ اُن کی وفات کے وقت امریکہ میں پاکستان کے سفیر تھے۔ قائداعظمؒ نے اپنی زندگی کا آخری خط کوئٹہ سے مرزا ابوالحسن اصفہانی ہی کو لکھا تھا۔ جو اُن کی وفات کے دو دن بعد انہیں موصول ہوا۔ اس میں اُنہوں نے اپنے دوست کو تسلی دی تھی کہ وہ بہت بہتر ہیں اور فکر کی کوئی بات نہیں۔ اُنہوں نے لکھا تھا۔

آپ کے خط کا بہت شکریہ۔ جس میں آپ نے میری صحت کے بارے میں فکرمندی ظاہر کی تھی۔

ابھی میری کراچی کو واپسی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی ہے اور آپ اس خیال سے متفکر نہ ہوں کہ میں اپنی واپسی میں تعجیل کروں گا۔ علاوہ ازیں ڈاکٹر بھی مجھے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے ہیں۔

آپ کی توجہ اور خیال کا بہت بہت شکریہ۔ کوئی فکر کی بات نہیں۔ [24]

قائداعظمؒ کی مرزا ابوالحسن اصفہانی کے ساتھ خط و کتابت میں یہ سب سے مختصر خط تھا۔

اس سے قبل ماہ جولائی کے اواخر میں جب وہ زیارت سے مل کر رخصت ہوئے تو اُنہوں نے قائد اعظمؒ کو انتہائی جذباتی کیفیت میں دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں۔

> انہیں ایک سخت دل اور سرد مہر آدمی سمجھا جاتا تھا۔ میں نے پہلی مرتبہ اُن کے آنسو دیکھے تھے جو اُن کے نحیف و لاغر رخساروں پر بہہ کر نیچے گرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ اُن کی آنکھوں کی گہرائیوں سے دیکھے جاسکتے تھے۔ مجھے کراچی واپس جانا تھا اور کراچی سے اپنی جگہ واشنگٹن ہوائی جہاز سے پہنچنا تھا۔ میں نے انہیں آخری بار اس حالت مین دیکھا جب میں اُن کے سونے کے کمرے سے نکل رہا تھا تو وہ ہاتھ ہلا کر مجھے خدا حافظ کہہ رہے تھے۔ 25

مرزا ابوالحسن کی یادداشت میں آخری خدا حافظ نقش تھا۔ اُن کی موت کی خبر سے اُن کی آنکھوں میں اُن کی رفاقت کے 28 سال جگمگائے ہوں گے۔ اُنہوں نے اطلاع ملنے پر اپنے دیرینہ رفیق اور ساتھی لیاقت علی خان وزیر اعظم پاکستان کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے لکھا۔

> ہمارے بابائے ملت اب نہیں رہے وہ ہمیں ایسے وقت چھوڑ کر چلے گئے جب ہمیں ان کے تجربے اور ہمت افزائی کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مسلمانوں کی خاطر اُن کی جدوجہد اُن کی بے غرض خدمت جو انہیں اس قدر عزیز تھی اور جن کے لیے انہوں نے اپنی جان دے دی۔ سب مسلمانوں اور پاکستانیوں کے لیے سرچشمہ ہمت افزائی ہونا چاہیے۔ انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی میں ایک عظیم الشان عمارت کی پختہ بنیاد رکھ دی بلکہ وہ اتنی دیر بھی زندہ رہے کہ انہوں نے اسے مکمل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اب یہ ان کے پیروؤں کا کام ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں اُن کے اصولوں کی پیروی کریں۔ ہماری زندگی کی اس نازک گھڑی میں ہم سب کا فرض ہے کہ ہم مجتمع ہو کر پختگی عزم اور یکسوئی ارادہ سے اپنے ملک کو ایسا بنانے کی سعی کریں۔ جیسا کہ قائد اعظمؒ اُسے بنانا چاہتے تھے۔ اسی عزم سے اور وہی کرنے کی مسلسل کوشش سے جو ہمارے قائد اعظمؒ کرنا پسند کرتے ہیں۔ ہم اُن کی روح کو آرام وسکون پہنچا سکتے ہیں۔ میں آپ سے بخوبی واقف ہوں اور مجھے پورا اعتماد ہے۔ آپ اُس بلند حوصلگی کا ثبوت دیں گے جس کی آپ سے توقع ہے اور اپنے تجربے اور تربیت کی مدد سے ساری قوم کے سفینے کو اُن طوفانی سمندروں اور پوشیدہ خطروں سے بحفاظت گزار دیں گے جن سے آزادی کے بعد سے ہمیں واسطہ پڑ تا رہا ہے۔ 26

اُنہوں نے بڑا دل اور حوصلہ کر کے محترمہ جناح کو بھی ایک تعزیت نامہ لکھا۔ جس میں اُنہوں نے تسلی کے علاوہ قائد اعظمؒ کے لیے امریکہ سے ڈاکٹر بھجوانے کی کوششوں کا بھی ذکر کیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

> اپنے محبوب قائد اعظمؒ کی بے وقت موت کی اندوہناک خبر سننے کے بعد میں نے کئی مرتبہ آپ کو خط لکھنے کی کوشش کی لیکن ہر موقع پر مجھے اپنے رنج وغم کے اظہار کے لیے موزوں الفاظ نہ ملے۔ آپ بہ نسبت کسی اور کے اُس محبت اور عقیدت کو بہتر جانتی ہیں جو مجھے اُن سے تھی۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں انہیں اپنے باپ کی طرح سمجھتا تھا اور میں نے اُن کی خدمت، وفاداری، اپنی محبت اور اپنی زندگی تک پیش کر دی تھی۔ مس جناح آپ یقین مانیں کہ اُن کے انتقال نے ایک ایسا زخم پیچھے چھوڑ دیا ہے جو کبھی مندمل نہ ہوگا۔ میں انہیں عمر بھر

یاد رکھوں گا اور ہمیشہ اُن کی روح کے سکون و آرام کی دُعا کرتا رہوں گا۔ اُنہوں نے اللہ تعالیٰ کی دعوت کو ایسے وقت لبیک کہا ہے جب کہ ہمیں اُن کے پختہ تجربے، قابلیت، رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی۔ نہ صرف پاکستان بلکہ اسلامی اور عرب دُنیا بھی اُن کی رحلت پر رنج والم سے سوگ منا رہی ہے۔

امین (قائد اعظمؒ کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری) کے پریشان کن تار کے ملتے ہی میں نے انتہائی کوشش کی کہ امریکہ کے کسی چوٹی کے ماہر امراض سینہ کو پاکستان روانہ کردوں۔ میں بھاگا بھاگا نیویارک پہنچا تاکہ مسٹر گنز سے ذاتی طور پر اپیل کروں اور انہیں یہ ترغیب دوں کہ وہ براہ راست جہاز سے جو گذشتہ منگل کو روانہ ہونے کو تھا، چلے جائیں اور واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا۔ بیشتر اس کے کہ میں انہیں ذاتی طور پر ملتا، مسٹر گنز نے کہہ دیا کہ وہ آئندہ ہفتہ کے وسط سے پہلے امریکہ سے روانہ نہ ہوسکیں گے۔ مجھے اس کامیابی پر لوگوں نے واقعی مبارک باد دی۔ لیکن تقدیر یہ فیصلہ کرچکی تھی کہ آئندہ منگل سے بھی تین روز بیشتر جو کچھ ہونا تھا، ہوجائے۔

آپ کی اور پاکستان کے سات کروڑ یتیموں کی اس رنج والم کی گھڑی میں میں آپ کی خدمت میں اپنی پرخلوص تعزیت پیش کرتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ بہادری سے کام لیں اور اُن تصورات کے لیے مسلسل کام کرتی رہیں جن کے لیے اُنہوں نے اپنی زندگی بسر کی اور جان دی۔ مجھے یقین ہے کہ اُنہیں آپ

سے یہی توقع تھی اور اس کا بھی مکمل بھروسہ ہے کہ آپ اُن کی اس توقع کو ضرور پورا کریں گی۔

سوم کے روز یعنی کل ساڑھے دس بجے سفارت خانے میں میری قیام گاہ پر فاتحہ کی رسم منعقد ہوئی جو واشنگٹن میں اپنی نوعیت کی پہلی تھی۔ عملے کے ارکان، شہر کے مسلمان باشندے اور عرب اور دیگر مسلمان سفارتی نمائندے بڑی تعداد میں شریک ہوئے۔ کاروائی کا آغاز تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا اور آخر میں فاتحہ خوانی ہوئی۔ ہم یہاں چہلم کی رسم بھی ادا کریں گے۔ جس میں مسلمان اور غیر مسلمان دونوں شرکت کرسکیں گے۔

مجھے بے شمار اور پیغام موصول ہوچکے ہیں جو نہ صرف امریکہ سے بلکہ تمام مغربی ممالک سے آئے ہیں۔ مغربی ممالک کے ہر شہر اور قصبے میں پاکستانیوں نے فاتحہ اور تعزیت کی مجلسیں منعقد کی ہیں۔ قدرتی طور پر سفارت خانوں کے ارکان مجھ سے ملنے آئے تھے اور اب بھی آرہے ہیں۔ میں ایک دفعہ پھر خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو اس المناک حادثے کو صبر وسکون سے برداشت کرنے کی طاقت دے۔ خدا کرے ہمارے محبوب قائد اعظمؒ کی روح کو امن وچین نصیب ہو۔ آمین

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب ''جیسا میں اُنہیں جانتا ہوں'' میں ایک نوجوان طالب علم کا خط بھی شائع کیا ہے جو بعد میں ملک کا صدر اور وزیر اعظم بھی رہا۔ اس زمانے میں وہ یعنی ذوالفقار علی بھٹو (1979ء-1928ء) برکلے یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھے۔ یہ خط اس وقت کے مسلمان نوجوانوں کے جذبات وخیالات کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے۔ اُنہوں نے مرزا ابوالحسن

اصفہانی کو لکھا۔

میں اس خط کو اپنے رنج و غم کے مخلصانہ اور نا قابل بیان اظہار سے شروع کرتا ہوں۔ ہماری زندگی کے اس نازک مرحلے میں قسمت کے ناپاک ہاتھ نے ہم پر سخت ظلم کیا ہے۔ لیکن ہمیں مشیت ایزدی میں چون وچرا کرنے کا کیا حق ہے؟

یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ ہم اِس فیصلہ کن لمحے میں یتیم ہو گئے ہیں۔ جبکہ کسی اور قوت سے بڑھ کر ہمیں اپنے محبوب قائد اعظم کے بے پناہ لطف و کرم کی ضرورت تھی۔ ہماری بقاء کا انحصار زندگی کے انقلابات کے مقابلے کے لیے لامحدود عزم و ہمت فراہم کرنے پر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اُس ہمت افزا تربیت کی بدولت جسے ہمارے قائد نے ہماری رگوں میں پیوست کر دیا ہے ہم اُن سب روکاوٹوں کا سامنا کر سکتے ہیں جو ہمیں درپیش ہیں۔ ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے اور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ اگر چہ قائد اعظم اب ہمارے پاس موجود نہیں ہیں تاہم اُن کی پاکیزہ اور معصوم روح ہمارے دل و دماغ میں ہمیشہ تر و تازہ رہے گی۔ خدا اُن کی مقدس روح پر اپنا رحم و کرم کرے۔ اس قدر طویل اور تھکا دینے والے کام کے بعد آخر کار انہیں آرام و سکون حاصل ہو گیا ہے۔ اُن کی ساری زندگی اپنی قوم کی فلاح و بہبود اور آزادی کے لیے ایک جدوجہد تھی۔

جناب جو ذمہ داری آپ پر اور پاکستان کے دوسرے رہنماؤں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اب اور بڑھ گئی ہے۔ اور ہم سب کو یقین ہے کہ آپ اپنے فرض کو عزت اور کامیابی کے ساتھ انجام

دیں گے۔

آپ کا بہت مخلص

ذوالفقار علی بھٹو

قائد اعظمؒ کی وفات سے پورا پاکستان بے یقینی کا شکار تھا۔ پاکستان قائم ہوئے ابھی صرف تیرہ ماہ ہی ہوئے تھے، اسکو ایسی بنیادوں کی ضرورت تھی جن پر مستقبل کی ایک مضبوط عمارت کھڑی کی جا سکے۔ اُن کی وفات سے بنیاد اور عمارت دونوں کی سالمیت خطرے میں تھی۔ اُن ہی کی وجہ سے پانچ مختلف قومیں ایک مقصد یعنی پاکستان میں تحلیل ہوئیں تھیں۔ ابتداء ہی سے تقسیم اور صوبائیت کے جو مسائل تھے، اُن پر اُنہوں نے کمال دانشمندی اور فراست سے قابو پایا تھا۔ اُن کی بے وقت وفات سے یہ مسائل دوبارہ شدت سے سر اٹھا سکتے تھے۔ اخبارات کے اداریئے جو رائے عامہ کی نمائندگی کرتے ہیں، وہ اُن دنوں سوگ کے ساتھ ساتھ نامحسوس خدشات کا بھی حوالہ دے رہے تھے۔ 13 ستمبر کے روزنامہ زمیندار کی تحریر دیکھئے۔

میر کارواں کا آخری سفر

مت سہل اِسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

ہاتھ کانپ رہے ہیں، قلم لرز رہا ہے، آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور دل غم و اندوہ سے چور چور ہے۔ فضائیں اُداس، شہروں، قریوں، گھروں اور بازاروں میں افسردگی و خاموشی برس رہی ہے۔ اور ہر طرف اندوہ آگیں ماحول دیکھنے میں آ رہا ہے۔ آج دُنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت کے بانی، اسلام کے درخشندہ آفتاب، ملت اسلامیہ ہندیہ کے جانباز رہنما، قائد اعظم محمد علی جناحؒ ہم سے جُدا ہو گئے۔ آج پاکستان یتیم ہو گیا۔ اُس کا وہ سہارا نہ رہا

جس پر مسلمانوں کو ناز تھا۔ وہ آنکھ نہ رہی جو مسلمانوں کی خستہ حالی اور پراگندگی پر برسوں سے اشک بار تھی۔ وہ دل نہ رہا جو ملت کی سربلندی کیلئے تڑپتا تھا۔ آج ملت کا ہر فرد خوننابہ بار ہے۔ ہر آنکھ سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ ہر دل سے ہوک اُٹھ رہی ہے اور ہر لب پہ آہیں تڑپ رہی ہیں۔ آج ہمارا وہ قائداعظمؒ، وہ مجاہد کہ جس نے اقبال کے فلسفے کو اپنے عمل سے ایک حقیقت روشن بنا کر پیش کیا۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

موت کے بے مہر ہاتھوں نے ہم سے چھین لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اُس راہنما کو ہم سے جدا کر دیا جس کی فراست وسیاست نے ہر میدان میں دُشمنانِ ملت کی اجتماعی قوتوں، پُر فریب چالوں، خوفناک سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو شکست فاش دی۔ جس نے کانگریس اور برطانیہ کے ناپاک گٹھ جوڑ کے بخیے اُدھیڑ دیئے۔ جس نے نہرو کی طاغوتی گرج کا کہ

"ہندوستان میں صرف دو طاقتیں ہیں، دو قومیں ہیں ایک کانگریس اور دوسری برطانیہ۔ اگر انتقالِ اختیارات ہو سکتا ہے تو کانگریس کو سونپے جا سکتے ہیں۔"

خم ٹھونک کر مقابلہ کیا اور مالا بار ہل کے گوشہ نشین نے بانگ دہل نہ صرف پکارا بلکہ ثابت کر دیا کہ تم غلط کہتے ہو۔

"اس برعظیم ہندوستان میں ایک تیسری قوم بھی ہے اور وہ ہے مسلمان۔ جس کا اپنا تمدن، اپنی معاشرت اور اپنا نظام زندگی ہے۔ جس کی روایات شاندار ہیں اور جس کا ماضی درخشندہ ہے۔ جس نے ہندوستان میں ایک ہزار سال تک اناولا غیری کا ڈنکا بجایا

ہے۔ جس کی تہذیب وتمدن کے نشانات اِس برعظیم کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اِس عظیم روایات وتمدن کی حامل قوم کو آسانی سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔"

وہ آواز صوراسرافیل تھی جس نے ملت کی رگ وپے میں کہربائی لہر دوڑا دی۔ جس نے ملت کے منتشر اجزاء کو قلوب میں ایک مرکز پر جمع ہونے کا احساس پیدا کر دیا۔ وہ بوڑھا تھا، نحیف تھا، کمزور تھا۔ لیکن اپنے سینے میں فولادی قلب رکھتا تھا۔ اُس کے ارادے جوان تھے۔ وہ ملک کے طول وعرض میں پھر گیا تھا اور اُس نے مسلمان قوم کے پیروجواں، مردوزن کے دلوں کو آزادی کی تڑپ سے تڑپا دیا۔ ملت منتشر تھی اُس نے اِسے ایک مرکز پر جمع کیا اور ڈنکے کی چوٹ پر اعلان کیا کہ

"مسلمان ایک الگ قوم ہیں۔ جس کی روایات الگ ہیں۔ تمدن الگ ہے۔ تہذیب الگ ہے۔ نظام حیات اور طرز بودوباش الگ ہے اور ہر ایک قوم کے لیے ایک آزادانہ اور خودمختار ملک کا ہونا ضروری ہے۔ اِس بوڑھے جرنیل نے اعلان کیا کہ آزاد ہندوستان میں آزاد پاکستان قائم ہو کر رہے گا۔"

ملت اسلامیہ کے دُشمنوں نے شروع میں اُسے مجذوب کی بڑ قرار دیا لیکن آخر وہ نحیف آواز جو آج سے گیارہ سال پہلے بلند ہوئی تھی، جس کا ہمارے دُشمنوں اور برطانوی مدبروں نے مذاق اُڑایا، حقیقت بن گئی اور بوڑھے جرنیل کی اَن تھک کوششوں، دن رات کی کاوشوں سے پاکستان بن گیا۔ مسلمانوں کو آزاد مملکت مل گئی اور ایک صدی کے بعد مسلمانوں نے پھر آزادی کی سانس لی۔

آج قائداعظمؒ ناخدائے پاکستان ہم میں موجود نہیں لیکن اُن کی روح، اُن کا کام، اُن کے خیالات، اُن کے اقوال اور اُن کا غیرفانی عزم ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔

اِس وقت جب کہ ملت کو قائداعظمؒ کی رہنمائی کی اَشد ضرورت تھی خدا نے اُنہیں اپنے پاس بلا لیا۔ خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں۔ ہمیں صبر و تحمل، نظم و ضبط، بردباری اور ہوش مندی سے کام لیتے ہوئے اِس صدمہ عظیم کو برداشت کرنا چاہیے اور خدائے عزوجل کے حضور میں کھڑے ہو کر ہم میں سے ہر مسلمان، بچے، بوڑھے، جوان اور عورت کو عہد کرنا چاہیے کہ ہم قائد اعظمؒ کے نقش پر چلتے ہوئے پاکستان کے استحکام کیلئے جدو جہد کریں گے اور پاکستان کو دُنیا کی عظیم ترین مملکت بنانے میں تن من دھن سے مصروف عمل ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اِس قومی صدمے کو برداشت کرنے اور پاکستان کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی کرے۔ آمین

انا للہ وانا الیہ راجعون۔ 29

روزنامہ نوائے وقت تحریک پاکستان میں قائداعظم محمد علی جناحؒ کے شانہ بشانہ تھا۔ دو قومی نظریہ اور مسلم لیگ کے فروغ میں اُس کے کردار کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ تقسیم سے قبل پنجاب میں اور اُس سے ملحق مسلم اکثریتی صوبوں میں یہی اخبار مسلم لیگ کا واحد ترجمان اخبار تھا۔ قائد کی وفات کے بعد نظریاتی محاذ کی رکھوالی کیلئے اُس کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئیں تھیں۔ اُس کا 13 ستمبر 1948ء کا اداریہ قائداعظمؒ کی جدائی کا دُکھ یوں لکھ رہا تھا۔

قائداعظمؒ

عمر ھا در کعبہ و بُت خانہ می نالہ حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یہ بات ہر مسلمان کے دل میں ہے کہ اِس وقت جب کہ پاکستان اور ملت اسلامیہ ہر طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں ہمیں قائداعظمؒ کے تدبر اور راہنمائی کی بے حد ضرورت تھی اور اِسی نازک مرحلے پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں اپنے پاس بلا لیا۔ مگر ایک

طرف ایک عام مسلمان کے یہ دلی جذبات ہیں اور دوسری طرف اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ کوئی موت بے وقت نہیں ہوتی! خُدا اپنے بندے کو موت کا پیغام اُسی وقت بھیجتا ہے جب وہ اس دُنیائے فانی میں اپنا وقت پورا کر چکا ہو۔ اِس تاثر کو کوئی دلیل، کوئی ڈھارس دل آزردہ سے دور نہیں کر سکتی کہ قوم کو اِس وقت قائداعظمؒ کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مگر مسلمان کا اِس پر بھی ایمان محکم ہے کہ موت کا وقت ہر شخص کیلئے متعین ہے اور اِس میں ایک پل کے اِدھر اُدھر تبدیلی ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔

قائداعظمؒ کی وفات حسرت آیات صرف پاکستان کے مسلمانوں کے لئے ہی نہیں پورے عالم اسلام کے لئے ایک صدمہ جانکاہ ہے۔ قدرت کا قانون ہے کہ کسی انسان کو عالم خاکی میں عمر دوام نہیں بخشی جاسکتی اگر یہ اٹل قانون کسی استثناء کا روادار ہوتا تو حضورﷺ کیلئے مقرر ہوتی۔ حضورﷺ کی وفات کا بھی مسلمانوں کو اِس قدر صدمہ ہوا کہ اُن کے دل نہیں مانتے تھے کہ اللہ کا رسول بھی مر سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو فورغم سے بے حال تھے اور تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر اعلان کرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ محمدﷺ مر گئے ہیں، اُس کا سر تن سے اُڑا دوں گا۔ اُس وقت رسول کریمﷺ کے حبیب صدیقؓ اور یار غار ابو بکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اُنہوں نے ابن خطاب سے فرمایا، عمر! صبر و تحمل سے کام لو، پھر باآواز بلند فرمایا۔ اے ایمان والو! جو شخص محمدﷺ کی پرستش کرتا تھا وہ سُن لے کہ محمدﷺ آج انتقال فرما گئے، لیکن جو شخص اللہ کی

پرستش کرتا تھا وہ سُن لے کہ اللہ زندہ ہے اور اُسے موت نہیں۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ محمد ﷺ کے اُن غلاموں میں سے ہیں جنہوں نے اپنے خلوص اور عمل سے عاشقانِ نبی کی صف میں ایک ممتاز جگہ حاصل کر لی ہے۔ اِس صدی میں اُن سے بڑھ کر کسی نے اُمتِ محمدی ﷺ کی خدمت نہیں کی۔ یہ خدمت رسول پاک کی خدمت گنی جائے گی۔ ہم تو اِسے نبی اُمی ﷺ کا اعجاز سمجھتے ہیں کہ محمد ﷺ کا ایک غلام ہندوؤں اور انگریزوں کے مشترکہ محاذ کے خلاف تن تنہا اور بالکل بے سروسامانی کے ساتھ برسرِ پیکار رہا اور آخر کار اللہ نے اُسی کو فتح بخشی، تاریخ اُس کی مثال پیش نہیں کر سکتی کہ تنہا ایک بے یار و مددگار آدمی کی کوششوں سے ایک عظیم الشان مملکت سات سال کے قلیل عرصے میں معرضِ وجود میں آئے۔ یہ معجزہ مشیت ایزدی نے محمد ﷺ کے ایک غلام کی قسمت میں ہی لکھ رکھا تھا۔

قائداعظمؒ اور پاکستان لازم و ملزوم تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قائداعظمؒ نے اپنے وجود کو پاکستان کے وجود میں مدغم کر دیا تھا۔ سب کو معلوم ہے کہ مرحوم و مغفور کی صحت گذشتہ دو ماہ سے خراب تھی اور ڈاکٹروں نے اُنہیں کامل آرام کی تاکید کر رکھی تھی۔ طبی مشورے کے تحت ہی وہ پہلے زیارت میں اور اُس کے بعد کوئٹہ میں قیام فرما تھے۔ مگر پاکستان کے لئے محنت کا یہ عالم تھا کہ کوئٹہ سے ایک نامہ نگار حبیب الرحمٰن صاحب کا خط ہمیں 12 ستمبر کو موصول ہوا جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

"جناب قائداعظمؒ مدظلہٗ تعالیٰ بخیر و عافیت ہیں اور مملکت

پاکستان کے نظم و نسق کے متعلق چھ گھنٹے دفتر میں بیٹھ کر کام کرتے ہیں۔"

یہ خط 10 یا 11 ستمبر کو لکھا گیا ہوگا۔ نامہ نگار نے اُس دن ڈاک میں ڈالا جب قائداعظمؒ ابھی کوئٹہ میں تھے۔ مگر ہمارے دفتر میں ایسے وقت پہنچا کہ اُن کی وفات حسرت آیات کی خبر آٹھ گھنٹے پہلے موصول ہو چکی تھی۔ غور فرمائیے 71 برس کی عمر، مرض الموت لاحق، کمزوری کا یہ عالم کہ ڈاکٹر آرام کا مشورہ دے رہے ہیں، مگر فرض کا احساس اور استحکام پاکستان کی دُھن ہے کہ اِس حال میں بھی چھ گھنٹے روزانہ کام کرا رہی ہے۔

خدمت! بے غرض خدمت!! مسلسل خدمت!!!

یہی قائداعظمؒ کا پیغام ہے جو وہ قوم کے نام چھوڑ گئے ہیں۔ اُن کی روح زندہ ہے اور یہ دیکھ رہی ہے کہ قوم اُن کے اُس پیغام پر کس طرح لبیک کہتی ہے۔

محمد علی جناحؒ پاکستان مجسم تھے۔ اگر پاکستان زندہ ہے تو محمد علی جناحؒ زندہ ہیں۔ انشاء اللہ پاکستان ابدالآباد تک زندہ رہے گا اور محمد علی جناحؒ بھی ابدالآباد تک زندہ رہیں گے! دو سو سال بعد جب کسی کے لب پر پاکستان آئے گا تو اُس کا ذہن خود بخود محمد علی جناحؒ کی طرف لوٹ جائے گا۔

قائداعظمؒ زندہ جاوید ہستیوں میں سے ہیں۔ جنہیں موت کا بے رحم ہاتھ بھی نہیں مٹا سکتا۔

ثبت است برجریدہ عالم دوام ما!

اُن کا خاکی جسم آج ہمارے درمیان نہیں مگر یہ جو مشعل اُنہوں نے روشن کی ہے ،وہ صدیوں تک ہماری راہنمائی کرتی رہے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم چاروں طرف سے خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ مگر قائداعظمؒ کی موت ہمارے دلوں میں افسردگی و مایوسی کی بجائے ایک نیا عزم اور ایک نیا ولولہ اِن خطروں کے مقابلے کیلئے پیدا کرے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے مگر قائداعظمؒ کی زندگی سے ہمیں روشنی ملے گی۔ اُنہوں نے حق کی شمع کو ایسے ہی وقت بلند کیا تھا جب چاروں طرف اُس سے بھی زیادہ گھٹاٹوپ اندھیرا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آج ہم میں کوئی ایسا لیڈر نہیں ہے جو اُن کی جگہ لے سکے مگر قائداعظمؒ کو بھی اللہ نے ہماری راہنمائی کیلئے مامور فرمایا تھا اور اُنہوں نے ہماری راہنمائی کا ذمہ اُسی وقت اُٹھایا جب خدا کو یہ منظور ہوا کہ وہ مسلمانانِ ہند کی کشتی کو گرداب سے نکال کر ساحلِ مراد تک لے جائیں۔ ورنہ یہی قوم اور یہی محمد علی جناحؒ تھے، 1907ء سے اُن کا شمار آل انڈیا لیڈروں میں تھا۔ مگر 1937ء تک کسی نے ایسے گوہر یک دانہ کی قدر نہ پہچانی۔ لیکن جب خدا کو منظور ہوا کہ وہ میر کارواں بنیں تو دس سال کے اندر پوری قوم اُن کی پشت پر تھی اور سارے دُشمن اُن کے قدموں پر۔ اللہ کو منظور ہوگا تو وہ قائداعظمؒ کا جانشین بھی پیدا کرے گا، لیکن جب تک وہ مردِ مومن اُس خلاء کو نہیں پورا کر دیتا جو محمد علی جناحؒ کی موت نے پیدا کر دیا ہے۔ اُس وقت تک ہم میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنی اپنی جگہ محمد علی جناحؒ بن

جائے۔ یعنی ہر شخص جہاں کہیں بھی ہے، وزیر ہے یا سرکاری حاکم، کارخانہ دار ہے یا تاجر، دوکان دار ہے یا مزدور، بوڑھا ہے یا جوان، عورت ہے یا مرد، اِسی بے غرضی، اِسی ہمت، اِسی عزم اور استقلال کے ساتھ ملک وملت کی خدمت پر کمر باندھ لے جو قائد اعظمؒ کے طرۂ امتیاز تھے۔ محمد علی جناحؒ جب تک زندہ رہے، سات کروڑ مسلمانوں کا کام کرتے رہے اور چھوٹے بڑے ہر مسلمان کا ہر مسئلہ کے متعلق یہی ردِعمل ہوتا تھا کہ قائداعظمؒ اسے بحسن وخوبی حل کرلیں گے۔ مجھے فکر کی کیا ضرورت ہے؟ اب اُن کی موت کے بعد سات کروڑ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ مل کر اِس کام کو مکمل کرنے کی کوشش کریں، جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش میں قائداعظمؒ نے اپنی جان عزیز، جان آفریں کے سپرد کی۔ یہ کام استحکام پاکستان ہے۔ قائداعظمؒ کی بہترین یادگار پاکستان ہے اور اُن سے محبت کا بہترین مظاہرہ اُسے مضبوط بنانے کی سعی۔

قائداعظمؒ زندہ باد۔

پاکستان پائندہ باد۔" 30

روزنامہ احسان اپنے 13 ستمبر کی اشاعت میں "آزمائش کی گھڑی۔۔۔ سنبھلیئے اور سنبھالیئے" کے عنوان سے لکھتا ہے۔

آزمائش کی گھڑی۔۔۔ سنبھلیئے اور سنبھالیئے!

قائداعظمؒ کی ظاہری زندگی ختم ہوگئی لیکن ملت اسلامیہ کی زندگی کا جو چراغ وہ روشن کر گئے ہیں وہ کبھی گل نہیں ہوسکتا۔ اُن کی ظاہری آنکھیں آج بند ہوگئی ہیں لیکن اُن کی روح ہمیشہ ہمیں دیکھتی رہے گی۔ اُن کی وفات نے ہمیں بیچ منجدھار میں اکیلا چھوڑ دیا ہے لیکن اُن کی زندگی

کے نہ مٹنے والے نقوش ایک روشن مینار کی طرح ہمیشہ ہمارے سامنے رہیں گے۔ اُس کی روشنی کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔

آج جب کہ ہماری کشتی مشکلات کے ہجوم میں چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے قائداعظمؒ جیسے ناخدا کا ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا ایک ایسا سانحہ ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اُسے بیان کرتے ہوئے قلم کا جگر شق ہوتا ہے، کلیجہ منہ کو آتا ہے، دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ آہ موت! تیرا بے رحم تیر جب چلتا ہے تو یہ نہیں دیکھتا کہ اُس کا نشانہ کون بن رہا ہے۔ تو نے قائداعظمؒ کے جسدِ خاکی کو آرام کی اَبدی نیند نہیں سلایا، انسانیت کے اُس محسن اعظم کو ہم سے چھین لیا جس نے باطل کی آندھیوں اور ضلالت کے خوفناک طوفانوں میں ہمیشہ صداقت کا چراغ روشن رکھا۔ اُس نے اپنی زندگی کو جسمانی راحت کے لئے کبھی وقف نہیں کیا ورنہ آج اُس کی صحت وتندرستی پر موت کا تیر اِس آسانی سے اپنا وار نہ چلا سکتا۔ مشکلات کے طوفانوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیرا مگر وہ مشکلات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہمیشہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ اُس کا جسم جواب دے رہا تھا مگر اُس کا ہاتھ کام کرنے سے کبھی نہ تھکا۔ اُس کا دماغ تھک تھک کے چور ہو جاتا تھا۔ مگر مظلوم انسانیت کی پکار کا جواب دینے سے وہ کبھی نہ تھکا۔ وہ چاہتا تو پوری زندگی راحت وآرام کی رنگین وادیوں میں گزار دیتا اور اپنی زندگی کے عارضی لمحوں میں کچھ اور اضافہ کر لیتا مگر اُس نے بےفکری کی زندگی کو ہمیشہ فکرمندی کی زندگی پر قربان کیا۔ پچاس سال تک مخالفتوں اور رقابتوں کا ہجوم ہر طرف اُس کا دامن کھینچتا رہا مگر وہ مُسکراتا ہوا برابر اُن کا مقابلہ کرتا چلا گیا۔ ہندو امپیریلزم نے بار بار بھرپور وار کئے، لالچ دیئے، ڈرایا دھمکایا، آنکھیں دکھائیں، جھڑکیاں دیں، ایک ہاتھ میں جامِ عشرت اور دوسرے میں زہرِ قاتل کا منظر دکھا کر اُصول پسندی کی کٹھن اور پُرخار وادی سے دور ہٹانا چاہا، اپنوں نے چھوڑا، غیروں نے جھنجھوڑا مگر وہ مردِ حق اندیش لالچ اور خوف کی اُن تمام طوفانی آزمائشوں کو ٹھکراتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔

ہوا بھی گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا تھا

وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے تھے اندازِ خسروانہ

اُس کے سامنے مشکلات کے بیسیوں پہاڑ کھڑے کئے گئے۔ خون آشام زبانیں چاروں طرف لپکیں، بجلیاں چمکیں، شعلے بھڑکے، جنہوں نے اُس کے ساتھیوں تک کو بدحواس بنا دیا مگر وہ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ اٹل رہا، برابر آگے بڑھتا گیا، تا آنکہ پاکستان کو ایک زندہ مستقبل اور پائیدار ملک کی حیثیت سے دُنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

پاکستان کے قیام کے بعد ہماری سیاسی ومعاشی زندگی کا ہر رشتہ ٹوٹا ہوا تھا۔ بساط بچھائی گئی تھی مگر ہر مہرے کو موزوں جگہ پر رکھنے کا کام باقی تھا۔ قائداعظمؒ کی ستر سالہ عمر کا تقاضہ یہ تھا کہ وہ آرام فرماتے مگر اِس ضعیف العمری کے باوجود اُنہوں نے نوجوانوں سے زیادہ محنت وہمت سے کام کیا، ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑنے اور بکھرے ہوئے دانوں کو سمیٹنے میں دن رات ایک کر دیا۔ اِس بےاندازہ محنت نے قدرتی طور پر آپ کی صحت کو کمزور کر دیا مگر اس کے باوجود آپ نے اس کی پرواہ نہ کی اور ملک کے اُلجھے ہوئے حالات کی بناء پر ایک لمحے کے لئے بھی اپنی ذمہ داریوں سے ہاتھ نہ اُٹھایا۔ وہ برابر کام کرتے رہے اور آخر اپنی اِسی سعی کی راہ میں شہید ہو گئے۔ 31

روزنامہ امروز 14 ستمبر 1948ء

قائداعظمؒ زندہ باد!

قائداعظم محمد علی جناحؒ اپنے سچے مولا سے جا ملے۔ ملت اسلامیہ کے غمگسار نے رحمت حق کی آغوش میں جگہ پائی۔ جادہ حیات وہ سپارا اپنے سفر کی آخری منزل پر جا پہنچا جہاں رضوان الٰہی اُس کا منتظر تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُس کے نحیف جسم میں ایک طوفانی روح چھپی ہوئی تھی۔ اُس کا عزم کہسار سے زیادہ پائندہ ومحکم اور اُس کی ہمت عقاب سے، جو سنگِ خارا کی چٹانوں میں نشیمن بناتا ہے، زیادہ بلند پرواز اور سبک سیر۔ وہ ایک جری اور بےباک سپاہی تھا جو چٹانوں سے ٹکرانے اور پُرخروش موجوں سے لڑنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا تھا۔ اُس نے کئی

بار رکاوٹوں کے پہاڑوں کو ٹھوکروں میں اُڑایا۔کئی مرتبہ پستیوں کو اُچھالا اور بلندیوں کو جھکنے پر مجبور کردیا۔لوگوں نے کہکشاں کو اُس کی تلاش میں افلاک کی رفعتوں سے بھی اُترتے دیکھا ہے۔وہ سکندر یا نپولین کی طرح کوئی فاتح یا کشور کشا نہیں تھا۔اُس نے شہر فتح نہیں کیے، میدان نہیں مارے، پھر بھی اُس کی فتح مندیاں ایسی ہیں جن پر اُس کی قوم ہمیشہ فخر کرتی رہے گی اور دُنیا کا استعجاب کبھی کم نہ ہوگا۔کیونکہ اگرچہ وہ ہندوستان کے بے بس اور مجبور مسلمانوں کا لیڈر تھا جن میں ڈیڑھ سو برس کی مسلسل غلامی نے اولوالعزمی اور بلند ہمتی کی روح باقی نہیں چھوڑی تھی اور وہ اپنی غلامی پر قناعت کرکے بیٹھ رہے تھے، تاہم اُس کی فتح مندیوں کو دُنیا نے ہمیشہ حیرت اور تعجب کی نظر سے دیکھا ہے۔

ہندوستان کے مسلمانوں کی پوری تاریخ میں کوئی بڑے سے بڑا شخص ایسا نہیں گزرا جسے مسلمانوں میں ایسی محبوبیت نصیب ہوئی ہو۔ہم اپنے جھگڑوں میں پڑے ہوئے تھے لیکن جب اُس نے ہمیں پکارا تو اُس کی پکار میں کچھ ایسی کشش تھی کہ ہم اپنے سارے جھگڑے بھول کر اُس کے پیچھے ہولیے۔ہمارے کان اُس کی آواز پر لگے رہتے تھے۔ہماری نظریں اُٹھتی تھیں تو اُسی کی طرف اُٹھتی تھیں۔ہمیں کچھ عادت سی ہوگئی تھی کہ اپنے سارے معاملات اُس پر چھوڑ کے مطمئن ہو جائیں۔ہم اُس سے محبت بھی کرتے تھے اور اُس سے ڈرتے بھی تھے کیونکہ وہ صرف ہمارا رہنما ہی نہیں تھا بلکہ شفیق باپ اور غمگسار دوست بھی تھا۔ہم اُس سے اسی طرح محبت کرتے تھے جیسے بچے باپ سے محبت کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں۔آج وہ ہم میں نہیں لیکن ہمیں یقین نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ کیلئے دُنیا سے اُٹھ گیا ہے۔ہم محسوس کررہے ہیں کہ نہ جانے کب اُس کی آواز جس میں صاعقہ، جلال حق کی کڑک تھی، پھر گونج اُٹھے اور کب وہ طوفانوں کو چیرتا، موجوں کے رُخ پھیرتا، ہمیں نئی راہوں اور نئی منزلوں کی طرف لے جائے۔ہمارے کان اُس کی آواز سننے کے لئے بیتاب ہیں اور ہمارے قدم اُس کی قیادت میں نئی مسافتوں کو قطع کرنے کے مناسب وقت اور موقع کا انتظار کررہے ہیں یہ صحیح ہے کہ ہم اپنی زندگی کے ایک نہایت نازک مرحلے سے گزر رہے

ہیں۔ہمارے سامنے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کی گتھیاں ابھی تک سُلجھ نہیں سکیں۔پھر اُفق پر جنگ کی بجلیاں کوند رہی ہیں اور توپوں کی گرج جو بہت دور سنائی دے رہی تھی، روز بروز زیادہ قریب اور زیادہ بلند ہوتی جارہی ہے۔اِس عالم میں جب ہم اِس سانحہ پر غور کرتے ہیں تو غم کا احساس زیادہ شدید اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ قائداعظمؒ کے فیض تربیت سے ہمیں خود آگہی کی جو دولت نصیب ہوئی ہے وہ ہم میں موجود ہے۔اُس نے ہم میں اولوالعزمی کی جو غیر مغلوب اور ناقابل تسخیر روح پیدا کردی ہے اُس سے کوئی ہمیں محروم نہیں کرسکتا۔وہ ہمیشہ صبح کے تارے کی طرح ہمارے ساتھ رہے گی اور اُس کی روشنی میں ہمارے قدم برابر بڑھتے چلے جائیں گے۔ابھی آسمان کئی باری جھکے گا، کہکشاں کئی مرتبہ افلاک کی بلندیوں سے زمین پر اُترے گی۔پھر ہم یہ کیوں سمجھیں کہ قائداعظمؒ ہم میں موجود نہیں۔جب تک ہماری روح غیر مغلوب اور ہمارا عزم پائندہ ہے، پاکستان زندہ ہے اور جب تک پاکستان زندہ ہے ہمارا محبوب بھی زندہ ہے۔

32 قائداعظمؒ زندہ باد۔

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی رحلت کی دلدوز خبر سابق مشرقی پاکستان پہنچی تو بنگلہ زبان کے معروف رومانوی شاعر شہادت حسین نے "آخری سلام" کے عنوان سے اُنہیں خراجِ تحسین پیش کیا۔اُنہوں نے اِس نظم میں پاکستان کے لوگوں کے جذبات سموئے ہیں۔اُس کا اُردو میں ترجمہ ملاحظہ ہو۔

مسجد کے میناروں سے ابھی موذن کی اذان بلند نہیں ہوئی تھی
خلقت کی آنکھیں ابھی تک محوِ خواب تھیں
گھٹا ٹوپ کالی رات کی چھاؤں میں
کبھی کبھی نیم بیدار چڑیوں کے چہچہانے کی آواز سنائی دے جاتی
بیداری اور خواب کے عالم میں شب زندہ دار فطرت کی الہامی

بانسری کی لے اب بھی سن رہے تھے
کہ یکا یک کسی نے اِس حادثۂ عظیم کا اعلان کیا
"انا للہ" کی آواز بار بار گونجنے لگی
خواب میں کھوئی ہوئی خلقت چونک اُٹھی
حادثے کی خبر سُن کر بجلیاں چمکنے لگیں
فوق البشر کی موت کل کائنات کیلئے فالِ بد ہے
کالی رات آہستہ آہستہ رُخصت ہوئی اور صبح نمودار ہوئی
اُفق پر سورج کی زرد اور بیمار روشنی پھیلنے لگی

قائداعظمؒ اب اِس دُنیا میں نہیں
دُنیا کا قرض چکا کر مہاجر آج ہجرت کر گیا
مسلمانوں کا رہنما کس کے کرتوت سے ناراض ہو کر
آج ہمیشہ کیلئے چلا گیا؟
ساری دُنیا میں گریہ وزاری برپا ہے
اِک نیا کربلا مسلمانوں کے دل میں چبھ رہا ہے
ہر شخص غم والم میں جان دینے کیلئے تیار ہے
تاج گر پڑا ہے، سر ننگا ہے
نڈھال مسافر پریشان اور زبوں حال چل رہا ہے
دُنیا ویران اور سنسان نظر آ رہی ہے
کل جو دولتمند تھا آج وہ یتیم اور مفلس ہے
کون اُن کے چہرے کی طرف دیکھے گا، کون دلاسا دے گا؟

قائداعظمؒ اِس دُنیا میں نہیں۔۔۔ یہ کون کہتا ہے؟
جس نے موت پر فتح حاصل کی، جس نے دُنیا کو خوف سے نجات دلائی
اُس نے ابدی زندگی حاصل کر لی وہ کبھی نہیں مر سکتا
موت خود اُس پر سلام بھیج رہی ہے
اُس کے عظیم کارنامے اُس کے قدموں پر نچھاور ہو رہے ہیں
زمین کے سینے میں اُس کی یاد بطور امانت محفوظ ہے
بحرِ عرب کے ساحل پر کراچی کی سرزمین میں
زندگی کو موت سے کامیاب پا کر وہ میٹھی نیند سو رہا ہے
بہادر رہنما!۔۔۔ ہمارا آخری عقیدت مندانہ سلام قبول کر! 33

☆☆☆

چند مختصر تعارف

ابوالحسن اصفہانی مرزا

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے دیرینہ دوست تھے۔ 1902ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ سے حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد خاندانی پیشہ تجارت اپنایا۔ 1937ء میں بنگال لیجسلیٹو اسمبلی کے رکن چنے گئے۔ 1946ء میں غیر منقسم ہندوستان کی مجلس دستور ساز کے رکن بنے۔ 1948ء میں سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ امریکہ اور برطانیہ میں پاکستان کے سفیر رہے۔ ان کے اور قائداعظمؒ کے درمیان سب سے لمبی خط وکتابت کا ریکارڈ ملتا ہے۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اپنا آخری خط بستر مرگ سے مرزا ابوالحسن اصفہانی ہی کو تحریر کیا تھا۔ جو انہیں ان کی وفات کے بعد موصول ہوا تھا۔ قائداعظمؒ کی حیات پر ان کی کتاب "قائداعظمؒ جیسا میں انہیں جانتا ہوں" بہت مستند سمجھی جاتی ہے۔ اُن کا انتقال 18 نومبر 1981ء کو کراچی میں ہوا۔

الٰہی بخش کرنل ڈاکٹر

قائداعظمؒ کے خصوصی معالج قائداعظمؒ کے آخری ایام میں زیارت میں ان کے ہمراہ رہے۔ انہوں نے "قائداعظمؒ کے آخری ایام" کے عنوان سے ایک مختصر کتاب بھی لکھی۔ 12 ستمبر 1904ء کو چک مغلانی، ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 1921ء میں میٹرک کیا۔ آپ نے لندن سے ایم بی بی ایس اور ایم آر سی پی کی ڈگریاں لیں۔ 1931ء میں ایم ڈی کیا۔ تکمیل تعلیم کے بعد انڈین میڈیکل سروس میں شمولیت اختیار کی۔ 1936ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں فارماکولوجی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ وہ پہلے ہندوستانی مسلمان تھے جنہوں نے یہ اعزاز حاصل کیا۔ جنگ عظیم کے دوران انہیں فوجی خدمات کے لیے طلب کیا گیا۔ 1942ء میں ملایا میں جاپانیوں نے انہیں قید کرلیا۔ آزادی کے بعد انہوں

نے پروفیسر آف میڈیسن اور پرنسپل کے ای میڈیکل کالج کی ذمہ داری سنبھالی۔ علاوہ ازیں میو ہسپتال لاہور اور لیڈی ولنگٹن ہسپتال لاہور کے چیف میڈیکل سپرنٹنڈنٹ رہے۔ میڈیکل ریفارمز کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے کمیشن کی رپورٹ تیار کی جو 1960ء میں صدر ایوب کو پیش کی گئی۔ ان کی وفات 4 اپریل 1960ء کے بعد پنجاب یونیورسٹی نے ان کی خدمات کے پیش نظر انہیں ڈاکٹر آف لاز اور ''آنرز کاز'' کے ممتاز درجے پر فائز کیا۔ آپ قائداعظمؒ کے علاوہ سر عبدالقادر اور علامہ اقبالؒ کے بھی معالج رہے۔ جدید طرز علاج پر ایک کتاب بھی تصنیف کی جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔

انیس الحسنین

پورا نام سید انیس الحسنین رضوی ہے۔ آپ کا تعلق اثناء عشری مسلک سے تھا۔ آپ 1926ء کو لکھنؤ سے کراچی آئے اور تین برس تک اثناء عشری مسجد میں پیش امام رہے۔ بعد میں مدرسہ کی مسجد کے پیش امام کے طور پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ محترمہ فاطمہ جناح نے 11 ستمبر کی رات، تقریباً دو بجے انہیں قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے طلب کیا تھا۔ انہوں نے اپنی زیر نگرانی اپنے مسلک کے غسال شیخ ہدایت حسین المعروف حاجی کلو سے قائداعظمؒ کی میت کو اثناء عشری طریقے سے غسل دلوایا۔ بعد میں اسی کمرے میں جہاں ان کی میت رکھی ہوئی تھی اثناء عشری مسلک سے نماز جنازہ پڑھائی۔ اس میں جناب یوسف ہارون (مرکزی قانون ساز اسمبلی کے ممبر)، ہاشم رضا (ایڈمنسٹریٹر کراچی)، کاظم رضا (انسپکٹر جنرل پولیس)، آفتاب حاتم علوی، حاجی کلو اور دیگر غسال شریک ہوئے۔

سید انیس الحسنین کا انتقال کراچی میں 1975ء میں ہوا اور وہ کراچی ہی میں دفن ہوئے۔

جے۔ اے۔ ایل پٹیل

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے پارسی معالج، وہ بمبئی میں 1899ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے 1927ء میں پنجاب سے ایم ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ قائداعظمؒ کے علاوہ برطانوی ملکہ الزبتھ اور روس کے صدر کے بھی معالج رہے۔ 1976ء میں ان کا انتقال ہوا۔ بھارت کی طرف سے انہیں صدارتی میڈل بھی دیا گیا۔ انہوں نے 1946ء میں تشخیص کی تھی کہ قائداعظمؒ کو تپ دق کا موذی عارضہ ہے۔ قائداعظمؒ کی درخواست پر انہوں نے اس راز کی ہمیشہ حفاظت کی۔

دینا واڈیا

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی اکلوتی صاحبزادی ہیں۔ وہ ان کی دوسری بیوی رتن بائی المعروف رتی (اسلامی نام مریم) کے بطن سے 15 اگست 1919ء کو پیدا ہوئیں۔ بمبئی اور انگلستان میں تعلیم حاصل کی۔ قائداعظمؒ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ ان کی والدہ کی وفات 1929ء کے بعد ان کی پرورش ننھیال میں ہوئی۔ قائداعظمؒ اپنی سیاسی مصروفیات کی وجہ سے انہیں مناسب وقت نہ دے سکے۔ 1938ء میں انہوں نے پارسی نژاد عیسائی نیول واڈیا سے شادی کر لی۔ قائداعظمؒ کو ان کے اس فیصلے پر بڑی پریشانی ہوئی۔ ان کی اس شادی سے ان کے تعلقات ان کے والد سے سرد ہو گئے۔ تاہم منقطع نہیں ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد وہ پہلی اور آخری مرتبہ پاکستان آئیں آج کل امریکہ میں مقیم ہیں۔

رتن بائی۔ رتی ڈنشا پٹیٹ

رتی بائی، مریم (اسلامی نام) سر ڈنشا پٹیٹ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی دوسری بیوی سر ڈنشا پٹیٹ کی بیٹی تھیں اور پارسی نژاد تھیں۔ انہوں نے 1918ء میں شادی سے قبل بمبئی کی جامع مسجد کے امام نذیر احمد خجندی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ اگرچہ اسلامی نام مریم رکھا گیا۔ لیکن شہرت ''رتی'' کے نام سے ہوئی۔ قائداعظمؒ بھی انہیں رتی ہی کے نام سے بلاتے تھے۔

20فروری 1929ءکوان کا انتقال ہوا۔ان کی آخری رسوم مسلمانوں کے طور طریقے سے ہوئیں۔ ان کی آخری آرام گاہ آرام باغ بمبئی میں ہے۔

ریاض علی شاہ ڈاکٹر

ڈاکٹر کرنل الٰہی بخش کی خصوصی درخواست پر قائداعظم محمد علی جناحؒ کے معائنے کے لیے زیارت آئے۔میو ہسپتال کے معروف فیزیشن تھے۔ان کا قائداعظم محمد علی جناحؒ کے آخری ایام کے بارے میں ایک بڑا ہی یادگار مضمون ''قائداعظمؒ بستر مرگ پر'' کراچی کے اخبارات میں شائع ہوا۔آپ آخری لمحات میں بھی قائداعظم محمد علی جناحؒ کے قریب تھے۔

عبدالرحمٰن کرنل ڈاکٹر (ڈاکٹر رحمٰن)

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے فیزیشن (معالج) 1882ء میں پیدا ہوئے۔انہوں نے کلکتہ اور ایڈنبرا میں تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں ریاست بھوپال میں چیف میڈیکل آفیسر رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وہ قائداعظمؒ کے فیزیشن رہے۔ 1951ء میں گورنر جنرل غلام محمد کے بھی ذاتی معالج مقرر ہوئے۔ان کا انتقال 20اپریل 1955 کو ہوا۔

عبدالغنی (گورکن)

پیدائش 1907ء۔اسے قائداعظم محمد علی جناحؒ کی قبر کھودنے کا اعزاز حاصل ہے۔اس کے علاوہ لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر اور محترمہ فاطمہ جناح کی قبریں بھی اس نے تیار کی تھیں۔

غلام محمد ملک

سابق گورنر جنرل۔ پہلے وزیرخزانہ۔ 1895ء میں لاہور کے محلہ ککے زئیاں میں پیدا ہوئے۔ایف اے کا امتحان کپورتھلہ سے پاس کیا۔ پھر علی گڑھ چلے گئے وہیں سے ایم اے، ایل ایل بی کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر (فنانس) میں مقابلے کا امتحان پاس کیا۔کچھ مدت ریلوے

میں رہے۔ پھر حکومت ہند کی ملازمت اختیار کر لی۔نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال والیان ریاست کے چانسلر کی حیثیت سے دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہوئے تو ملک صاحب بھی مشیر مالیات کی حیثیت میں گئے۔مالیات میں غیر معمولی قابلیت کی وجہ سے 1941ء میں دولت آصفیہ، حیدرآباد دکن میں وزیر مالیات مقرر ہوئے۔قیام پاکستان کے بعد 15اگست 1947ء کو پاکستان کے پہلے وزیرخزانہ مقرر ہوئے۔ جب انہوں نے پہلا متوازن بجٹ پیش کیا تو قائداعظمؒ نے ان کی قابلیت و مہارت کا اعتراف کرتے ہوئے جادوگر "Wizard" کہا۔وزیرخزانہ کی حیثیت سے انہوں نے سٹیٹ بینک آف پاکستان، نیشنل بینک آف پاکستان، زرعی مالیاتی کارپوریشن اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کی بنیاد رکھی۔ 16اکتوبر 1951ءکو پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کی شہادت پر گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین ان کی جگہ وزیراعظم بن گئے اور خواجہ صاحب کی جگہ ملک غلام محمد گورنر جنرل بن گئے۔ ملک غلام محمد نے 29اگست 1955ءکو وفات پائی۔آپ کراچی میں دفن ہیں۔

غلام محمد ڈاکٹر

لاہور کے معروف ڈاکٹر کلینیکل ٹیسٹ کے ماہر تھے۔قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ٹیسٹوں کے سلسلے میں 27جولائی 1948ءکو زیارت پہنچے۔وہ قائداعظمؒ کے کلینیکل ٹیسٹوں کے لیے دو دفعہ لاہور سے زیارت اور چار دفعہ لاہور سے کوئٹہ گئے۔

غضنفر علی خان راجہ

سیاست داں۔ 16اگست 1895ءکو پنڈ دادن خان، ضلع جہلم میں پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کی۔1924ءتا1926ء آزاد اُمیدوار کی حیثیت سے مرکزی اسمبلی کے رکن۔1927ء میں قائداعظمؒ کی انڈیپنڈنٹ پارٹی میں شامل ہوئے۔1928ء میں ریاست الور میں وزیر رہے۔1933ءتا1937ءکونسل آف سٹیٹ کے رکن رہے۔1937ءتا1945ء

پنجاب اسمبلی کے رکن۔ 1937ء تا 1946ء پنجاب اسمبلی میں پارلیمانی سیکرٹری رہے۔ 22 اکتوبر 1946ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کی جانب سے عبوری حکومت میں وزیر صحت کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

1948ء میں آپ کو ایران کے سفیر کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ایران روانگی سے قبل آپ قائداعظم محمد علی جناحؒ سے 29 جولائی 1948ء کو زیارت میں ملے۔ قائداعظمؒ آپ سے مل کر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے ایران کی سفارت کے لیے آپ کو خصوصی ہدایات بھی دیں۔

آپ کا انتقال 17 اپریل 1963ء کو ہوا۔

جی اے الانا

کراچی میں 22 اگست 1906ء کو پیدا ہوئے۔ فرگوسن کالج پونا سے بی اے کیا۔ 1942ء میں سندھ مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے۔ وہ اعلیٰ پائے کے مصنف اور شاعر تھے۔ ان کی تصانیف میں منظوم ترجمہ شاہ عنایت سندھی، شاہ عبداللطیف بھٹائی، سچل سرمست اور قائداعظمؒ۔ ایک قوم کی سرگزشت مشہور ہیں۔ 8 مارچ 1985ء کو ان کا انتقال ہوا۔

فرح امین

قائداعظم محمد علی جناحؒ کے اسسٹنٹ پرائیویٹ سیکرٹری۔ وہ قائداعظمؒ کے گورنر جنرل سے لے کر ان کی وفات تک ان کے سیکرٹری رہے۔ ان کا انتقال 12 ستمبر 1969ء کو ہوا۔ قائد اعظمؒ کے آخری ایام کے بارے میں ان کا مضمون "حیات قائد کا آخری سال" بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مضمون نومبر 1948ء میں شائع ہوا تھا اور بعد میں پندرہ روزہ "خدمت" لاہور میں یکم ستمبر 1974ء کو شائع ہوا۔

کلو حاجی

اصلی نام ہدایت علی تھا۔ حاجی کلو کے نام سے مشہور تھے۔ 1914ء سے اثناء عشری

جماعت میں ملازم ہوئے۔ ان کا پیشہ میتوں کو غسل دینا تھا۔ قائداعظم محمد علی جناحؒ کی میت کو غسل انہوں نے دیا تھا۔ 12 مئی 1985ء کو دل کا دورہ پڑنے سے ان کا انتقال ہوا۔ انہیں علی باغ میو شاہ قبرستان میں دفن کیا گیا۔

ایس۔ ایس عالم ڈاکٹر

پورا نام ڈاکٹر شیخ سلطان عالم تھا۔ ڈاکٹر ایس ایس عالم کے نام سے مشہور ہیں۔ ریڈیالوجسٹ کے ماہر ہونے کی حیثیت سے بڑا نام کمایا۔ 1948ء میں ان کے پاس اپنی پورٹیبل (سفری) ایکسرے مشین تھی۔ اس سفری مشین سے انہوں نے قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ایکسرے لیے تھے۔

شبیر احمد عثمانی علامہ

معروف عالم دین، فقیہ اور مفسر قرآن۔ آپ 10 محرم 1305ھ (1885ء) کو بجنور، یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا فضل الرحمٰن عثمانی انسپکٹر مدارس تھے۔ آپ دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد دیوبند میں بڑی جماعتوں میں مدرس کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ 1907ء میں جمعیت الانصار میں شرکت کی اور اپنی عالمانہ تقریروں سے پورے ملک میں ممتاز عالم کی حیثیت سے مقبول ہو گئے۔ جمعیت کا مقصد مسلمانوں میں مذہبی اور سیاسی بیداری پیدا کرنا تھا۔ بعد ازاں آپ صدر مہتمم دیوبند یعنی وائس چانسلر کے اعلیٰ عہدے پر بھی فائز رہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اپنے مرشد مولانا اشرف علی تھانوی سمیت تحریک پاکستان میں شامل تھے۔ 46-1945ء کے انتخابات اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم 1947ء میں آپ کا کردار بہت یادگاری ہے۔ قیام پاکستان کے بعد قائداعظم محمد علی جناحؒ نے انہیں آزاد پاکستان کا پہلا پرچم لہرانے کا اعزاز دیا۔ 12 ستمبر 1948ء کو انہوں نے قائداعظمؒ کی نماز جنازہ پڑھائی اور نماز کے بعد مختصر تقریر میں فرمایا کہ

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں
نے قائداعظمؒ جیسا آہنی عزم کا انسان پیدا نہیں کیا۔

1949ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی بہاول پور تشریف لے گئے۔ وہاں انہیں دل کا دورہ پڑا اور 12 دسمبر 1949ء کو وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کراچی میں اسلامیہ کالج میں دفن ہیں۔

زیڈ اے بخاری

پورا نام ذوالفقار علی بخاری ہے۔ پطرس بخاری کے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ 1904ء میں پشاور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پشاور سے حاصل کی۔ بعد ازاں منشی فاضل اورینٹل کالج لاہور سے کیا۔ ملازمت کا آغاز شملہ سے ایک فوجی بورڈ سے بطور مترجم کیا۔ اداکاری کا بھی شوق تھا۔ شملہ میں سید امتیاز علی تاج کے مشہور ڈرامے "انارکلی" میں "سلیم" کا کردار ادا کیا۔ 1935ء میں آل انڈیا ریڈیو (سٹیشن دہلی) میں ملازمت اختیار کر لی۔ 1938ء میں بی بی سی لندن میں براڈ کاسٹنگ کی تربیت حاصل کی۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان کے پہلے ڈائریکٹر جنرل اور 1964ء میں جب پاکستان ٹیلی ویژن متعارف ہوا تو اس کے پہلے جنرل منیجر بنائے گئے۔ 12 ستمبر 1948ء کو آپ نے قائداعظمؒ کے جنازے کا آنکھوں دیکھا حال ریڈیو سے نشر کیا تھا۔ آپ کی تصانیف میں سرگزشت بخاری اور راگ دریا قابل ذکر ہیں۔ آپ 21 جولائی 1975ء کو فوت ہوئے اور کراچی ہی میں دفن ہوئے۔

☆☆☆